مواعظِ عثمانی

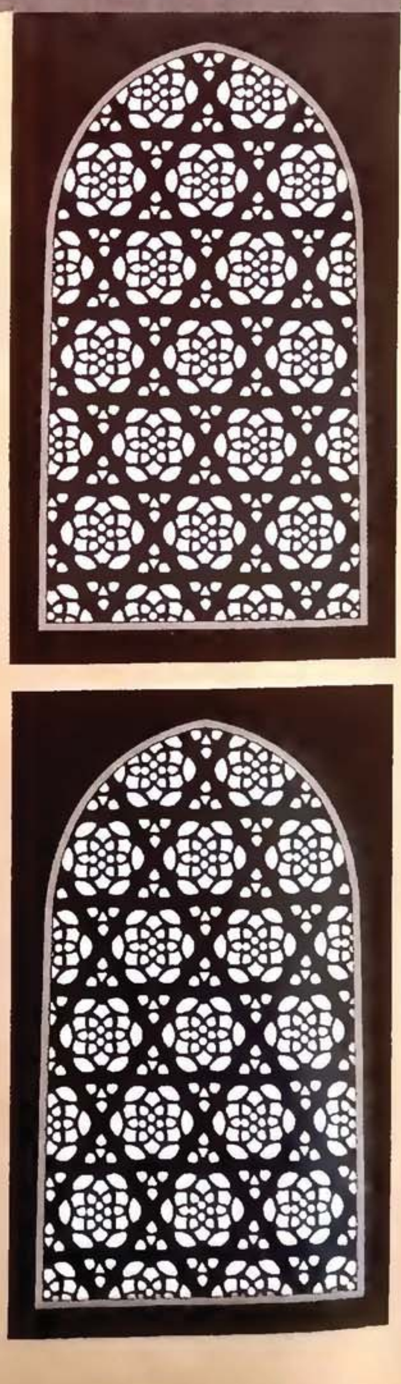
اصلاحی تقاریر و مضامین کا موضوع وار مجموعہ



معاشرت (حصہ دوم)

جلد: ۱۴

مفتی محمد تقی عثمانی



مکتبہ معارف القرآن کراچی ۱۴
(Quranic Studies Publishers)

مواعظِ عثمانی

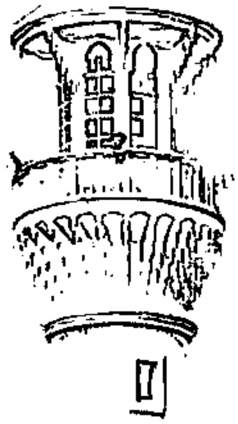
معاشرت

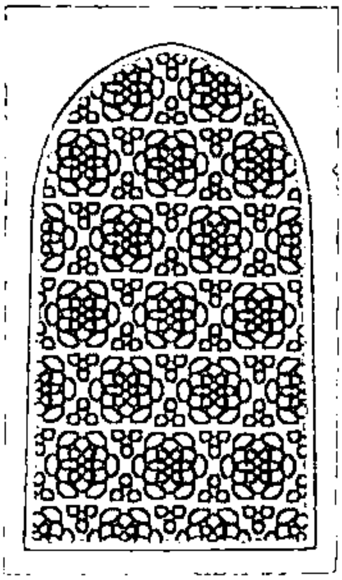
جلد ۱۴

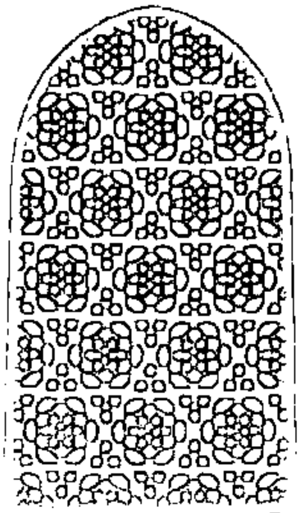
بسم الله الرحمن الرحيم

مواعظِ عثمانی

معاشرت







جلد: ۱۴

مفتی محمد تقی عثمانی

ترتیب وتخریج

مولانا عنایت الرحمٰن

مکتبہ معارف القرآن کراچی ۱۴

(Quranic Studies Publishers)

Karachi, Pakistan.

عرضِ ناشر: الحمد للہ اگرچہ مکتبہ معارف القرآن کراچی نے "مواعظِ عثمانی" کی تصحیح وطباعت میں ہر ممکن احتیاط سے کام لیا ہے، لیکن کبھی کبھی کتابت، طباعت اور جلد سازی میں سہواً غلطی ہو جاتی ہے۔
اگر کسی صاحب کو ایسی کسی غلطی کا علم ہو تو براہ کرم مطلع فرما کر ممنون فرمائیں۔

باہتمام
ڈاکٹر مفتی محمد حسان اشرف عثمانی

طبع : ربیع الاول ۱۴۴۴ھ - ستمبر ۲۰۲۲ء
ناشر : مکتبہ معارف القرآن کراچی
فون : 92-21-35123130
35031565
0312-2592838
ای میل : info@mmqpk.com
mm.q@live.com
ویب سائٹ : www.mmqpk.com
www.maktabamaarifulquran.com

مکتبہ معارف القرآن کراچی
(Quranic Studies Publishers)
maktabamaarifulquran.com
احاطہ جامعہ دارالعلوم کراچی، کورنگی انڈسٹریل ایریا، کراچی، پاکستان۔ 75180

فیس بک سے خریداری کے لئے scan کریں
0300-2150304

www.ONLINESHARIAH.com
آن لائن خریداری کے لئے تشریف لائیں۔

ملنے کے پتے

- مکتبہ دار العلوم، کراچی
- دار الاشاعت، کراچی
- بیت القرآن، کراچی
- مکتبۃ القرآن، کراچی
- بیت الکتب، کراچی
- ادارۂ اسلامیات، کراچی/لاہور
- مکتبہ عمر فاروق، کراچی
- فخر الدین کانج والا، کراچی
- مکتبہ اصلاح وتبلیغ، حیدرآباد
- ادارہ تالیفات اشرفیہ، ملتان
- مکتبہ رحمانیہ، لاہور
- مکتبہ بیت العلوم، لاہور
- مکتبہ سید احمد شہید، لاہور
- الفلاح پبلیشرز، لاہور
- اسلامی کتاب گھر، فیصل آباد
- مکتبہ اسلامیہ، فیصل آباد
- مکتبہ صفدریہ، راولپنڈی
- اسلامی کتاب گھر، راولپنڈی
- مکتبہ عثمانیہ، راولپنڈی
- مسٹر بکس، اسلام آباد
- دار السلام، اسلام آباد
- مکتبہ رشیدیہ، راولپنڈی
- مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ
- دار الاخلاص، پشاور
- مکتبہ احیاء العلوم، کرک
- مکتبہ عباسیہ، تیمر گرہ
- مکتبہ احرار، مردان
- قرآن مجید محل، مردان

پیشِ لفظ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الحمد لله رب العالمین، والصلاة والسلام علی رسوله الکریم وعلی آله وأصحابه أجمعین، وعلی کل من تبعهم بإحسان إلی یوم الدین

میرے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس اللہ سرّہٗ نے بندے کو دارالعلوم ۱۹۵۹ء میں دورۂ حدیث کی تکمیل کے بعد ہی سے جمعہ کی تقریر کرنے پر مقرر فرمادیا تھا، شروع میں اپنے لسبیلہ ہاؤس والے گھر کے قریب عزیزی مسجد میں کئی سال جمعہ کی تقریر کرتا رہا، پھر حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی علالت کے بعد جامع مسجد نعمان لسبیلہ ہاؤس میں سالہا سال جمعے کی تقریر کی نوبت آتی رہی۔ ۱۹۹۹ء میں میرے استاد گرامی حضرت مولانا سحبان محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی وفات ہوئی جو جامع مسجد بیت المکرم میں جمعہ پڑھایا کرتے تھے اور ان کی تعلیمات کا فیض دور تک پھیلا ہوا تھا، اس موقع پر مجھے جامع مسجد نعمان لسبیلہ ہاؤس سے بیت المکرم منتقل کیا گیا اور وہاں ۱۹۹۹ء سے ۲۰۲۰ء تک جمعہ کی تقریر کا سلسلہ رہا۔

میرے شیخ مکرم حضرت ڈاکٹر عبد الحی عارفی صاحب قدس اللہ سرہ کی

وفات کے بعد میرے استاذ حضرت مولانا سحبان محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے حکم پر میں نے لسبیلہ ہاؤس کی جامع مسجد نعمان میں اور پھر بیت المکرم میں اتوار کے دن عصر کے بعد ایک اصلاحی مجلس کا سلسلہ شروع کیا، اس وقت میری تقریریں محفوظ کرنے کا کوئی انتظام نہیں تھا اور نہ میں انہیں اس قابل سمجھتا تھا کہ انہیں شائع کیا جائے، لیکن میرے انتہائی مشفق دوست حضرت پروفیسر شمیم احمد صاحب (جو اس وقت ''معارف القرآن'' کا انگریزی ترجمہ کر رہے تھے) نے میرے معاون مولانا عبداللہ میمن صاحب سے یہ خواہش ظاہر کی کہ وہ ان تقریروں کو ریکارڈ کر کے قلمبند کرلیا کریں، چنانچہ انہی کی تحریک پر ان اصلاحی بیانات اور کسی قدر جمعے کے خطبوں پر مشتمل ایک طویل سلسلہ ''اصلاحی خطبات'' کے نام سے منظرِ عام پر آگیا جس کی اب غالباً ۲۵ جلدیں ہو چکی ہیں۔

تجربے سے معلوم ہوا کہ بفضلہٖ تعالیٰ ان کی اشاعت مفید ہوئی اور حضراتِ ائمہ وخطباء بھی اپنی تقاریر میں ان سے مدد لینے لگے اور عام مسلمانوں کو بھی عام فہم انداز میں دین کی بنیادی معلومات آسانی سے پہنچنے لگیں، اس کے علاوہ بندہ کو مختلف مواقع پر کراچی یا کسی اور شہر میں، بلکہ کسی اور ملک میں بھی اس طرح کی تقریروں کا موقع ملتا رہا اور متعدد احباب انہیں قلمبند کر کے شائع کرتے رہے اور کسی خاص موضوع کے بارے میں انہی تقاریر سے متعدد مجموعے بھی مرتب کر کے شائع کیے گئے۔

مجھے ایک فکر ہمیشہ دامن گیر رہی کہ اصلاحی بیانات میں بسا اوقات واقعات اور احادیث میں صحت کا اتنا اہتمام نہیں ہوتا جتنا مستقل تالیفات میں ہوتا ہے، اس لیے میں نے اپنے احباب میں سے مولانا عنایت الرحمن صاحب کو اس پر

نامزد کیا کہ وہ میری تقاریر میں بیان کردہ احادیث یا سلف کے واقعات کی تحقیق وتخریج کریں اور جہاں غلطی ہوئی ہو، اس کی اصلاح کریں۔ میرے مشورے سے وہ یہ کام ماشاء اللہ قابلیت کے ساتھ کرتے رہے۔ مولانا عنایت الرحمن صاحب نے اس پر یہ اضافہ کیا کہ ''اصلاحی خطبات''، ''اصلاحی مجالس'' اور بیانات کے مختلف مجموعوں کو بھی عنوانات و مضامین کی ترتیب سے مرتب کیا اور جو تقاریر ''البلاغ'' میں یا کسی دوسرے رسالے میں شائع ہوئی تھیں یا کسی کتاب کا جز تھیں ان کا بھی استقصاء کر کے ایک نیا مجموعہ ''مواعظِ عثمانی'' کے نام سے مرتب کردیا اور اس لحاظ سے یہ بندہ کی تقاریر، مواعظ اور بیانات کا سب سے زیادہ جامع مجموعہ ہوگیا ہے اور حسبِ استطاعت اس میں تخریج و تحقیق کا بھی اہتمام ہے جس سے اس کے درجۂ استناد میں بھی اضافہ ہوگیا ہے۔

دل سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ عزیزِ موصوف کی اس کاوش کو اپنی بارگاہ میں قبول فرما کر اس بے عمل کے لیے ذخیرۂ آخرت بنادیں اور اس سے عام و خاص مسلمانوں کو فائدہ پہنچے۔ آمین

دارالعلوم کراچی ۱۴

بندہ

محمد تقی عثمانی عفی عنہ

۱۵/ محرم ۱۴۴۳ھ

عرض ناشر

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم امابعد!

زیرِ نظر کتاب سلسلہ ''مواعظِ عثمانی'' جلد نمبر ۱۴ ''معاشرت (حصہ دوم)'' جو حضرت مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم کے خطبات، تقاریر اور مضامین کا تخریج شدہ جامع اور مستند موضوع وار مجموعہ ہے۔ حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم کو اللہ ربُّ العزت نے جو بے پناہ مقبولیت عطا فرمائی ہے وہ محتاجِ تعارف نہیں۔ حضرت والا دامت برکاتہم بیک وقت مفسر، محدث، فقیہ، ماہرِ معاشیاتِ اسلامی، مؤرخ، محقق، شاعر، ادیب اور مبلغ و داعیٔ اسلام ہیں۔ اسی دعوت وارشاد کا سلسلہ عرصۂ دراز سے ہفتہ واری مجلس کی صورت میں تاحال جاری ہے اور الحمد للہ اس سے بلا مبالغہ لاکھوں انسانوں کو فائدہ ہو رہا ہے، جن میں غیر مسلم حضرات بھی شامل ہیں۔ اور اسی دعوت وارشاد کی برکت سے بہت سارے غیر مسلم حلقہ بگوش اسلام ہوئے ہیں اور آج ایک کامیاب زندگی گزار رہے ہیں۔ حضرت والا دامت برکاتہم کے انہی بیانات ومواعظ سے علماء، طلباء اور خطباء کرام استفادہ کرتے چلے آرہے ہیں۔ اور حضرت والا دامت برکاتہم کے جملہ بیانات ومواعظ تحریراً اور تقریراً عوام الناس میں مقبول ہیں اور ہر طبقہ ان سے مستفید ہو رہا ہے۔

فاضل مرتب نے اس مجموعہ میں شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی

صاحب دامت برکاتہم کی درج ذیل کتب کا مکمل استیعاب کیا گیا ہے:

- حضور ﷺ نے فرمایا
- اصلاحی خطبات
- اصلاحی مواعظ
- اصلاحی مجالس
- خطباتِ عثمانی
- خطبات دورۂ ہند
- درسِ شعب الایمان
- نشری تقریریں
- فرد کی اصلاح
- اصلاحِ معاشرہ
- تربیتی بیانات
- ذکر وفکر
- The Islamic months

اور اس کے علاوہ

- آسان ترجمہ قرآن
- اسلام اور ہماری زندگی
- انعام الباری
- تقریرِ ترمذی
- جہانِ دیدہ
- سفر در سفر
- دنیا مرے آگے
- اسلام اور جدید معاشی مسائل
- ہمارا معاشی نظام

کے منتخب مضامین، نیز ماہنامہ البلاغ اور دیگر مجموعوں اور رسائل میں شائع شدہ اور صوتی صورت میں محفوظ شدہ حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم کے بعض بیانات و خطبات کو شامل کیا ہے۔ حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم کی ہدایت پر اس کی تصحیح اور تحقیق کا اہتمام ہوا ہے۔ اس لحاظ سے یہ مجموعہ حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم کے خطبات و مضامین کا جامع اور مستند ترین مجموعہ ہے۔ اس مجموعہ کی ترتیب، تحقیق وتخریج حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم کی ہدایت پر ان کی نگرانی میں مولانا عنایت الرحمن صاحب نے کی ہے۔ اس مجموعہ کی خصوصیات اور تحقیق وتخریج کا طریقۂ کار اس مجموعہ کی پہلی جلد ''ایمان و عقائد ونظریات (حصہ) اوّل'' کے شروع میں درج ہے، اس کی مراجعت ان شاء اللہ مفید رہے گی۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اس کاوش کو شرفِ قبولیت عطا فرمائے اور اسے ادارہ کے جملہ احباب و معاونین کے لئے ذخیرۂ آخرت بنادے۔ آمین یارب العالمین۔

انتظامیہ مکتبہ معارف القرآن کراچی

فہرستِ عنوانات

اجمالی فہرستِ عنوانات

تفصیلی فہرست

عنوان	صفحہ
مخلوق سے محبت کی اہمیت	**۳۳**

مخلوق سے محبت کی اہمیت

(درس شعب الایمان ۲/ ۱۹۵)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مخلوق سے محبت کی اہمیت

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَاھَادِیَ لَہٗ، وَأَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ وَأَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَنَبِیَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا کَثِیْرًا۔ أَمَّا بَعْدُ!

بزرگانِ محترم اور برادرانِ عزیز!

اللہ تبارک وتعالیٰ کے فضل وکرم سے آج سات ہفتوں کے بعد آپ حضرات سے مجلس میں ملاقات ہو رہی ہے، یہ سات ہفتے مختلف سفر میں گزرے، اللہ تبارک وتعالیٰ نے تین ہفتے حرمین شریفین میں گزارنے کی سعادت عطا فرمائی الحمد للہ! اور آپ حضرات کے لیے دعا کی بھی توفیق ہوئی، اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے

فضل وکرم سے قبول فرمائے۔ کافی دن سے اللہ جل جلالہ کی محبت کا بیان چل رہا ہے اور اس حدیث پر بیان ہو رہا ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اگر کسی شخص میں تین چیزیں پائی جائیں تو اس کو ایمان کی حلاوت نصیب ہوگی۔ ان میں سے ایک چیز یہ ہے کہ اس کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر ما سواء سے زیادہ محبوب ہوجائیں، اللہ تبارک وتعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت ہر دوسری محبت پر غالب آجائے اور دوسری بات یہ کہ ایک انسان کسی دوسرے سے محبت کرے تو اللہ تعالیٰ ہی کے لیے کرے، تیسری بات یہ ہے کہ وہ کفر کی طرف واپس لوٹ جانے کو اس طرح ناپسند کرے جیسے وہ اس بات کو ناپسند کرتا ہے کہ اس کو آگ میں جھونکا جائے[1]۔

ہر ایک سے اللہ کے لیے محبت

جس سے بھی محبت ہو اللہ تعالیٰ کے لیے ہو، انسان کو اپنی اولاد سے محبت ہوتی ہے تو وہ محبت بھی اللہ تعالیٰ کے لیے ہو، انسان کو اپنی بیوی سے محبت ہوتی ہے تو وہ محبت بھی اللہ تعالیٰ کے لیے ہو، انسان کو اپنے بچوں سے محبت ہوتی ہے تو وہ محبت بھی اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہو، انسان کو اپنے دوستوں اور عزیزوں سے محبت ہوتی ہے تو وہ محبت بھی اللہ تعالیٰ کے لیے ہو۔ ہم لوگوں کو یہ بات بظاہر کچھ عجیب سی لگتی ہے کہ بیوی، بچوں، دوستوں اور عزیزوں سے اللہ تعالیٰ کے لیے محبت ہو کیونکہ ہمیں ابھی تک اس کا ذائقہ نصیب نہیں ہوا ہے، لیکن جن لوگوں کو

---

(۱) صحیح البخاری ۱۲/۱ (۱٦) وصحیح مسلم ٦٦/۱ (٤۳)۔

اللہ تبارک وتعالیٰ اپنی محبت سے سرشار فرمادیتے ہیں تو ان کا کوئی بھی تعلق ہو اور کسی سے بھی قائم ہو وہ اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہوتا ہے۔

حضور نبی کریم ﷺ اور کثرت ذکر اللہ

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مواعظ میں ایک عجیب بات یہ بیان فرمائی ہے کہ مجھے کبھی کبھی تعجب ہوتا ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ کا اللہ تبارک وتعالیٰ سے براہِ راست رابطہ تھا، ہر وقت اللہ تعالیٰ سے تعلق جڑا ہوا ہے، ملأ الاعلیٰ کے ساتھ رابطہ قائم ہے، وحی نازل ہورہی ہے، جبرائیل امین علیہ السلام آرہے ہیں، ہر وقت ذکر اللہ میں مشغول ہیں۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ

"كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَذْكُرُ اللهَ عَلَى كُلِّ اَحْيَانِهِ"(۱)

نبی کریم ﷺ تمام اوقات میں اللہ تعالیٰ کا ذکر فرماتے تھے۔

حضورِ اقدس ﷺ ہر وقت اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے تھے یہاں تک کہ علماءِ کرام نے فرمایا ہے کہ وہ جگہ جہاں زبان سے ذکر نہیں کیا جاسکتا۔ مثلاً بیت الخلاء میں زبان سے کرنا جائز نہیں ہے، اسی طرح برہنہ ہو کر غسل کر رہا ہے، اس حالت میں ذکر کرنا جائز نہیں ہے، لیکن ان حالات میں بھی حضور اقدس سرورِ دو عالم ﷺ کا ذکرِ قلبی جاری رہتا تھا۔

---

(۱) صحیح مسلم ۲۸۲/۱ (۳۷۳) وسنن الترمذی ۳۹٤/۵ (۳۳۸٤).

ازواجِ مطہرات کے حقوق کی ادائیگی

آپ ﷺ کا ہر وقت ذکر قلبی جاری ہے، اس کے باوجود آپ ﷺ اپنی ازواجِ مطہرات سے ہنسی دل لگی کی باتیں کیسے کرلیا کرتے تھے؟ کیونکہ جس کا اللہ تبارک وتعالی کے ساتھ ہروقت رشتہ جڑا ہوا ہو اور وہ اس میں مستغرق ہو تو پھر یہ کیا بات ہے کہ وہ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو حبشیوں کا کرتب دکھا رہے ہیں[1]۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو گیارہ عورتوں کا قصہ سنا رہے ہیں کہ گیارہ عورتیں تھیں اور انہوں نے آپس میں یہ طے کیا تھا کہ ہم میں سے ہر ایک اپنے شوہر کا وصف بیان کرے گی کہ اس کا شوہر کیسا ہے؟ تو ہر ایک نے بڑے فصیح وبلیغ انداز میں اپنے شوہر کا وصف بیان کیا۔ یہ حدیث بخاری شریف میں ہے اور شمائلِ ترمذی میں بھی ہے[۲]۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کسی نے پوچھا کہ جب نبی کریم ﷺ گھر تشریف لاتے تو آپ کا کیا معمول ہوتا ہے؟ شاید پوچھنے والے کے دل میں یہ بات تھی کہ جب آپ ﷺ گھر میں تشریف لاتے ہیں تو گھر میں بھی مسلسل عبادت میں مشغول رہتے ہوں گے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ جب آپ ﷺ گھر میں تشریف لاتے تو گھر کے کام کاج میں لگے رہتے ہیں اور گھر والوں کے کام میں ہاتھ بٹاتے ہیں، بکری کا دودھ دوھ لیتے ہیں اور کپڑے دھو لیتے ہیں[۳]۔

---

(۱) صحیح البخاری ۹۸/۱ (٤٥٤-٤٥٥).

(۲) صحیح البخاری ۲۷/۷ (۵۱۸۹) والشمائل المحمدیة للترمذی ص ۲۰۹ (۲٥٤) طبع المکتبة التجاریة لمکة المکرمة۔

(۳) مسند احمد ۲۰۹/۱۲ (۲٥۳٤۱) وصحیح ابن حبان ٤۸۸/۱۲ (۵٦۷۵) وقال الساعاتی فی "الفتح الربانی" ۲٤/۲۲: وهو حدیث صحیح، ورجاله ثقات، صححه ابن حبان. واصله فی صحیح البخاری ۱۳٦/۱ (٦۷٦)۔

نبی کریم سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ معمول تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر روز بلا ناغہ عصر کے بعد تمام ازواجِ مطہرات کے پاس تھوڑا وقت گزارتے تھے تاکہ کسی زوجہ کا حق فوت نہ ہو اور انہیں کوئی تکلیف نہ پہنچے[۱]۔

شیخ عبد القدوس گنگوہی قدس سرہٗ کا حال

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مجھے تعجب ہوتا تھا کہ جس ذات کو اللہ جل جلالہ کے ساتھ اتنا زیادہ قرب ہو، اس کا دنیا کے کاموں میں کیسے دل لگ جاتا ہے، وہ ازواج کے ساتھ کس طرح زندگی گزار لیتے ہیں! اور تعجب کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ بہت سے اولیاءِ کرام اور صوفیائے عظام کے بارے میں قصے مشہور ہیں کہ جب ان کو اللہ تعالیٰ کی یاد میں اور ذکر میں استغراق ہوجاتا ہے وہ بسا اوقات لوگوں کو پہچاننا بھی بھول جاتے ہیں۔ میں نے اپنے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ سے سنا کہ حضرت شیخ عبد القدوس گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ بڑے درجے کے اولیاءُ اللہ میں سے تھے، وہ اللہ تعالیٰ کے ذکر میں اتنا مستغرق رہتے تھے کہ اس استغراق میں اولاد بھی سامنے آجائے تو اُسے پہچانتے نہیں تھے، ان کو بتانا پڑتا تھا کہ یہ آپ کی اولاد ہیں۔ حضرت شیخ عبد القدوس گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ پر ایک مرتبہ فاقہ گزر رہا تھا، گھر میں کھانے کو کچھ نہیں تھا اور وہ استغراق کی حالت میں تھے، ان کے بچے آئے اور ان سے آکر کہا حضرت! بھوک لگ رہی ہے، کھانا چاہیے۔ تو کہنے لگے کہ ہاں دیگیں چڑھ رہی ہیں، بہت دیگیں چڑھ رہی ہیں، ان کا مطلب یہ تھا کہ جنت میں دیگیں چڑھ رہی ہیں، تو بہت سے اولیاءِ کرام

---

(۱) صحیح البخاری ۲٦/۹ (٦۹۷۲) وانظر سبل الهدى والرشاد ۱۷۰/۱۱ طبع دار الكتب العلميه.

اور صوفیائے عظام کے بارے میں یہ باتیں مشہور ہیں، وہ استغراق ایک قسم کی کیفیت تھی جس میں وہ معذور تھے۔

مخلوق کو بھول جانا کمال نہیں

ان کے حالات سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا جتنا قرب حاصل ہوتا ہے تو اتنا ہی استغراق بڑھنا چاہیے پھر اس کے ساتھ مخلوق سے تعلقات اور مخلوق کے ساتھ رہنا یہ دونوں باتیں کیسے جمع ہوسکتی ہیں؟ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کو اس بات پر تعجب ہوتا تھا، لیکن اس کے بعد فرمایا الحمد للہ پتا چل گیا کہ ایسا ہوسکتا ہے اور ہوجاتا ہے، یعنی جب خود پر یہ کیفیت گزری تو پتا لگ گیا کہ دونوں باتیں جمع ہوسکتی ہیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے ساتھ قرب بھی ہے اور ہر وقت رابطہ بھی استوار ہے اور اس کے ساتھ ساتھ دیکھنے میں دنیا والوں کے ساتھ بھی وہی کام ہو رہا ہے جو دوسرے لوگ کررہے ہیں، اس لیے کہ جب اللہ تبارک وتعالیٰ کا قرب حاصل ہوجاتا ہے اور اللہ تبارک وتعالیٰ کی محبت حاصل ہوجاتی ہے تو اللہ تبارک وتعالیٰ کی محبت کی وجہ سے بندہ کو اس بات کا احساس ہوتا ہے کہ یہ ساری مخلوق اللہ تعالیٰ کی ہے، لہٰذا اس کے ساتھ محبت بھی درحقیقت اللہ تعالیٰ کیساتھ محبت ہے، ان کے ساتھ تعلق بھی درحقیقت اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق ہے، انسان کو یہ کیفیت حاصل ہوجاتی ہے۔ جو لوگ استغراق کے عالم میں مخلوق کو بھول جاتے ہیں تو وہ درمیانے درجہ میں ہوتے ہیں اور یہ کوئی کمال کی بات نہیں۔

منصور حلاج قدس سرہٗ کا واقعہ

منصور حلاج ایک بزرگ گزرے ہیں، ان کو اللہ تبارک وتعالیٰ کے ذکر میں ایک قسم کا استغراق پیدا ہوگیا تھا، ایک قسم کی حالت پیدا ہوگئی تھی، ہر چیز اللہ ہی اللہ نظر آتی تھی، اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اور چیز نظر نہیں آتی تھی، وہ کہتے تھے کہ اس کائنات میں اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اور چیز نہیں ہے، یہ آسمان کچھ نہیں ہیں، یہ زمین کچھ نہیں ہے، یہ دیواریں کچھ نہیں ہیں، یہ مکانات کچھ نہیں ہیں، یہ میرا وجود کچھ نہیں ہے، جو کچھ ہے وہ اللہ ہی ہے، ان پر یہ کیفیت طاری ہوگئی تھی، وہ اس کیفیت میں مستغرق ہو کر ''انا الحق'' کہہ بیٹھے یعنی میں کچھ نہیں ہوں اور میرا وجود بھی کچھ نہیں ہے، اللہ ہی اللہ ہے، لہٰذا میں بھی اللہ ہوں۔ کوئی آدمی یہ کہے کہ میں حق ہوں یا میں اللہ ہوں تو یہ کفر کا کلمہ ہے، اس وجہ سے ان کو سزا دی گئی اور انہیں قتل کر دیا گیا۔

فرعون اور منصور رحمۃ اللہ علیہ کے ''انا الحق'' میں فرق

ایک انا الحق فرعون نے کہا تھا کہ میں اللہ ہوں

فَقَالَ اَنَا رَبُّکُمُ الاَعلٰی (۱)

مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

(۱) سورۃ النازعات آیت (۲۴) ترجمہ اور کہا کہ ''میں تمہارا اعلیٰ درجے کا پروردگار ہوں''۔ (توضیح القرآن)۔

گفت فرعونے انا الحق گشت پست
گفت منصورے انا الحق گشت مست(۱)

دوسرا حضرت منصور حلاج نے بھی انا الحق کہا تھا یعنی میں اللہ ہوں، لیکن دونوں میں فرق یہ تھا کہ فرعون نے حق کو مٹا کر اللہ تعالیٰ کو فراموش کر کے اپنا وجود ظاہر کیا تھا کہ میں خدا ہوں اس لیے غرق ہوا اور منصور حلاج نے اپنے آپ کو مٹا کر اللہ تعالیٰ کے وجود کو ثابت کیا کہ اللہ ہی اللہ ہے، میں تو کچھ بھی نہیں ہوں۔

میں کچھ اور نہ کہہ دوں منصور ہو کر

ہمارے حضرت مجذوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

نہ پاس آؤ اتنا چلو دور ہو کر
میں کچھ اور نہ کہہ دوں منصور ہو کر

یعنی ایسا حال جس میں آدمی حضرت منصور حلاج قدس سرہٗ کی طرح کی باتیں کرنے لگے، یہ پسندیدہ حالت نہیں ہے، اس لیے مجذوب صاحب کہہ رہے ہیں کہ میں کچھ اور نہ کہہ دوں منصور ہو کر۔

خلاصہ یہ کہ ذکر اللہ کرنے میں اگر انسان پر کوئی ایسا حال آجائے تو اسے کسی شیخ اور اللہ والے سے رہنمائی حاصل کرنی چاہیے۔

(۱) ترجمہ: فرعون نے انا الحق کہا مردود ہوا، اور حضرت منصور حلاج نے انا الحق کہا تو مقبول ہوئے۔ خطبات حکیم الامت ۱۱/ ۳۶۶ طبع ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کا ارشاد

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

منصور بچہ بود از یک قطرہ بفریاد آمد

ایں جا مرد انند کہ دریا ھا فرو بُردہ اند و آروغے نہ زدند

کہ منصور تو بچہ تھا کہ قرب کا ایک گھونٹ پیا اور اسی میں بے ہوش ہو گیا اور ہم نے دریا پی لیے ہیں اور ڈکار بھی نہیں لی۔ تو درحقیقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے قرب ہو اور اللہ تبارک و تعالیٰ سے رشتہ جڑا رہے اور اللہ تعالیٰ سے محبت ہو، لیکن اس کے ساتھ ساتھ ساری مخلوق سے محبت بھی اللہ ہی کے لیے بن جائے۔

اللہ والوں اور عام لوگوں میں فرق

اللہ والے بھی وہی کام کرتے ہیں اور عام لوگ بھی وہی کرتے ہیں۔ وہی اٹھنا، بیٹھنا، وہی باتیں کرنا اور وہی ہنسنا بولنا، لیکن دونوں میں فرق کیا ہوا؟ حکیم الامت حضرت تھانوی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ فرماتے ہیں کہ اس طریقِ سلوک میں مبتدی اور منتہی دونوں کا ظاہری حال ایک جیسا ہوتا ہے، دونوں ظاہر میں ایک جیسے نظر آئیں گے، یہ کھا رہا ہے، وہ بھی کھا رہا ہے، یہ بیوی بچوں سے ہنس بول رہا ہے، وہ بھی بیوی بچوں سے ہنس بول رہا ہے، یہ بازار میں پھر رہا ہے، وہ بھی بازار میں پھر رہا ہے، قرآنِ کریم میں ہے کہ

وَ قَالُوْا مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَأْكُلُ الطَّعَامَ وَ يَمْشِىْ فِى الْاَسْوَاقِ

اور یہ کہتے ہیں کہ "یہ کیسا رسول ہے جو کھانا بھی کھاتا ہے
اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے؟"(۱)

مشرکین طعنے دینے لگے تھے کہ یہ کیسا رسول ہے جو کھانا بھی کھاتا ہے اور بازار میں بھی پھرتا ہے، تو بازار میں عام آدمی بھی پھر رہا ہے اور رسول بھی پھر رہا ہے۔

عوام اور خواص کے جنت مانگنے میں فرق

دیکھنے میں مبتدی اور منتہی دونوں کی حالت ایک جیسی ہوتی ہے، لیکن حقیقت میں دونوں کے اندر زمین اور آسمان کا فرق ہوتا ہے۔ دیکھو! ہم جنت مانگتے ہیں کہ یا اللہ! جنت عطا فرمادیجیے: "اَللّٰھُمَّ اِنِّی اَسْئَلُکَ الْجَنَّۃَ" اور ایک وہ بزرگ ہیں، جب ان کا مرنے کا وقت آنے لگا تو مرنے سے ذرا پہلے اللہ تبارک وتعالیٰ نے انہیں جنت دکھادی کہ دیکھو! یہ تمہارا انعام ہے، جنت میں تمہاری جگہ یہ ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ نے جنت کا پورا نظارہ کرادیا تو ان بزرگ نے جنت سے منہ پھیرلیا اور یہ شعر پڑھا ؎

إن كانت منزلتي في الحب عند كم
ما قد رأيت فقد ضيعت حياتي

کہ یا اللہ! میں نے جو آپ سے محبت کی تھی، اس محبت کا درجہ یہی باغ، پھل، پھول، شراب اور لذائذ تھے، کیا اس کے لیے میں نے آپ سے محبت کی تھی؟ اگر یہی میری محبت کا صلہ ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ میں نے زندگی ضائع کردی، میں نے آپ سے اس جنت کی خاطر محبت نہیں کی تھی، میں نے

---

(۱) سورۃ الفرقان آیت (۷).

آپ سے آپ کی ذات کی خاطر محبت کی تھی۔ ان بزرگ کو اللہ تعالیٰ نے اپنی تجلیات کی زیارت کروائی اور اس حالت میں ان کا انتقال ہوگیا۔

سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت کیوں مانگی؟

حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرمارہے ہیں کہ

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ أَسْئَلُكَ الْجَنَّةَ وَمَا قَرَّبَ إِلَيْهَا (۱)

حکیم الامت حضرت تھانوی قدس سرہ فرماتے ہیں کہ وہ بزرگ جنہوں نے جنت سے منہ پھیر لیا، بظاہر دیکھنے میں ان کا بڑا اونچا مقام لگ رہا ہے کہ وہ جنت کی لذتوں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ سے محبت نہیں کر رہے ہیں، ان کو اللہ تعالیٰ کی ذات سے محبت ہے، لیکن حقیقت میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام بلند اور اونچا ہے، اس لیے کہ ہم نے جنت مانگی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی جنت مانگی، لیکن ہم نے اس لیے جنت مانگی، کیونکہ جنت میں مزا آئے گا، اس میں لذیذ کھانے ملیں گے، اس میں لذیذ مشروبات ملیں گے اور سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم اس لیے جنت مانگ رہے ہیں کیوں کہ جنت باری تعالیٰ کی رضامندی کا مظہر ہے، ان کے پیش نظر وہ لذتیں نہیں ہیں جو ہمارے ذہنوں میں ہیں، ان کے سامنے یہ بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بندوں کے لیے یہ انعام مقرر کیا ہے تو میری زندگی کا تقاضا یہ ہے کہ میں محتاج بن کر اس کو مانگوں، اللہ تعالیٰ کے آگے اس کی طرف

(۱) مسند أحمد ۷۹/۳ (۱٤۸۳) وسنن ابن ماجه ۱۷/۵ (۳۸٤٦) طبع مؤسسة الرسالة، ومستدرك حاكم ۷۰۲/۱ (۱۹۱٤) وقال هذا حديث صحيح الإسناد ولم يخرجاه.

اپنی رغبت ظاہر کروں، امتیوں کے جنت مانگنے میں اور سرکارِ دو عالم ﷺ کے جنت مانگنے میں یہ زمین و آسمان کا فرق ہے۔

حضرت ایوب علیہ السلام کا واقعہ

بخاری شریف کی حدیث ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا کہ حضرت ایوب علیہ السلام غسل کر رہے تھے کہ اس دوران آسمان سے سونے کی تتلیاں گرنی شروع ہوگئیں، حضرت ایوب علیہ السلام نہانا چھوڑ کر سونے کی تتلیاں پکڑنے لگے اور انہیں اپنے کپڑے میں جمع کرنے لگے تو اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے آواز آئی:

اَلَمْ اَکُنْ اَغْنَیْتُكَ؟

کیا میں نے تمہیں پہلے ہی غنی نہیں بنا رکھا؟

کہ اے ایوب! کیا میں نے تم کو پہلے ہی بہت کچھ نہیں دے دیا جو اس طرح سونے کی تتلیاں جمع کر رہے ہو۔ یہ حضرت ایوب علیہ السلام کی آزمائش تھی، حضرت ایوب علیہ السلام نے جو جواب دیا وہ ایک پیغمبر ہی جواب دے سکتا ہے، فرمایا:

بَلٰی یَارَبِّ وَلٰکِنْ لَا غِنٰی بِی عَنْ بَرَکَتِكَ

پروردگار! آپ نے بہت نعمتیں دی ہیں، لیکن میں آپ کی دی ہوئی برکت سے بے نیاز نہیں ہوسکتا۔

جب آپ نعمت عطا فرما رہے ہیں تو میرا کام یہ ہے کہ میں اسے محتاج بن کر لوں، اس کو لپک کر پکڑوں، اس کو شوق سے اور امنگ سے حاصل کروں۔ بندگی کا تقاضا یہ نہیں ہے کہ آپ نعمت دیں اور میں اس سے منہ پھیر لوں، بندگی کا

تقاضا یہ ہے کہ میں اس نعمت کو آگے بڑھ کے لوں۔ یہ حضرت ایوب علیہ السلام کا امتحان تھا، اس طرح حضرت ایوب علیہ السلام امتحان میں پورے اُترے[1]۔

عیدی کی حیرت انگیز طلب

میں شوق اور طلب سے مانگنے کی یہ مثال دیا کرتا ہوں کہ عید کے موقع پر ہمارے حضرت والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ اپنی اولاد کو جمع کر کے عیدی دیا کرتے تھے، الحمد للہ! ہم سب برسرِ روزگار تھے اور خوشحال تھے، ہمارے پاس سب کچھ تھا، ہم سب کی کمائی ماشاء اللہ اچھی خاصی تھی، ہم کو دس، پندرہ، بیس روپے کی حاجت نہیں تھی، لیکن اس عید کے ہدیہ کی طرف اشتیاق اور احتیاج ظاہر کر کے اور لڑلڑ کر عیدی لیا کرتے تھے۔ والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کہتے تھے کہ بھئی! اس دفعہ دس روپے ہی ملیں گے، ہم کہتے تھے کہ اب مہنگائی زیادہ ہو گئی ہے، دس کے بجائے پندرہ بیس روپے دیں۔ حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ جو ہدیہ عطا فرماتے تھے ہم اس کو لفافہ میں بند کر کے رکھ لیا کرتے تھے اور ان پیسوں کو خرچ نہیں کرتے تھے اور اس لفافہ پر لکھ لیتے تھے کہ حضرت نے فلاں تاریخ کو یہ ہدیہ عطا فرمایا تھا۔ اگر کسی کو دس پندرہ روپے ملے تو وہ یہ تصور کرے گا کہ دس روپے کی چائے پییں گے یا فلاں چیز خرید لیں گے یا فلاں فائدہ حاصل کر لیں گے، لیکن حضرت والد قدس سرہٗ سے پیسے لیتے وقت درحقیقت ان دس، بیس روپے کی مقدار کی طرف نگاہ نہیں تھی بلکہ دینے والے ہاتھ کی طرف نگاہ تھی کہ اس ہاتھ سے جو کچھ مل رہا ہے، وہ بڑی نعمت ہے، اس نعمت کی قدر و قیمت پہچان کر حضرت والد صاحب قدس سرہٗ سے مانگا کرتے تھے۔

---

(۱) صحیح البخاری ۱۵۱/۴ (۳۳۹۱) و ۱۴۳/۹ (۷۴۹۳)۔

مبتدی اور منتہی کی سوچ

اگر ہمارے سامنے سونے کی تتلیاں گرنی شروع ہو جائیں، ہم ان کو فوراً اٹھا کر جمع کریں گے اور ہمارے ذہن میں یہ تصور آئے گا کہ بھئی بڑا مال آرہا ہے، اس کو بیچیں گے، اس سے پیسے ملیں گے اور ہمارے اتنے سارے کام ہوجائیں گے، اس لیے ان کو اٹھانے بھاگیں گے۔ حضرت ایوب علیہ السلام ان سونے کی تتلیوں کو اٹھانے بھاگے تو ان کے ذہن میں سونا اور سونے کے منافع نہیں تھے، بلکہ ان کی نگاہ دینے والے ہاتھ کی طرف تھی کہ دینے والا کس رحمت اور فیاضی کے ساتھ عطا فرما رہا ہے، اس لیے سونے کی تتلیاں اٹھا رہے تھے۔ مبتدی اور منتہی کی ظاہری حالت ایک جیسی ہوتی ہے، لیکن حقیقت میں زمین اور آسمان کا فرق ہوتا ہے، مبتدی کسی اور سوچ سے کام کرتا ہے اور منتہی دوسری سوچ سے کام کرتا ہے۔

تین آدمیوں کی مثال

حکیم الامت حضرت تھانوی قدس سرہٗ اپنے مواعظ میں فرماتے ہیں کہ مبتدی اور منتہی کی مثال ایسی ہے جیسے ایک شخص دریا کے کنارے خشکی پر کھڑا ہے اور دوسرا شخص دریا پار کرنے کے بعد اس کے دوسرے کنارے خشکی پر کھڑا ہے اور تیسرا وہ شخص ہے جو دریا کے بیچ میں موجوں سے لڑ رہا ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص سلوک کے درمیانے درجے میں ہے اور وہ شریعت پر چل رہا ہے، لیکن اس کی منزل ابھی دور ہے، دریا کا کنارہ دور ہے، تو وہ دیکھنے میں بڑا بہادر معلوم ہوتا ہے کیونکہ وہ خشکی پر نہیں ہے بلکہ دریا کی موجوں سے کھیل رہا ہے۔ تو جو شخص دریا کے کنارے اور ساحل پر ہے تو وہ یہ سمجھے گا کہ بہت بہادر

ہے اسی لیے تو دریا کی موجوں سے لڑ رہا ہے اور مبتدی بھی خشکی پر ہے اور منتہی بھی خشکی پر ہے، دونوں ایک جیسے نظر آرہے ہیں، لیکن مبتدی جو خشکی پر کھڑا ہے وہ بیچارا ابھی تک دریا میں داخل نہیں ہوا، اس کا موجوں سے سابقہ بھی نہیں پڑا اور دوسرا شخص موجوں کے مراحل سے گزر کر خشکی میں پہنچا ہوا ہے۔

تو حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ انبیاء کرام علیہم السلام اس انتہاء پر ہوتے ہیں کہ وہ سارے مراحل سے گزر کر اللہ تبارک وتعالیٰ کے رضا کے مقام پر پہنچ جاتے ہیں اور وہ دیکھنے میں ایسے لگتے ہیں جیسے عام آدمی ہیں۔

غم کے موقع پر سنت کیا ہے؟

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مواعظ میں بیان فرمایا کہ ایک بزرگ کو کسی نے اطلاع دی کہ حضرت! آپ کے بیٹے کا انتقال ہوگیا ہے۔ وہ نہ روئے اور نہ غم کا اظہار کیا بلکہ انہوں نے کہا الحمد للہ علیٰ کل حال، اب بظاہر یہ مقام بہت اونچا لگتا ہے کہ اتنا بڑا صدمہ پہنچا، آدمی اس میں رنجیدہ ہونے کے بجائے اللہ تبارک وتعالیٰ کا شکر ادا کر رہا ہے، لیکن ان بزرگ کے غلبہ حال کا واقعہ ہے۔ دوسری طرف جب نبی کریم سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادے کا انتقال ہوا تو فرمایا:

اِنَّا بِفِرَاقِكَ يَا اِبْرَاهِيمُ لَمَحْزُونُونَ[1]

اے ابراہیم! ہم تمہاری جدائی سے بڑے غمگین ہیں۔

---

(۱) صحیح البخاری ۸۳/۲ (۱۳۰۳)۔

حضور ﷺ کی صاحبزادی حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے بیٹے اور آپ ﷺ کے نواسے آپ ﷺ کی آغوش مبارک میں تھے، اس وقت ان کی روح قبض ہو رہی تھی، ان کو دیکھ کر آپ ﷺ کے چشم مبارک سے آنسو بہہ پڑے۔ تو کسی صحابی نے پوچھا کہ آپ (ﷺ) بھی رو رہے ہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے جو اس نے اپنے بندوں کے دل میں ڈالی ہے[1]۔ تو آپ ﷺ اپنے نواسے کے انتقال پر غمگین ہو رہے ہیں اور ان کے آنسو بھی بہہ رہے ہیں اور وہ بزرگ اپنے بیٹے کی خبر سن کر الحمد للہ علیٰ کل حال کہہ رہے ہیں تو حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ وہ بزرگ جنہوں نے بیٹے کی موت کی خبر سن کر الحمد للہ کہا، وہ فرشتے ہوں گے، انسان نہیں ہو سکتے، کیونکہ انسان ہونے کا اور بندگی کا تقاضا یہ ہے کہ وہ ایسے موقع پر غمگین ہو اور سرکار دوعالم ﷺ غمگین ہوئے۔

غم کے موقع پر ''انا للہ...'' پڑھو

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ ۭ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ۝[2]

اور دیکھو تمہیں آزمائیں گے ضرور (کبھی) خوف سے اور (کبھی) بھوک سے اور (کبھی) مال وجان اور پھلوں میں کمی

---

(۱) صحیح البخاری ۲/۷۹ (۱۲۸٤) و ۷/۱۱۲ (٥٦٦٦)۔

(۲) سورۃ البقرۃ آیت (۱۵۵-۱۵٦)۔

کر کے اور جو لوگ (ایسے حالات میں) صبر سے کام لیں
اُن کو خوشخبری سنا دو۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ جب ان کو کوئی
مصیبت پہنچتی ہے تو یہ کہتے ہیں کہ ''ہم سب اللہ ہی کے ہیں
اور ہم کو اللہ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے''۔

اللہ تعالیٰ کے سامنے شکستگی دکھاؤ

غم کے موقع پر تم سے مطلوب یہ ہے کہ انا للہ و انا الیہ راجعون پڑھو، تمہاری بندگی کا تقاضا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے بہادری مت دکھاؤ کہ آپ کتنی بھی چوٹیں لگاتے رہو، ہم بہت بہادر ہیں العیاذ باللہ العلی العظیم۔ اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنی شکستگی تسلیم کرو اور کہو انا للہ وانا الیہ راجعون۔ میرے سب سے بڑے بھائی اور حضرت مولانا مفتی محمود اشرف صاحب کے والد جناب ذکی کیفی صاحب رحمۃ اللہ علیہ، حضرت حکیم الامت حضرت تھانوی قدس سرہٗ سے بیعت تھے اور انہوں نے بزرگوں کی صحبت بہت اٹھائی تھی، وہ شاعر بھی تھے، وہ شعر بہت اچھے کہتے تھے، ان کا کلام ''کیفیات'' کے نام سے چھپا ہوا ہے، ان کا ایک شعر ہے:

اس قدر بھی ضبطِ غم اچھا نہیں
توڑنا ہے حسن کا پندار کیا

آپ بہادری دکھا کر اور غم کو ضبط کر کے کیا حسن کا پندار توڑنا چاہتے ہو کہ یا اللہ! آپ جتنے بھی غم دیتے رہیں اور ہم ان کا کوئی اثر نہیں لیں گے، وہاں سے چوٹ لگائی جارہی ہے تو بندگی کا تقاضا یہ ہے کہ چوٹ کا احساس کرو اور کہو انا للہ وانا الیہ راجعون۔ تو درحقیقت حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کا مقام ہی تعریف

کے لائق ہے اور بندگی کا تقاضا یہ ہے کہ انسان خوشی سے خوش ہو اور خوشی کے موقع پر شکر ادا کرے اور اُسے غم سے رنج ہو اور غم کے موقع پر صبر کا مظاہرہ کرے اور انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھے۔

اللہ تعالیٰ کی محبت کا تقاضا

حدیث میں فرمایا کہ

جس سے محبت ہو، وہ اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہو(۱)۔

یہاں سے ایک بات یہ معلوم ہوئی کہ تمام محبتیں اللہ تعالیٰ کے حکم کی وجہ سے مطلوب ہیں کیونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ اپنی اولاد سے محبت کرو، اپنے والدین سے محبت کرو، اپنے بہن بھائیوں سے محبت کرو، اپنے اعزاء واقرباء سے محبت کرو، اپنے دوستوں سے محبت کرو اور ساری مخلوق سے محبت کرو۔ ہمارے حضرت عارفی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ فرمایا کرتے تھے کہ اگر کوئی شخص یہ دعویٰ کرے کہ مجھے اللہ تعالیٰ سے محبت ہے تو اس کی آزمائش اور امتحان یہ ہے کہ اگر اسے اللہ تعالیٰ سے محبت ہے تو ان کی مخلوق سے بھی محبت کرے، اگر اسے مخلوق سے محبت ہے تو اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہاں! اُسے اللہ تبارک وتعالیٰ سے بھی محبت ہے۔

بیوی سے اللہ کے لیے محبت

حکیم الامت حضرت تھانوی قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ پہلے یہ بات سمجھ میں نہیں آتی تھی کہ حضورِ اقدس سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم بندگی کے اعلیٰ مقام پر پہنچنے کے

(۱) صحیح البخاری ۱/۱۲(۱۶)۔

بعد ازواجِ مطہرات کے ساتھ کس طرح ہنسی اور دل لگی کی باتیں کرتے تھے، لیکن الحمد للہ اب سمجھ میں آنے لگا یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کو وہ چیز عطا فرمادی تھی یہاں تک کہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ایک وعظ میں بیان فرمایا ہے کہ ایک دن میری اہلیہ مجھ سے کہنے لگیں کہ آپ کو مجھ سے کیسی محبت ہے؟ کیونکہ آپ مجھ سے جو محبت کرتے ہو، مجھ سے جو حسن سلوک کرتے ہو تو وہ صرف میرے لیے نہیں کرتے، وہ تو سب اللہ کے لیے کرتے ہو اس طرح آپ نے براہِ راست میرے لیے تو کچھ نہیں کیا، حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس بات کی تردید نہیں فرمائی، یہ نہیں فرمایا کہ میں تمہارے لیے کرتا ہوں، بلکہ یہ بات فرمائی کہ بی بی! اگر میں تم سے محبت اور حسنِ سلوک اللہ تعالیٰ کے لیے کرتا ہوں تو اس میں تمہارا کیا نقصان ہے؟ تمہارا اس میں زیادہ فائدہ ہے، اس لیے کہ جب اللہ کے لیے محبت کروں گا تو زیادہ اہتمام کے ساتھ تمہارے حقوق ادا کروں گا اور تمہارے ساتھ حسن سلوک کروں گا، لہٰذا اس میں شکایت کی کیا بات ہے؟ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو وہ مقام عطا فرمادیا تھا کہ بیوی سے بھی محبت ہورہی ہے تو وہ بھی اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہورہی ہے۔

مشق کی ضرورت

ہمارے حضرت عارفی قدس سرہٗ فرماتے تھے کہ یہ چیز، توجہ، مشق اور مراقبے کے ذریعے حاصل ہوجاتی ہے۔ حضرت عارفی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے الحمد للہ سالہا سال اس بات کی مشق کی ہے کہ میں جب گھر میں داخل ہوا اور گھر میں بچہ کھیلتا ہوا اچھا لگا تو میرا دل چاہا اور یہ خواہش پیدا ہوئی کہ اس کو گود میں اٹھا کر پیار کروں، لیکن میں تھوڑی دیر کے لیے رک گیا کہ میں یہ نہیں

کروں گا، اس کے بعد یہ تصور اور مراقبہ کیا کہ حضور نبی کریم سرورِ دو عالم ﷺ بچوں سے پیار اور محبت کیا کرتے تھے[1]۔ تو اب بچے کو گود میں اٹھا کر پیار کیا۔

اتباع کی نیت سے گود میں اٹھاؤ

تو بچوں سے محبت کرنا اللہ تعالیٰ کی رحمت کا ایک عنوان ہے، بچوں سے پیار کرنا حضورِ اقدس ﷺ کی سنت ہے، حضورِ اقدس ﷺ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے بچوں سے پیار اور محبت کیا کرتے تھے۔ حضرت عارفی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ میں نے یہ تصور کیا اور پھر بچہ کو گود میں اٹھایا، دونوں حالتوں میں زمین اور آسمان کا فرق ہوگیا، بچے کو پہلے گود میں اٹھاتے تو خالص اپنے نفس کی خواہش کے لیے اٹھاتے اور جب دوسری بار گود میں اٹھایا تو سرکارِ دو عالم ﷺ کی اتباع کی نیت سے اٹھایا۔

سرکار دو عالم ﷺ کی بچوں سے محبت

ایک دن آپ ﷺ جمعہ کا خطبہ دے رہے تھے کہ سامنے سے حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما لڑکھتے پڑکھتے چلے آرہے تھے، آپ ﷺ نے منبر سے اُتر کر انہیں گود میں اٹھا لیا[2]۔ ایک دن آپ ﷺ نماز پڑھ رہے تھے کہ آپ ﷺ کے رشتے کی نواسی حضرت امامہ رضی اللہ عنہا جو اُس وقت بچی تھی، وہ آپ ﷺ کے کندھے پر سوار ہوگئیں اور آپ ﷺ اسی حالت میں نماز پڑھ

---

(۱) صحیح البخاری ۸۳/۲ (۱۳۰۳) و ۱۵۹/۷ (۵۸۸٤) و ۷/۸ (۵۹۹۷)۔

(۲) سنن ابی داود ۲۹۰/۱ (۱۱۰۹) وسنن الترمذی ۱۱۷/٦ (۳۷۷٤) وقال هذا حديث حسن غريب۔

رہے ہیں اور جب آپ ﷺ سجدے میں جاتے ہیں تو انہیں اٹھا کر نیچے رکھ دیتے ہیں پھر سجدے سے اٹھتے ہیں تو پھر وہ کندھے پر سوار ہوجاتی ہیں[1] تو حضور ﷺ بچوں کے ساتھ اتنی محبت اور شفقت کرتے تھے اور آپ ﷺ بچوں کو اس طرح پیار کیا کرتے تھے۔

بچوں کو پیار کرنے پر حیرانی

ایک مرتبہ حضورِ اقدس سرکارِ دو عالم ﷺ کے نواسے حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما آپ ﷺ کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے، آپ نے ان کو پیار کیا تو ایک اعرابی یعنی دیہاتی شخص بیٹھا ہوا تھا، اس نے دیکھ کر کہا: ''آپ بھی بچوں کو پیار کرتے ہیں، میری تو اتنی اولادیں ہیں، میں نے آج تک کسی کو پیار نہیں کیا،'' وہ یہ بات بڑے وقار کے ساتھ کہہ رہا تھا کہ میں نے اپنے گھر میں اتنی عزت اور وقار بنایا ہوا ہے کہ میں نے اپنے دس بچوں میں سے کسی کو پیار نہیں کیا تو حضور ﷺ نے جواب دیا کہ ''اگر اللہ تبارک وتعالیٰ نے تمہارے دل سے رحمت چھین لی ہے تو میں کیا کروں؟''[2]

جڑ سے جھگڑے مٹانے کا طریقہ

اگر آج ہم لوگ اپنا یہ شیوہ بنالیں کہ جو کام کریں گے اللہ تعالیٰ کے لیے کریں گے تو بے شمار جھگڑوں اور شکایتوں سے نجات مل جائے اور ہم سکون میں

(۱) صحیح البخاری ۱۰۹/۱ (۵۱٦) و ۷/۸ (۵۹۹٦)۔
(۲) المستدرك للحاكم ۱۸٦/۳ (٤۷۹۳) و فضائل الصحابه لاحمد بن حنبل ۲۹/۲ (۱۳۵٦) واصله فی صحیح البخاری ۷/۸ (۵۹۹۸) وانظر سنن الترمذی ٤۷٤/۳۷ (۱۹۹۱۱).

آجائیں، یہ ہمیں جو شکایت ہوتی ہے کہ میں نے فلاں کے ساتھ یہ معاملہ کیا تھا اور اس نے کوئی جواب نہیں دیا اور اس نے اس کا کوئی بدلہ بھی نہیں دیا، یا دل میں شکایت پیدا ہو رہی ہے اور اس شکایت کے نتیجے میں تعلقات خراب ہو رہے ہیں، لڑائیاں ہو رہی ہیں، جھگڑے ہو رہے ہیں، لیکن آپ نے کسی کے ساتھ حسنِ سلوک کرنے سے پہلے یہ نیت اور تصور کرلیا کہ میں اس کے ساتھ جو کچھ حسنِ سلوک کروں گا وہ اس کے لیے نہیں کروں گا بلکہ صرف اللہ تعالیٰ کے لیے کروں گا، اگر وہ شکریہ ادا نہ بھی کرے اور اس کا کوئی بدلہ نہ بھی دے تو وہ ہم نے حسنِ سلوک اس کے لیے کیا ہی نہیں تھا، ہم نے اللہ تعالیٰ کے لیے کیا تھا اور اللہ تبارک وتعالیٰ کی رضا کے خاطر کیا تھا۔

بدلہ اور شکریہ کے طلبگار نہ بنیں

قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ نے نیک بندوں کے بارے میں فرمایا:

وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّ يَتِيْمًا وَّ اَسِيْرًا ۝ اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ لَا نُرِيْدُ مِنْكُمْ جَزَآءً وَّلَا شُكُوْرًا ۝ (۱)

اور وہ اللہ کی محبت کی خاطر مسکینوں، یتیموں اور قیدیوں کو کھانا کھلاتے ہیں، (اور ان سے کہتے کہ) ”ہم تو تمہیں صرف اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے کھلا رہے ہیں۔ ہم تم سے نہ کوئی بدلہ چاہتے ہیں اور نہ کوئی شکریہ!“

---

(۱) سورہ الدھر آیت (۸-۹)۔

جب اللہ کے نیک بندے کسی کو کھانا کھلاتے ہیں کہ ہم تو تمہیں خالص اللہ کے لیے کھلا رہے ہیں، تم سے نہ بدلہ چاہیے اور نہ شکریہ چاہیے۔ ہم اپنے گریبانوں میں منہ ڈال کر دیکھیں اور ذرا سوچیں کہ ہم کسی کے ساتھ جو کچھ حسنِ سلوک کر رہے ہیں وہ اس کی ذات کے لیے کر رہے ہیں یا اللہ تعالیٰ کے لیے کر رہے ہیں؟ اگر آپ اپنے بھائی، بہن، بیوی بچوں کے ساتھ ملنے جلنے والے اور اعزاء و اقرباء کے ساتھ جو کچھ حسن سلوک کر رہے ہو وہ اللہ تعالیٰ کے لیے ہے تو اگر کسی کی طرف سے جواب نہیں مل رہا تو پھر کوئی صدمہ، کوئی شکایت اور گلہ شکوہ پیدا ہی نہیں ہوگا، یہ سب شکوے دھرے کے دھرے رہ جائیں گے، جن لوگوں کو اللہ تبارک وتعالیٰ یہ دولت عطا فرما دیتے ہیں تو پھر وہ کسی کی بھی پرواہ نہیں کرتے، وہ اپنی طرف سے اچھائیاں ہی اچھائیاں کرتے ہیں، چاہے ان کو اُس حسن سلوک کے جواب میں برائیاں مل رہی ہوں، لیکن ان کے دل پر اس کا کوئی اثر نہیں ہوتا کیونکہ انہوں نے اس لیے حسنِ سلوک کیا تھا تاکہ اللہ تعالیٰ اس سے راضی ہوجائے اور اس کی طرف سے رضا کا پیغام مل جائے یہ ہمارا اصل مقصد ہے اور وہ مقصد حاصل ہوگیا تو ہم کامیاب ہوجائیں گے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے فضل وکرم سے اور اپنی رحمت سے ہم سب کو یہ دولت عطا فرمادے۔ آمین!

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

باہمی اتحاد اور تعاون

(حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

باہمی اتحاد اور تعاون

① حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

''باہمی دوستی اور ایک دوسرے پر رحم و شفقت میں مسلمانوں کی مثال ایک جسم کی سی ہے، جب اس کے کسی عضو کو تکلیف ہو تو پورا جسم اس کی خاطر بخار اور بیداری میں مبتلا ہو جاتا ہے۔'' (۱)

② حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

''اپنے بھائی کی مدد کرو، وہ ظالم ہو تب بھی اور مظلوم ہو تب بھی، ایک شخص نے پوچھا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) مظلوم کی تو میں مدد کروں گا؟ لیکن ظالم کی مدد کیسے کروں؟ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسے ظلم سے روکو، یہی اس کی مدد

(۱) سنن النسائی ٤/٥٣ (١٩٣٨) وصحیح مسلم ٤/١٧٠٥ (٢١٦٢)

ہے۔"(۱)

③ حضرت جابر و ابو طلحہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"جو مسلمان بھی کسی دوسرے مسلمان کو کسی ایسی جگہ بے یارو مددگار چھوڑ دے جہاں اس کی بے حرمتی ہو رہی ہو اور آبرو پر حملہ کیا جارہا ہو تو اللہ تعالیٰ اس شخص کو ایسی جگہ بے یارو مددگار چھوڑ دے گا جہاں وہ اپنی مدد کو پسند کرتا ہو اور جو شخص بھی کسی مسلمان کی ایسی جگہ پر مدد کرے گا جہاں اس کی آبرو پر حملہ کیا جارہا ہو اور اس کی بے حرمتی کی جارہی ہو تو اللہ تعالیٰ اس کی ایسی جگہ مدد کرے گا جہاں وہ اپنی مدد کو پسند کرتا ہو۔"(۲)

④ حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

"جو شخص اپنے بھائی کی آبرو کا دفاع کرے، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کے چہرے سے آگ دور رکھے گا۔"(۳)

---

(۱) صحیح البخاری۹/۲۲(۶۹۵۲)

(۲)سنن ابی داود ٤/۲۷۱ (٤۸۸٤) والحدیث سکت عنہ ابو داود والمنذری فی مختصرہ۔ ومسند احمد۳٦/۲۸۸(۱٦۳٦۸)۔

(۳) سنن الترمذی ۳/٤۸۸(۱۹۳۱) وقال ھذا حدیث حسن۔

⑤ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

''مسلمان مسلمان کا بھائی ہے نہ اس پر ظلم کرتا ہے، نہ اسے اس کے دشمنوں کے حوالہ کرتا ہے اور جو شخص اپنے بھائی کی ضرورت پوری کرنے میں لگا ہوا ہو تو اللہ تعالیٰ اس کی ضرورت پوری کرنے میں لگ جاتا ہے اور جو شخص کسی مسلمان کی کوئی بے چینی دور کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے بدلے قیامت کی بے چینیوں میں سے اس کی کوئی بے چینی دور کرے گا اور جو شخص کسی مسلمان کی پردہ پوشی کرے تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی پردہ پوشی کرے گا۔''(۱)

⑥ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

''جو شخص کسی مظلوم کا حق دلانے کے لیے اس کے ساتھ چلے، اللہ تعالیٰ اسے اس دن پل صراط پر ثابت قدم رکھے گا جس دن بہت سے قدم لغزش کھا جائیں گے۔''(۲)

⑦ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

''تم میں سے ہر شخص اپنے بھائی کا آئینہ ہے، لہٰذا اگر کسی کو

(۱) صحیح البخاری ۱۲۸/۳ (۲٤٤٢) وصحیح مسلم ۱۹۸٦/٤ (۲٥٦٤)۔
(۲) المعجم الاوسط للطبرانی ۱۳۹/٦ (٦۰۲٦) طبع دار الحرمین۔ وقال الهیثمی فی ''مجمع الزوائد'' ۳٤۹/۸ (۱۳۷۰۸) وفیه سکین بن السراج و ہو ضعیف۔ وحلیة الاولیاء لابی نعیم الاصبهانی ۳٤۸/٦ طبع دار السعادة۔

اس میں کوئی گندگی نظر آئے تو چاہیے کہ وہ گندگی دور کردے۔"(۱)

⑧ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"تم میں سے کوئی شخص کسی نیکی کو حقیر نہ سمجھے، اگر اور کچھ نہ کر سکے تو اپنے بھائی سے خندہ پیشانی کے ساتھ ہی مل لے اور جب تم گوشت خریدو یا کوئی دیگ پکاؤ تو اس میں شوربہ زیادہ رکھو اور اس کا کچھ حصہ نکال کر اپنے پڑوسی کو بھیج دو۔"(۲)

⑨ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"جو شخص لوگوں کو ہدایت کی دعوت دے تو اسے ان تمام لوگوں کے عمل کا جتنا ثواب ملے گا جو اس کی پیروی کریں گے اور اس سے عمل کرنے والوں کے ثواب میں کوئی کمی نہیں ہوگی اور جو شخص گمراہی کی دعوت دے تو اسے ان تمام لوگوں کے عمل کا جتنا گناہ ملے گا جو اس کی پیروی کریں گے اور اس سے ان کے گناہوں میں کوئی کمی نہیں ہوگی۔"(۳)

---

(۱) سنن الترمذی ۴۸۷/۳ (۱۹۲۹) وقال ويحيى بن عبد الله ضعفه شعبه وفی الباب عن انس. والادب للمفرد للبخاری ص۹۳ (۲۳۸) موقوفا۔ والبزار كما فی كشف الاستار ۱۰۳/۴ (۳۲۹۷) من حديث انس بن مالك (طبع موسسه الرساله) وقال الهيثمی فی "مجمع الزوائد" ۵۲۱/۷ (۱۲۱۲۰) وفيه عثمان بن محمد من ولد ربيعة بن ابی عبد الرحمن قال ابن القطان الغالب على حديثه الوهم وبقية رجاله ثقات۔

(۲) سنن الترمذی ۴۱۶/۳ (۱۸۳۳) وقال ہذا حديث حسن صحيح۔

(۳) صحيح مسلم ۲۰۶۰/۴ (۲۶۷۴)۔

دوسروں کو تکلیف مت دیجیے

(اصلاحی خطبات ۸/ ۱۰۲)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دوسروں کو تکلیف مت دیجیے

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَاهَادِيَ لَهٗ، وَاَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَنَبِيَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا كَثِيْرًا۔ اَمَّا بَعْدُ!

عَنْ أَبِی بُرْدَةَ، عَنْ أَبِی مُوسَی رضی اللہ عنہ قَالَ: سُئِلَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ أَیُّ الْمُسْلِمِینَ أَفْضَلُ؟ قَالَ: «مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُونَ مِنْ لِسَانِهٖ وَيَدِهٖ».(۱)

(۱) سنن الترمذی ۲۷۵/۴ (۲۵۰۴) واصلہ فی البخاری ۱۱/۱ (۱۱) وصحیح مسلم ۶۶/۱ (۴۲)۔

حقیقی مسلمان کون ہے؟

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں، یعنی نہ اس کی زبان سے کسی کو تکلیف پہنچے اور نہ اس کے ہاتھ سے کسی کو تکلیف پہنچے۔ گویا کہ اس حدیث میں مسلمان کی پہچان بتائی کہ مسلمان کہتے ہی اس کو ہیں جس میں یہ صفت پائی جائے، لہٰذا جس مسلمان کے ہاتھ اور زبان سے دوسرے لوگ محفوظ نہ رہیں، حقیقت میں وہ شخص مسلمان کہلانے کا مستحق ہی نہیں۔ جیسے ایک شخص نماز نہیں پڑھتا تو اس کے نماز نہ پڑھنے کی وجہ سے کوئی مفتی اس پر کفر کا فتویٰ تو نہیں لگائے گا کہ یہ شخص چونکہ نماز نہیں پڑھتا، لہٰذا یہ کافر ہوگیا؟ لیکن حقیقت میں وہ مسلمان کہلانے کا مستحق نہیں۔ اس لیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے سب سے اہم فریضے کو انجام نہیں دے رہا ہے۔ اسی طرح جس شخص کے ہاتھ اور زبان سے لوگوں کو تکلیف پہنچے تو اس پر بھی اگرچہ مفتی کفر کا فتویٰ نہیں لگائے گا، لیکن وہ حقیقت میں مسلمان کہلانے کا مستحق نہیں۔ اس لیے کہ وہ مسلمانوں والا کام نہیں کر رہا ہے۔ یہ اس حدیث کا مطلب ہے۔

معاشرت کا مطلب

اسلام کے پانچ شعبے ہیں: ① عقائد، ② عبادات، ③ معاملات، ④ اخلاق، ⑤ معاشرت۔ یہ حدیث (کہ مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں) درحقیقت اسلام کے ان پانچ شعبوں میں سے ایک شعبے یعنی ''معاشرت'' کی بنیاد ہے۔ ''معاشرت'' کا مطلب یہ ہے کہ اس

دنیا میں کوئی بھی انسان تنہا نہیں رہتا اور نہ ہی تنہا رہنے کا حکم دیا گیا ہے اور جب وہ دنیا میں رہتا ہے تو اس کو کسی نہ کسی سے واسطہ پڑتا ہے، گھر والوں سے واسطہ، دوستوں سے واسطہ، پڑوسیوں سے واسطہ، بازار والوں سے اور جس جگہ پر وہ کام کرتا ہے وہاں کے لوگوں سے واسطہ پڑتا ہے، لیکن سوال یہ ہے کہ جب دوسروں سے واسطہ پڑے تو ان کے ساتھ کس طرح معاملہ کرنا چاہیے کیسا رویہ اختیار کرنا چاہیے؟ اس کو ''معاشرت'' کے احکام کہا جاتا ہے، یہ بھی دین کے پانچ بڑے شعبوں میں سے ایک بڑا شعبہ ہے، لیکن ہماری نادانی اور بے عملی کی وجہ سے دین کا یہ شعبہ بالکل نظر انداز ہو کر رہ گیا ہے اور اس کو دین کا حصہ ہی نہیں سمجھا جاتا اور اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول ﷺ نے جو احکام عطا فرمائے ہیں ان کی طرف توجہ نہیں ہوتی۔

معاشرت کے احکام کی اہمیت

اللہ تعالیٰ نے بھی معاشرت کے احکام بیان کرنے کا بہت اہتمام فرمایا ہے۔ مثلاً معاشرت کا ایک مسئلہ یہ ہے کہ جب کسی دوسرے شخص کے گھر میں جانا ہو تو اندر داخل ہونے سے پہلے اس سے اجازت لو کہ میں اندر آسکتا ہوں یا نہیں؟ اس اجازت لینے کو عربی زبان میں ''استئذان'' کہا جاتا ہے، اللہ تعالیٰ نے استئذان کے احکام بیان کرنے کے لیے قرآنِ کریم میں پورے دو رکوع نازل فرمائے۔ جب کہ دوسری طرف قرآنِ کریم میں نماز پڑھنے کا حکم شاید باسٹھ (۶۲) جگہ آیا ہے، لیکن نماز کس طرح پڑھی جائے؟ اس کی تفصیل قرآنِ کریم نے نہیں بتائی، بلکہ اس کو حضورِ اقدس ﷺ کے بیان کرنے پر چھوڑ دیا، لیکن ''استئذان'' کی تفصیل کو قرآنِ کریم نے خود بیان کیا، حضورِ اقدس ﷺ کے

بیان کرنے پر نہیں چھوڑا، اس کے علاوہ قرآنِ کریم میں سورۃ الحجرات کا ایک بہت بڑا حصہ معاشرتی احکام کے بیان پر مشتمل ہے۔ لہٰذا ایک طرف تو معاشرتی احکام کی اتنی اہمیت ہے، لیکن دوسری طرف ہماری روزمرہ کی زندگی میں ہم نے ان احکام پر عمل کو چھوڑ رکھا ہے اور ان احکام کا خیال نہیں کرتے۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا معاشرت کے احکام کو زندہ کرنا

اللہ تعالیٰ نے حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے اس دور میں دین کی تجدید کا کام لیا، دین کے وہ ابواب جو لوگوں نے پسِ پشت ڈال دیے تھے اور دین سے ان کو خارج ہی کر دیا تھا، آپ نے ان کی اہمیت بتائی اور اس کے بارے میں لوگوں کو احکام بتائے اور اپنی خانقاہ میں اس کی عملی تربیت کا اہتمام فرمایا، عام طور پر لوگ یہ سمجھتے تھے کہ خانقاہ اس کو کہتے ہیں جس میں حجروں کے اندر بیٹھ کر لوگ اللہ اللہ کر رہے ہوں اور اپنے ذکر و تسبیح اور عبادت میں مشغول ہوں۔ اس کے آگے کچھ نہ ہو، لیکن حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی خانقاہ میں ذکر و تسبیح اور نوافل پر اتنا زور نہیں دیا، جتنا آپ نے معاشرت کے اس مسئلے پر زور دیا کہ اپنی ذات سے کسی دوسرے انسان کو تکلیف نہ پہنچے۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ جو طالبین اپنی اصلاح کے لیے آتے ہیں اگر ان میں سے کسی کے بارے میں مجھے یہ اطلاع ملتی ہے کہ جو معمولات اس کو بتائے گئے تھے وہ ان میں کوتاہی کرتا ہے۔ مثلاً دس تسبیح کے بجائے وہ پانچ تسبیحات پڑھتا ہے تو اس اطلاع سے رنج تو ہوتا ہے کہ اس کو ایک طریقہ بتایا گیا تھا، اس نے اس پر کیوں عمل نہیں کیا، لیکن جب کسی کے بارے میں مجھے یہ اطلاع ملتی ہے کہ اس نے ''معاشرت'' کے احکام میں سے کسی

حکم کی خلاف ورزی کی ہے اور اس نے اپنی ذات سے دوسرے مسلمان کو تکلیف پہنچائی ہے تو مجھے اس شخص سے نفرت ہو جاتی ہے۔

پہلے انسان تو بن جاؤ

اسی طرح حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک مشہور جملہ ہے، وہ یہ ہے کہ اگر تمہیں صوفی بننا ہے یا عابد زاہد بننا ہے تو اس مقصد کے لیے بہت ساری خانقاہیں کھلی ہیں، وہاں چلے جاؤ، اگر انسان بننا ہے تو یہاں آجاؤ، اس لیے کہ یہاں تو انسان بنایا جاتا ہے۔ مسلمان بننا اور عالم بننا اور صوفی بننا بعد کی بات ہے اور اونچے درجے کی بات ہے، ارے پہلے انسان تو بن جاؤ اور پہلے جانوروں کی صف سے تو نکل جاؤ اور انسان اس وقت تک انسان نہیں بنتا جب تک اس کو اسلامی معاشرت کے آداب نہ آتے ہوں اور ان پر عمل نہ کرتا ہو۔

جانوروں کی تین قسمیں

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے احیاء العلوم میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا میں تین قسم کے جانور پیدا فرمائے ہیں۔

جانور کی ایک قسم وہ ہے جو لوگوں کو فائدہ پہنچاتی ہے۔ شاذ و نادر ہی کبھی ان سے نقصان پہنچتا ہو، مثلاً گائے، بکری وغیرہ، یہ جانور ایسے ہیں جو دودھ کے ذریعے تمہیں فائدہ پہنچاتے ہیں جب دودھ دینا بند کر دیں گے تو تم ان کو کاٹ کر ان کا گوشت کھالو گے اور اس طرح تمہیں فائدہ پہنچانے کے لیے اپنی جان دے دیں گے اور یہ جانور نقصان نہیں پہنچاتے۔

جانوروں کی دوسری قسم وہ ہے جو تکلیف ہی پہنچاتے ہیں اور ان کا فائدہ

بظاہر کچھ نہیں ہے، مثلاً سانپ، بچھو، درندے وغیرہ یہ سب موذی جانور ہیں، جب کسی انسان سے ملیں گے تو اس کو تکلیف دیں گے، ڈنگ ماریں گے۔

جانوروں کی تیسری قسم وہ ہے جو نہ تکلیف دیتے ہیں اور نہ ہی فائدہ پہنچاتے ہیں جیسے جنگل میں رہنے والے بعض جانور لومڑی گیدڑ وغیرہ، نہ ان سے انسان کو کوئی فائدہ پہنچتا ہے اور نہ کوئی خاص نقصان پہنچتا ہے۔

جانوروں کی ان تین قسموں کو بیان کرنے کے بعد امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ انسان سے مخاطب ہو کر فرماتے ہیں کہ اے انسان! تو اشرف المخلوقات ہے اور سارے حیوانات پر تجھے فضیلت دی گئی ہے۔ تو اگر انسان نہیں بنتا بلکہ جانور بننا چاہتا ہے تو کم از کم پہلی قسم کا جانور بن جا، جو دوسروں کو فائدہ تو پہنچاتے ہیں اور نقصان نہیں پہنچاتے، یعنی گائے بکری وغیرہ اور اگر تو اس سے بھی نیچے آنا چاہتا ہے تو تیسری قسم کا جانور بن جا، جو نہ نقصان پہنچاتے ہیں اور نہ فائدہ پہنچاتے ہیں اور اگر تو نے دوسروں کو فائدہ کے بجائے نقصان پہنچانا شروع کر دیا تو پھر سانپ بچھو اور درندوں کی قسم میں داخل ہو جائے گا۔

ہم نے انسان دیکھے ہیں

بہر حال! مسلمان غیر مسلم کی بات بعد کی ہے، عالم غیر عالم اور عابد غیر عابد کی بات تو بہت بعد کی ہے۔ پہلا مسئلہ یہ ہے کہ انسان انسان بن جائے اور انسان بننے کے لیے ضروری ہے کہ وہ اسلامی معاشرت کو اختیار کرے اور اس کی ذات سے کسی دوسرے کو ادنیٰ تکلیف نہ پہنچے، اس کے ہاتھ سے، نہ اس کی زبان سے اور نہ اس کے کسی فعل سے کوئی تکلیف پہنچے۔ ایک مرتبہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

نے غایت تواضع سے فرمایا کہ پکے اور پورے سو فیصد انسان تو ہم بھی نہیں بن سکے، لیکن اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ انسانوں کو دیکھ لیا ہے کہ انسان کیسا ہوتا ہے اور کوئی بیل آکر ہمیں دھوکہ نہیں دے سکتا کہ میں انسان ہوں، لہٰذا اگر کبھی انسان بننا چاہیں گے تو ان شاء اللہ انسان ہی بنیں گے اور انسان کے دھوکے میں بیل نہیں بنیں گے۔

دوسروں کو تکلیف سے بچالو

دیکھیے! نوافل، مستحبات، ذکر واذکار اور تسبیحات کا معاملہ یہ ہے کہ اگر کروگے تو ان شاء اللہ آخرت میں اس کا ثواب ملے گا اور اگر نہیں کروگے تو آخرت میں یہ پکڑ نہیں ہوگی کہ فلاں نفل کیوں نہیں پڑھی؟ ذکر و اذکار کیوں نہیں کیا تھا؟ البتہ یہ سب فضیلت والے کام ہیں، ضرور کرنے چاہئیں اور کرنے پر آخرت میں ثواب ملے گا، لیکن نہ کرنے پر گرفت نہیں ہوگی۔ دوسری طرف اگر تمہاری ذات سے دوسرے کو تکلیف پہنچ گئی تو یہ گناہ کبیرہ ہوگیا، اب اس کی آخرت میں پکڑ ہوجائے گی کہ ایسا کام کیوں کیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اگر کسی وقت نوافل میں اور اسلام کے معاشرتی احکام میں تعارض ہوجائے یا تو نوافل پڑھ لو یا اس معاشرت کے حکم پر عمل کرتے ہوئے دوسرے کو تکلیف سے بچالو تو اس صورت میں شریعت کا حکم یہ ہے کہ نوافل کو چھوڑ دو اور اس معاشرتی حکم پر عمل کرلو۔

نماز باجماعت کی اہمیت

دیکھیے! مردوں کو مسجد میں جماعت کے ساتھ فرض نماز پڑھنے کی سخت تاکید

فرمائی گئی ہے، یہاں تک کہ ایک حدیث میں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

"میرا دل چاہتا ہے کہ کسی دن ایسا کروں کہ جب جماعت کا وقت آجائے تو کسی کو امام بنا کر خود باہر جاؤں اور گھروں میں جاکر دیکھوں کہ کون کون لوگ مسجد میں نہیں آئے اور گھر میں بیٹھے رہے، پھر ان کے گھروں کو آگ لگادوں، اس لیے کہ وہ لوگ اللہ تعالیٰ کے اس فریضے میں کوتاہی کررہے ہیں۔"(۱)

اس سے پتہ چلا کہ جماعت سے نماز پڑھنے کی کتنی تاکید ہے، چنانچہ بعض فقہاء رحمہم اللہ نے جماعت سے نماز پڑھنے کو سنتِ مؤکدہ فرمایا ہے، لیکن دوسرے بعض فقہاء رحمہم اللہ نے جماعت سے نماز پڑھنے کو واجب قرار دیا ہے(۲) اور جماعت سے نماز ادا کرنا اداء کامل ہے اور تنہا ادا کرنا اداءِ ناقص ہے، چنانچہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عمل سے اس کی تاکید اور اہمیت کا اس طرح اظہار فرمایا کہ مرضِ وفات میں جب کہ آپ کے لیے چلنا مشکل تھا اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو آپ نے امام بنادیا تھا، اس وقت بھی آپ دو آدمیوں کا سہارا لے کر جماعت سے نماز پڑھنے کے لیے مسجد میں تشریف لائے۔(۳) اس سے جماعت سے نماز پڑھنے کی سخت تاکید معلوم ہوتی ہے۔

ایسے شخص کے لیے مسجد میں آنا جائز نہیں

لیکن دوسری طرف تمام فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ اگر کوئی شخص کسی ایسی

---

(۱) صحیح مسلم ۲۰۶۰/٤ (۲٦٧٤)۔

(۲) ملاحظہ ہو: الموسوعۃ الفقہیۃ الکویتیۃ ۲۸۱/۱۵۔

(۳) صحیح البخاری ۱۳۳/۱ (٦٦٤) و ۱۴۳/۱ (۷۱۲)۔

بیماری میں مبتلا ہے جو لوگوں کے لیے گھن کا باعث ہوتی ہے، جس سے بدبو آتی ہے، ایسے شخص کو مسجد میں جاکر جماعت سے نماز پڑھنا جائز نہیں اور صرف یہ نہیں کہ جماعت سے نماز پڑھنے کا حکم اس سے ساقط ہو گیا، بلکہ جماعت سے نماز پڑھنا جائز ہی نہیں، اگر جماعت سے نماز پڑھے گا تو گناہ گار ہوگا، اس لیے کہ اگر وہ مسجد جماعت سے نماز پڑھے گا تو اس کے پاس کھڑے ہونے والوں کو بدبو سے تکلیف ہوگی۔ دیکھیے! جماعت جیسی اہم عبادت کو صرف لوگوں کو تکلیف سے بچانے کے لیے چھڑا دیا گیا۔

حجرِ اسود کو بوسہ دیتے وقت تکلیف دینا

حجرِ اسود کی فضیلت اور اہمیت کون مسلمان نہیں جانتا اور فرمایا گیا کہ حجرِ اسود کو بوسہ دینا ایسا ہے جیسے اللہ جل شانہ سے مصافحہ کرنا[۱] اور حجرِ اسود کو بوسہ دینا انسان کے گناہوں کو جھاڑ دیتا ہے[۲] اور خود حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حجرِ اسود کو بوسہ دیا، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے بوسہ دیا[۳]، یہ اس کی فضیلت کی بات ہے، لیکن دوسری طرف یہ فرمادیا کہ حجرِ اسود کو بوسہ دینے کے لیے اگر دھکا دینا پڑے اور اس کے نتیجے میں دوسرے کو تکلیف پہنچ جانے کا اندیشہ ہو تو پھر اس وقت حجرِ اسود کو بوسہ دینا جائز نہیں، بلکہ گناہ ہے[۴]۔ آپ دیکھتے جائیں کہ شریعت اس

---

(۱) مصنف عبد الرزاق ۳۸/۵ (۸۹۱۹--۸۹۲۰) والعدنی فی مسنده كما فی للطالب العالية لابن حجر ۳۲۶/۳ (۱۲۹۵) كلاہما عن ابن عباس موقوفا قال الحافظ ابن حجر: هذا موقوف جيد۔ (طبع مومسة قرطبة)۔

(۲) سنن الترمذی ۲۸۱/۲ (۹۵۹) وقال هذا حديث حسن۔ وسنن النسائی ۲۲۱/۵ (۲۹۱۹)۔

(۳) صحيح البخاری ۱۴۹/۲ (۱۵۹۷)۔

(۴) ملاحظہ ہو الفتاوی الهندية ۲۲۵/۱ طبع دار الفكر۔

بات کا کتنا اہتمام کرتی ہے کہ دوسروں کو اپنی ذات سے ادنیٰ برابر بھی تکلیف پہنچنے سے بچایا جائے۔ جب اتنی اہم چیزوں کو صرف اس لیے چھڑایا جارہا ہے کہ اپنی ذات سے دوسروں کو تکلیف نہ پہنچے تو پھر نوافل اور مستحبات کے ذریعے دوسروں کو تکلیف پہنچانا کہاں سے جائز ہوگا۔

بلند آواز سے تلاوت کرنا

مثلاً تلاوت قرآنِ کریم ایک عبادت ہے یہ اتنی اہم عبادت ہے کہ ایک حرف پر دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں (۱)، گویا کہ تلاوت کے وقت نیکیوں کا خزانہ جمع ہوجاتا ہے اور فرمایا کہ سارے اذکار اور تسبیحات میں سب سے افضل ترین قرآنِ کریم کی تلاوت ہے (۲) اور تلاوت میں افضل یہ ہے کہ بلند آواز سے کی جائے۔ آہستہ آواز کے مقابلے میں بلند آواز سے تلاوت کرنے پر زیادہ ثواب ملتا ہے (۳) لیکن اگر تمہاری تلاوت کی وجہ سے کسی کی نیند یا آرام میں خلل آرہا ہو تو پھر بلند آواز سے تلاوت کرنا جائز نہیں۔

(۱) سنن الترمذی ۳۳/۵ (۲۹۱۰) وقال هذا حديث حسن صحيح غريب من هذا الوجه۔

(۲) روى البيهقي في "شعب الايمان" ۳۹۵/۲ (۱۸٦٥) عن النعمان بن بشير رضي الله عنه مرفوعًا: أَفْضَلُ عِبَادَةِ أُمَّتِي قِرَاءَةُ الْقُرْآنِ. وقال المناوي في "التيسير" ۱۸۹/۱: وإسناده حسن لغيره. (طبع مكتبة الإمام الشافعي الرياض)۔ وروى الحاكم في "المستدرك" ٤۷۹/۲ (۳٦٥۱) عن عقبة بن عامر الجهني رضي الله عنه مرفوعًا: "إِنَّكُمْ لَنْ تَرْجِعُوا إِلَى اللهِ بِشَيْءٍ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ شَيْءٍ خَرَجَ مِنْهُ، يَعْنِي الْقُرْآنَ". قال الحاكم: هذا حديث صحيح الإسناد ولم يخرجاه. ووافقه الذهبي في "التلخيص"۔

(۳) سنن ابی داود ۳۸/۲ (۱۳۳۳) وسنن الترمذی ٤۰/۵ (۲۹۱۹) وقال هذا حديث حسن غريب۔

تہجد کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اٹھنے کا انداز

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تہجد کی نماز کے لیے اٹھتے، ساری عمر کبھی تہجد کی نماز نہیں چھوڑی، اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم پر آسانی فرماتے ہوئے تہجد کی نماز واجب نہیں فرمائی، لیکن حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر تہجد کی نماز واجب تھی۔ آپ نے کبھی تہجد کی نماز قضا نہیں فرمائی، لیکن حدیث شریف میں آتا ہے کہ جب آپ تہجد کی نماز کے لیے اٹھتے تو آہستہ سے اٹھتے اور آہستگی سے دروازہ کھولتے کہ کہیں میرے اس عمل کی وجہ سے میری بیوی کی آنکھ نہ کھل جائے اور ان کی نیند خراب نہ ہو جائے [1]۔ سارا قرآن اور حدیث اس بات سے بھرا ہوا ہے کہ اپنی ذات سے دوسروں کو تکلیف نہ پہنچائے اور قدم قدم پر شریعت نے اس کا اہتمام کیا ہے۔

لوگوں کی گزرگاہ میں نماز پڑھنا

ایسی جگہ پر نماز پڑھنے کے لیے کھڑا ہونا جو لوگوں کے گزرنے کی جگہ ہے، جائز نہیں [2]۔ بعض لوگ اس کا بالکل خیال نہیں کرتے، پوری مسجد خالی پڑی ہے، مگر پچھلی صف میں جا کر نماز کے لیے کھڑے ہو گئے اور نیت باندھ لی، اس

---

(۱) صحیح مسلم ۶۶۹/۲ (۹۷۴)۔

(۲) سنن الترمذی ۳۷۵/۱ (۳۴۶-۳۴۷) من حدیث عبداللہ بن عمر وقال: إسنادہ لیس بذاك القوی، رواہ ابن ماجہ فی سننہ ۲۹۱/۱ (۳۳۰) من طریق آخر عن ابن عمر. وقال البوصیری فی "مصباح الزجاجۃ" ۴۹/۱: ھذا اسناد ضعیف لضعف ابن لھیعۃ وشیخہ، لکن للمتن شواھد صحیحۃ. وسنن ابن ماجہ ۶۵/۲ (۷۴۷) من حدیث عمر بن الخطاب وقال البوصیری فی "مصباح الزجاجۃ" ۹۵/۱ ھذا اسناد ضعیف لضعف ابی صالح کاتب اللیث.

کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ گزرنے والا یا تو اس کے پیچھے سے لمبا چکر کاٹ کر جائے یا نمازی کے سامنے سے گزرنے کے گناہ کا ارتکاب کرے۔ اس طریقے سے نماز پڑھنا جائز نہیں، بلکہ گناہ ہے۔

''مسلم'' میں سلامتی داخل ہے

بہر حال! حدیث شریف میں فرمایا:

«المسلم من سلم المسلمون من لسانه ويده»

یعنی مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے لوگ محفوظ اور سالم رہیں۔

لفظ (المسلم) کا مادہ ہے (س ل م) اور ''سلامتی'' بھی اس مادے سے اور انہی حروف سے مل کر بنا ہے، گویا اشارہ اس بات کی طرف کر دیا کہ ''مسلمان'' کے لفظ میں سلامتی لفظ داخل ہے۔

السلام علیکم کا مفہوم

دوسرے مذاہب کے لوگ جب آپس میں ملاقات کرتے ہیں تو کوئی ''ہیلو'' کہتا ہے، کوئی ''گڈ نائٹ'' اور ''گڈ مارننگ'' کہتا ہے اور کوئی ''نمستے'' کوئی ''آداب'' کہتا ہے۔ مختلف لوگوں نے ملاقات کے وقت دوسرے کو مخاطب کرنے کے لیے مختلف الفاظ اختیار کر رکھے ہیں؟ لیکن اسلام نے ہمیں یہ تعلیم دی کہ جب دوسرے سے ملاقات کرو تو یہ کہو ''السلام علیکم'' جس کے معنیٰ یہ ہیں کہ تم پر سلامتی ہو۔ ایک طرف تو اس میں سلامتی کی دعا ہے، جبکہ دوسرے کلمات کہنے

میں کوئی دعا نہیں ہے۔ اس وجہ سے سننے والے مخاطب کو ان الفاظ کے ذریعے کوئی فائدہ نہیں پہنچتا، لیکن جب آپ نے ''السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'' کہا تو آپ نے مخاطب کو تین دعائیں دے دیں، یعنی تم پر اللہ کی سلامتی نازل ہو، تم پر اللہ کی رحمت نازل ہو اور برکت نازل ہو۔ اگر ایک مرتبہ کا سلام بھی دوسرے مسلمان کے حق میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں قبول ہو جائے تو ساری زندگی کا بیڑہ پار ہو جائے اور اس سلام کے ذریعے دوسرا سبق یہ سکھا دیا کہ دو آدمیوں کے ملنے کے وقت جو چیز سب سے زیادہ مطلوب ہے وہ یہ ہے کہ اس کی طرف سے اس کے اوپر سلامتی ہو اور اس کی ذات سے اس کو کوئی تکلیف نہ پہنچے اور مسلمان ملاقات کے وقت سب سے پہلے یہ پیغام دے دے کہ میں تمہارے لیے سلامتی بن کر آیا ہوں، میں تمہارے لیے عذاب اور تکلیف بن کر نہیں آیا ہوں۔

زبان سے تکلیف نہ دینے کا مطلب

پھر اس حدیث میں دو لفظ استعمال فرمائے، ایک ''من لسانہ'' اور ایک ''ویدہ'' یعنی دوسرے مسلمان دو چیزوں سے محفوظ رہیں، ایک اس کی زبان سے اور دوسرے اس کے ہاتھ سے۔ زبان سے محفوظ رہنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ کوئی ایسا کلمہ نہ کہے جس سے سننے والے کا دل ٹوٹے اور اس کو تکلیف پہنچے۔ اس کی دل آزاری ہو، اگر بالفرض دوسرے مسلمان کی کسی بات پر تنقید کرنی ہے تو بھی ایسے الفاظ استعمال کرے جس سے اس کی دل آزاری بالکل نہ ہو یا کم سے کم ہو۔ مثلاً اس سے یہ کہہ دیں کہ آپ کی فلاں بات مجھے اچھی نہیں لگی یا آپ فلاں بات پر غور کر لیں وہ بات اصلاح کے لائق ہے اور شریعت کے مطابق نہیں ہے، لیکن کوئی ایسا طریقہ اختیار کرنا جس سے اس کی بدگوئی ہو، مثلاً گالی گفتار

اختیار کرنا یا گالی گفتار سے بڑھ کر طعنہ دینا۔ "طعنہ" کا مطلب یہ ہے کہ براہِ راست تو کوئی تکلیف کی بات نہیں کی؟ لیکن لپیٹ کر بات کہہ دی اور یہ طعنہ ایسی چیز ہے جو دلوں میں زخم ڈال دیتا ہے، عربی شاعر کا ایک شعر ہے ؎

جراحات السنان لها التيام
ولا يلتام ما جرح اللسان(۱)

یعنی نیزے کا زخم بھر جاتا ہے، لیکن زبان کا زخم نہیں بھرتا۔

اس لیے اگر کسی کی کوئی بات آپ کو ناگوار لگے تو صاف صاف اس سے کہہ دو کہ فلاں بات آپ کی مجھے پسند نہیں۔ قرآنِ کریم کا ارشاد ہے:

يَآأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا (۲)

اے یمان والو! اللہ سے ڈرو اور سیدھی بات کرو۔

لپٹی ہوئی بات مطلوب اور پسندیدہ نہیں۔ آج کل فقرہ بازی ایک فن بن گیا ہے، فقرہ بازی کا مطلب یہ ہے کہ ایسی بات کی جائے کہ دوسرا شخص سن کر تلملاتا ہی رہ جائے۔ براہِ راست اس سے وہ بات نہیں کہی، بلکہ لپیٹ کر کہہ دی، ایسی باتیں کرنے والوں کی لوگ خوب تعریف بھی کرتے ہیں کہ یہ شخص تو بڑا زبردست انشاء پرداز ہے اور بڑا لطیف مذاق کرنے والا ہے۔

طنز کا ایک عجیب واقعہ

ایک شخص نے شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی کسی کتاب

---

(۱) اللطائف والظرائف للثعالبی ص۱۰۴ طبع دار المناهل بیروت.
(۲) سورۃ الاحزاب آیت (۷۰)۔

کے جواب میں ایک مقالہ لکھا اور اس مقالے میں حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ پر کفر کا فتویٰ لگا دیا۔ العیاذ باللہ۔ حضرت والا کے مخلص معتقد تھے، انہوں نے اس کے جواب میں فارسی میں دو شعر کہے، وہ اشعار ادبی اعتبار سے آج کل کے طنز کے مذاق کے لحاظ سے بہت اعلیٰ درجے کے اشعار تھے، وہ اشعار یہ تھے ؎

مرا کافر گفتی غمے نیست
چراغِ کذب را نبود فروغے
مسلمانت بخوانم در جوابش
دروغے را جزا باشد دروغے

یعنی مجھے اگر تم نے کافر کہا ہے تو مجھے کوئی غم نہیں ہے، کیونکہ جھوٹ کا چراغ کبھی جلا نہیں کرتا۔ تم نے مجھے کافر کہا، میں اس کے جواب میں تمہیں مسلمان کہتا ہوں، اس لیے کہ جھوٹ کا بدلہ جھوٹ ہی ہو سکتا ہے۔

یعنی تم نے مجھے کافر کہہ کر جھوٹ بولا اس کے جواب میں، میں تمہیں مسلمان کہہ کر جھوٹ بول رہا ہوں۔ مطلب یہ ہے کہ درحقیقت تم مسلمان نہیں ہو۔ اگر یہ جواب کسی ادیب اور ذوق رکھنے والے شاعر کو سنایا جائے تو وہ اس پر خوب داد دے گا اور اس کو پسند کرے گا۔ اس لیے کہ چبھتا ہوا جواب ہے۔ اس لیے کہ دوسرے شعر کے پہلے مصرعے میں کہہ دیا کہ میں تمہیں مسلمان کہتا ہوں، لیکن دوسرے مصرعے نے اس بات کو بالکل الٹ دیا۔ یعنی جھوٹ کا بدلہ تو جھوٹ ہی ہوتا ہے، تم نے مجھے کافر کہہ کر جھوٹ بولا، میں تمہیں مسلمان کہہ کر جھوٹ بولتا ہوں۔ بہر حال! یہ اشعار لکھ کر حضرت کے جو معتقد تھے وہ حضرت والا کی خدمت

میں لائے حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے جب یہ اشعار سنے تو فرمایا کہ تم نے اشعار تو بہت غضب کے کہے اور بڑا چبھتا ہوا جواب دے دیا، لیکن میاں تم نے لپیٹ کر اس کو کافر کہہ تو دیا اور ہمارا یہ طریقہ نہیں ہے کہ دوسروں کو کافر کہیں، چنانچہ وہ اشعار نہیں بھیجے۔ پھر حضرت والا نے خود ان اشعار کی اصلاح فرمائی اور ایک شعر کا اضافہ فرمایا، چنانچہ فرمایا۔

مرا کافر گفتی غمے نیست
چراغِ کذب را نبود فروغے
مسلمانت بخوانم در جوابش
دہم شکر بجائے تلخ دوغے
اگر تو مؤمنی فبہا والا
دروغے را جزا باشد دروغے

یعنی اگر تم نے مجھے کافر کہا ہے تو مجھے اس کا کوئی غم نہیں ہے اس لیے کہ جھوٹ کا چراغ جلا نہیں کرتا۔ میں اس کے جواب میں تمہیں مسلمان کہتا ہوں اور کڑوی دوا کے مقابلے میں تمہیں شکر کھلاتا ہوں۔ اگر تم مؤمن ہو تو بہت اچھا ہے اور اگر نہیں ہو تو پھر جھوٹ کی جزا جھوٹ ہی ہوتی ہے۔

اب دیکھیے! وہ مخالف جو آپ پر کفر کا فتویٰ لگا رہا ہے۔ جہنمی ہونے کا فتویٰ لگا رہا ہے، اس کے خلاف بھی طنز کا ایسا فقرہ کہنا پسند نہیں فرمایا جو حدود سے نکلا ہوا تھا، اس لیے کہ یہ طنز تو یہاں دنیا میں رہ جائے گا؟ لیکن جو لفظ زبان سے نکل رہا ہے، وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ریکارڈ ہو رہا ہے، قیامت کے روز اس کے بارے میں جواب دینا ہوگا کہ فلاں کے حق میں یہ لفظ کس طرح استعمال کیا تھا؟ لہٰذا طنز

کا یہ طریقہ جو حدود سے نکل جائے کسی طرح بھی پسندیدہ نہیں۔ لہٰذا جب کسی سے کوئی بات کہنی ہو تو صاف اور سیدھی بات کہہ دینی چاہیے۔ لپیٹ کر بات نہیں کہنی چاہیے۔

زبان کے ڈنگ کا ایک قصہ

میرے والد ماجد حضرت مولانا مفتی شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ بعض لوگوں کی زبان میں ڈنگ ہوتا ہے۔ چنانچہ ایسے لوگ جب بھی کسی سے بات کریں گے ڈنگ ماریں گے اور طعنہ اور طنز کی بات کریں گے یا کسی پر اعتراض کی بات کریں گے، حالانکہ اس انداز سے بات کرنے سے دل میں گرہیں پڑ جاتی ہیں۔ پھر ایک قصہ سنایا کہ ایک صاحب کسی عزیز کے گھر میں گئے تو دیکھا ان کی بہو بہت غصے میں ہے اور زبان سے اپنی ساس کو برا بھلا کہہ رہی تھی اور ساس بھی پاس بیٹھی ہوئی تھی، ان صاحب نے اس کی ساس سے پوچھا کہ کیا بات ہوگئی؟ اتنا غصہ اس کو کیوں آرہا ہے؟ جواب میں ساس نے کہا: بات کچھ بھی نہیں تھی۔ میں نے صرف دو بول بولے تھے، اس کی خطا میں پکڑی گئی اور اس کے نتیجے میں یہ ناچی ناچی پھر رہی ہے اور غصہ کر رہی ہے، ان صاحب نے پوچھا کہ وہ دو بول کیا تھے؟ ساس نے کہا کہ میں نے تو صرف یہ کہا تھا کہ باپ تیرا غلام اور ماں تیری لونڈی، بس اس کے بعد سے یہ ناچی ناچی پھر رہی ہے۔ اب دیکھیے! وہ صرف دو بول تھے، لیکن ایسے دو بول تھے جو انسان کے اندر آگ لگانے والے تھے۔ لہٰذا طعنہ کا انداز گھروں کو برباد کرنے والا ہے دلوں میں بغض اور نفرتیں پیدا کرنے والا ہے۔ اس سے بچنا چاہیے اور ہمیشہ صاف اور سیدھی بات کہنی چاہیے۔

پہلے سوچو پھر بولو

زبان کو استعمال کرنے سے پہلے ذرا سوچ لیا کرو کہ جو بات میں کہنے جارہا ہوں اس کا نتیجہ کیا ہوگا؟ اور دوسرے پر اس کا کیا اثر پڑے گا اور یہ سوچ لیا کرو کہ جو بات میں دوسرے سے کہنے جارہا ہوں۔ اگر دوسرا شخص مجھ سے یہ بات کہتا تو اس کا مجھ پر کیا اثر ہوتا، اچھا لگتا یا برا لگتا؟ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں یہ تعلیم دی اور یہ اصول بتادیا کہ

اَحِبَّ لِلنَّاسِ مَاتُحِبُّ لِنَفْسِكَ (۱)

یعنی دوسرے کے لیے وہی بات پسند کرو جو اپنے لیے پسند کرتے ہو۔

اور یہ جو ہم نے دو پیمانے بنا رکھے ہیں کہ اپنے لیے الگ پیمانہ دوسرے کے لیے الگ پیمانہ، نبی کریم سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا خاتمہ فرمادیا۔ اگر یہ ترازو اللہ تعالیٰ ہمارے دلوں میں پیدا فرمادے تو پھر یہ سارے جھگڑے اور فسادات ختم ہو جائیں۔

زبان ایک عظیم نعمت

یہ زبان اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمت ہے جو اللہ تعالیٰ نے ہمیں مفت میں دے رکھی ہے اس کی قیمت ہمیں ادا نہیں کرنی پڑی اور پیدائش کے وقت سے لے کر

---

(۱) سنن الترمذی ۱۴۰/٤ (۲۳۰۵) وقال هذا حديث غريب. وسنن ابن ماجه ٦٢٠/٥ (٤٢١٧) وقال البوصيری فی "مصباح الزجاجه" ٢٤٠/٤ هذا اسناد حسن.

موت تک یہ سرکاری مشین چلتی رہتی ہے، لیکن اگر خدانخواستہ یہ نعمت چھن جائے تب اس نعمت کی قدر معلوم ہوگی کہ یہ کتنی عظیم نعمت ہے! اگر فالج ہو جائے اور زبان بند ہوجائے تو اس وقت یہ حال ہوتا ہے کہ بولنا چاہتے ہیں اور اپنے دل کی بات دوسروں سے کہنا چاہتے ہیں، لیکن زبان نہیں چلتی۔ اس وقت پتہ چلتا ہے کہ یہ گویائی کی طاقت کتنی عظیم نعمت ہے، لیکن ہم لوگ صبح سے لے کر شام تک اس زبان کو قینچی کی طرح چلا رہے ہیں اور یہ نہیں سوچتے کہ زبان سے کیا لفظ نکل رہا ہے، یہ طریقہ ٹھیک نہیں، بلکہ صحیح طریقہ یہ ہے کہ پہلے تولو، پھر بولو۔ اگر اس طریقہ پر ہم نے عمل کرلیا تو پھر یہ زبان جو ہمارے لیے جہنم میں جانے کے اسباب پیدا کر رہی ہے۔ ان شاء اللہ جنت میں جانے کے اسباب پیدا کرنے والی اور آخرت کا ذخیرہ جمع کرنے والی بن جائے گی۔

سوچ کر بولنے کی عادت ڈالیں۔

ایک حدیث شریف میں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انسان کو سب سے زیادہ جہنم میں اوندھے منہ ڈالنے والی چیز زبان ہے[1]۔ یعنی جہنم میں اوندھے منہ گرائے جانے کا سب سے بڑا سبب زبان ہے۔ اس لیے جب بھی اس زبان کو استعمال کرو استعمال کرنے سے پہلے ذرا سوچ لیا کرو۔ کسی کے ذہن میں سوال پیدا ہوسکتا ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ آدمی کو جب کوئی ایک جملہ بولنا ہو تو پہلے

(۱) سنن الترمذی ٤/٣٦٢ (٢٦١٦) من حدیث معاذبن جبل رضی اللہ عنہ وقال ھذا حدیث حسن صحیح۔ ومسند البزار ٦/٢٧٣ (٢٣٠٢) من حدیث ابی الیسر کعب بن عمرو الانصاری رضی اللہ عنہ قال الھیثمی فی "مجمع الزوائد" ١٠/٥٣٩ (١٨١٥٨) اسنادہ حسن ومتنہ غریب۔

پانچ منٹ تک سوچے، پھر زبان سے وہ جملہ نکالے تو اس صورت میں بہت وقت خرچ ہو جائے گا۔ بات دراصل یہ ہے کہ اگر شروع شروع میں انسان بات سوچ سوچ کر کرنے کی عادت ڈال لے تو پھر آہستہ آہستہ اس کا عادی ہو جاتا ہے اور پھر سوچنے میں دیر نہیں لگتی۔ ایک لمحہ میں انسان فیصلہ کر لیتا ہے کہ یہ بات زبان سے نکالوں یا نہ نکالوں؟ پھر اللہ تعالیٰ زبان کے اندر ہی ترازو پیدا فرما دیتے ہیں۔ جس کے نتیجے میں زبان سے پھر صرف حق بات نکلتی ہے۔ غلط اور ایسی بات زبان سے نہیں نکلتی جو اللہ تعالیٰ کو ناراض کرنے والی ہو اور دوسروں کو تکلیف پہنچانے والی ہو۔ بشرطیکہ یہ احساس پیدا ہو جائے کہ اس سرکاری مشین کو آداب کے ساتھ استعمال کرنا ہے۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک واقعہ

حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک خادم تھے۔ جن کو ''بھائی نیاز'' کہا کرتے تھے۔ بڑے ناز پروردہ خادم تھے، اس لیے آنے والے لوگ بھی ان سے محبت کرتے تھے اور چونکہ خانقاہ کے اندر ہر چیز کا ایک نظم اور وقت ہوتا تھا، اس لیے آنے والوں پر روک ٹوک بھی کیا کرتے تھے کہ یہ کام مت کرو، یہ کام اس طرح کرو وغیرہ۔ کسی شخص نے حضرت والا کے پاس ان کی شکایت کی کہ آپ کے یہ خادم بھائی نیاز صاحب بہت سر چڑھ گئے ہیں اور بہت سے لوگوں پر غصہ اور ڈانٹ ڈپٹ شروع کر دیتے ہیں، حضرت والا کو یہ سن کر غصہ آیا کہ یہ ایسا کرتے ہیں اور ان کو بلوایا اور ان کو ڈانٹا کہ کیوں بھائی نیاز، یہ کیا تمہاری حرکت ہے۔ ہر ایک کو تم ڈانٹتے رہتے ہو، تمہیں ڈانٹنے کا حق کس نے دیا ہے؟ جواب میں بھائی نیاز نے کہا کہ حضرت! اللہ سے ڈرو، جھوٹ

نہ بولو۔ ان کا مقصد حضرت والا کو کہنا نہیں تھا، بلکہ مقصد یہ تھا کہ جو لوگ آپ سے شکایت کر رہے ہیں، ان کو چاہیے کہ وہ اللہ سے ڈریں اور جھوٹ نہ بولیں۔ جس وقت حضرت والا نے بھائی نیاز کی زبان سے یہ جملہ سنا، اسی وقت گردن جھکائی اور ''استغفر اللہ استغفر اللہ'' کہتے ہوئے وہاں سے چلے گئے۔ دیکھنے والے حیران رہ گئے کہ یہ کیا ہوا؟ ایک ادنیٰ خادم نے حضرت والا سے ایسی بات کہہ دی، لیکن حضرت بجائے ان کو کچھ کہنے کے استغفر اللہ کہتے ہوئے چلے گئے۔ بعد میں خود حضرت والا نے فرمایا کہ دراصل مجھ سے غلطی ہوگئی تھی کہ میں نے ایک طرف کی بات سن کر فوراً ڈانٹنا شروع کر دیا تھا۔ مجھے چاہیے تھا کہ میں پہلے ان سے پوچھتا کہ لوگ آپ کے بارے میں یہ شکایت کر رہے ہیں، آپ کیا کہتے ہیں کہ شکایت درست ہے یا غلط ہے؟ اور دوسرے فریق کی بات سنے بغیر ڈانٹنا شریعت کے خلاف ہے۔ چونکہ یہ بات شریعت کے خلاف تھی، اس لیے میں اس پر استغفار کرتے ہوئے وہاں سے چلا گیا۔

حقیقت یہ ہے کہ جس شخص کے دل میں اللہ تعالیٰ حق و باطل کو جانچنے کا ترازو پیدا فرما دیتے ہیں، اس کا یہ حال ہوتا ہے کہ اس کا کوئی کلمہ حد سے متجاوز نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی فہم عطا فرمادے۔ آمین

غیر مسلموں کو بھی تکلیف پہنچانا جائز نہیں

اس حدیث میں فرمایا کہ مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں اس سے بعض اوقات لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اس حدیث میں صرف مسلمانوں کو تکلیف سے محفوظ رکھنے کا حکم دیا گیا ہے لہٰذا غیر مسلم کو تکلیف پہنچانے کی ممانعت اس حدیث میں موجود نہیں۔ یہ بات درست نہیں

کیوں کہ حدیث میں مسلمانوں کا ذکر اس لیے کیا گیا ہے کہ مسلمان جس ماحول میں رہتے ہیں وہاں عام طور پر مسلمانوں ہی سے ان کو واسطہ پڑتا ہے۔ اس لیے خاص طور پر حدیث میں مسلمانوں کا ذکر دیا ہے۔ ورنہ یہ حکم مسلمان اور غیر مسلم سب کے لیے برابر ہے کہ اپنی ذات سے غیر مسلم کو بھی حالتِ امن میں تکلیف پہنچانا جائز نہیں۔ البتہ اگر کافروں کے ساتھ جہاد ہو رہا ہو اور حالت جنگ ہو تو چونکہ وہ تو کافروں کی شان و شوکت توڑنے کا ایک ذریعہ ہے۔ اس میں تکلیف پہنچانا جائز ہے، لیکن جن کافروں کے ساتھ حالت جنگ نہیں ہے ان کافروں کو تکلیف پہنچانا بھی اس حکم میں داخل ہے۔

ناجائز ہونے کی دلیل

اس کی دلیل یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون کی حکومت میں مصر میں رہتے تھے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے علاوہ پوری قوم کفر اور گمراہی میں مبتلا تھی۔ اس وقت یہ واقعہ پیش آیا کہ ایک اسرائیلی اور قبطی میں جھگڑا ہو گیا، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے قبطی کو ایک مکا مار دیا، جس کے نتیجے میں اس کی موت واقع ہو گئی۔ وہ قبطی اگرچہ کافر تھا، لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کی موت کو اپنے لیے گناہ قرار دیتے ہوئے فرمایا:

وَلَهُمْ عَلَيَّ ذَنْبٌ فَأَخَافُ أَنْ يَقْتُلُوْنَ (۱)

"یعنی مجھ سے ان کا ایک گناہ ہو گیا جس کی وجہ سے مجھے اندیشہ ہے کہ اگر میں ان کے پاس جاؤں گا تو وہ مجھے قتل

(۱) سورۃ الشعراء آیت (۱٤).

کردیں گے۔"

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کافر کے قتل کو گناہ سے تعبیر کیا۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ تو کافر تھا اور کافر کو قتل کرنا تو جہاد کا ایک حصہ ہے۔ پھر آپ نے اس کو گناہ کیوں قرار دیا اور اس پر استغفار کیوں کیا؟

جواب یہ ہے کہ وہ قبطی اگرچہ کافر تھا اور حالتِ امن تھی اور اگر مسلمان اور کافر ایک ساتھ رہائش پذیر ہوں اور حالتِ امن ہو، اس حالت میں کافر کا بھی دنیا کے اعتبار سے وہی حق ہے جو مسلمان کا ہے۔ یعنی جس طرح مسلمان کو تکلیف پہنچانا جائز نہیں، اسی طرح کافر کو بھی تکلیف پہنچانا جائز نہیں۔ کیوں کہ یہ انسانیت کا حق ہے اور انسان کا پہلا فرض یہ ہے کہ وہ آدمی بنے۔ مسلمان بننا اور صوفی بننا تو بعد کی بات ہے، پہلا کام یہ ہے کہ انسان آدمی بن جائے۔ پہلا کام یہ ہے کہ انسان آدمی بن جائے اور آدمیت کا حق یہ ہے کہ اپنی ذات سے کسی کو تکلیف نہ دے۔ اس میں مسلمان اور غیر مسلم سب برابر ہیں۔

وعدہ خلافی کرنا زبان سے تکلیف دینا ہے

بعض کام ایسے ہیں جن کو لوگ زبان کے ذریعے تکلیف دینے کے اندر شمار نہیں کرتے، حالانکہ وہ کام زبان سے تکلیف دینے کے حکم میں داخل ہیں، مثلاً وعدہ خلافی کرنا، آپ نے کسی سے یہ وعدہ کرلیا کہ فلاں وقت آپ کے پاس آؤں گا یا فلاں وقت میں آپ کا کام کردوں گا، لیکن وقت پر وعدہ پورا نہیں کیا جس کے نتیجے میں اس کو تکلیف پہنچی، اس میں ایک طرف تو وعدہ خلافی کا گناہ ہوا۔ دوسری طرف دوسرے شخص کو تکلیف پہنچانے کا بھی گناہ ہوا۔ یہ زبان سے تکلیف پہنچانے کے حکم میں داخل ہے۔

تلاوتِ قرآن کے وقت سلام کرنا

بعض اوقات انسان کو پتہ بھی نہیں چلتا کہ میں زبان سے تکلیف پہنچا رہا ہوں، بلکہ وہ سمجھتا ہے کہ میں تو ثواب کا کام کر رہا ہوں؟ لیکن حقیقت میں وہ گناہ کا کام کر رہا ہوتا ہے اور اس کے ذریعے دوسرے کو تکلیف پہنچاتا ہے، مثلاً سلام کرنا کتنی بڑی فضیلت اور ثواب کا کام ہے، لیکن شریعت نے دوسرے کی تکلیف کا اتنا خیال کیا ہے کہ سلام کرنے کے بھی احکام مقرر فرما دیے کہ ہر وقت سلام کرنا جائز نہیں، بلکہ بعض مواقع پر سلام کرنے پر ثواب کے بجائے گناہ ہوگا۔ کیوں کہ سلام کے ذریعے تم نے دوسرے کو تکلیف پہنچائی ہے، مثلاً ایک شخص قرآنِ کریم کی تلاوت میں مشغول ہے، اس کو سلام کرنا جائز نہیں۔ اس لیے کہ ایک طرف تو تمہارے سلام کی وجہ سے اس کی تلاوت میں رخنہ ہوگا اور دوسری طرف اس کو تلاوت چھوڑ کر تمہاری طرف مشغول ہونے میں تکلیف ہوگی۔ اب ایسے وقت کے اندر سلام کرنا زبان سے تکلیف پہنچانے میں داخل ہے۔ اسی طرح اگر لوگ مسجد میں بیٹھ کر ذکر میں مشغول ہوں، ان کو مسجد میں داخل ہوتے وقت سلام کرنا جائز نہیں۔ کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی یاد میں مشغول ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ان کا رشتہ جڑا ہوا ہے۔ ان کی زبان پر ذکر جاری ہے۔ تمہارے سلام کی وجہ سے ان کے ذکر میں خلل واقع ہوگا اور اس کو توجہ ہٹانے میں تکلیف بھی ہوگی۔ (۱)

---

(۱) ملاحظہ ہو الدر المختار مع رد المحتار ۶۱۶/۱ طبع مصطفی البابی مصر۔

مجلس کے دوران سلام کرنا

فقہاءِ کرام رحمہم اللہ نے لکھا ہے کہ ایک شخص دوسرے لوگوں سے کوئی لمبی بات کر رہا ہے اور دوسرے لوگ توجہ سے اس کی بات سن رہے ہیں۔ اگرچہ وہ دنیاوی باتیں ہوں۔ اس حالت میں بھی اس مجلس میں جاکر سلام کرنا جائز نہیں، اس لیے کہ وہ لوگ باتیں سننے میں مصروف تھے آپ نے سلام کے ذریعے ان کی باتوں میں خلل ڈال دیا اور جس کی وجہ سے باتوں کے درمیان میں بدمزگی پیدا ہوگئی۔ اس لیے اس موقع پر سلام کرنا جائز نہیں اس لیے حکم ہے کہ جب تم کسی مجلس میں شرکت کے لیے جاؤ اور وہاں پر بات شروع ہوچکی ہو تو وہاں پر سلام کے بغیر بیٹھ جاؤ اس وقت سلام کرنا زبان سے تکلیف پہنچانے کے مرادف ہوگا۔ اس سے اندازہ لگایئے کہ شریعت اس بارے میں کتنی حساس ہے کہ دوسرے شخص کو ہماری ذات سے ادنیٰ تکلیف نہ پہنچے۔

کھانا کھانے والے کو سلام کرنا

ایک شخص کھانا کھانے میں مشغول ہے اس وقت اس کو سلام کرنا حرام تو نہیں البتہ مکروہ ضرور ہے۔ جب کہ یہ اندیشہ ہو کہ تمہارے سلام کے نتیجے میں اس کو تشویش ہوگی، اب دیکھیے کہ وہ تو کھانا کھانے میں مشغول ہے نہ تو وہ عبادت کر رہا ہے نہ ذکر کرنے میں مشغول ہے اگر تم سلام کرلوگے تو اس پر پہاڑ نہیں ٹوٹ پڑے گا، لیکن سلام کے نتیجے میں اس کو تشویش ہونے اور اس کو ناگوار ہونے کا اندیشہ ہے، اس لیے اس وقت سلام نہ کرے۔ اس طرح ایک شخص اپنے کسی کام کے لیے تیزی سے جارہا ہے آپ کو اندازہ ہوا کہ یہ شخص بہت

جلدی میں ہے آپ نے آگے بڑھ کر اس کو سلام کرلیا اور مصافحہ کے لیے ہاتھ بڑھا دیا یہ آپ نے اچھا نہیں کیا۔ اس لیے کہ آپ کو اس کی تیزی سے اندازہ لگانا چاہیے تھا کہ یہ شخص جلدی میں ہے یہ سلام کرنے اور مصافحہ کرنے کا مناسب وقت نہیں ہے ایسے وقت میں اس کو سلام نہ کرو بلکہ اس کو جانے دو یہ سب باتیں زبان کے ذریعے تکلیف پہنچانے میں داخل ہیں۔

ٹیلیفون پر لمبی بات کرنا

میرے والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ اب ایذاء رسانی کا ایک آلہ بھی ایجاد ہو چکا ہے وہ ہے ''ٹیلیفون'' یہ ایک ایسا آلہ ہے کہ اس کے ذریعے جتنا چاہو دوسرے کو تکلیف پہنچا دو چنانچہ آپ نے کسی کو ٹیلیفون کیا اور اس سے لمبی گفتگو شروع کر دی اور اس کا خیال نہیں کیا کہ وہ شخص اس وقت کسی کام میں مصروف ہے اس کے پاس وقت ہے یا نہیں؟ میرے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ نے ''معارف القرآن'' میں یہ بات لکھی ہے کہ ٹیلیفون کرنے کے آداب میں یہ بات داخل ہے کہ اگر کسی سے لمبی بات کرنی ہو تو پہلے اس سے پوچھ لو کہ مجھے ذرا لمبی بات کرنی ہے چار پانچ منٹ لگیں گے اگر آپ اس وقت فارغ ہو تو ابھی بات کرلوں اور اگر فارغ نہ ہوں تو کوئی مناسب وقت بتادیں اس وقت بات کرلوں گا، سورۂ نور کی تفسیر میں یہ آداب لکھے ہیں دیکھ لیا جائے اور خود حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی ان پر عمل فرمایا کرتے تھے۔

باہر کے لاؤڈ اسپیکر پر تقریر کرنا

یا مثلاً آپ کو مسجد کے اندر چند افراد سے کچھ بات کرنی ہے اور ان تک

آواز پہنچانے کے لیے مسجد کے اندر کا لاؤڈ اسپیکر بھی کافی ہوسکتا تھا، لیکن آپ نے باہر کا بھی لاؤڈ اسپیکر کھول دیا جس کے نتیجے میں پورے علاقے اور پورے محلے کے لوگوں تک آواز پہنچ رہی ہے اب محلے میں کوئی شخص اپنے گھر کے اندر تلاوت کرنا چاہتا ہے یا ذکر کرنا چاہتا ہے یا سونا چاہتا ہے یا کوئی شخص بیمار ہے وہ آرام کرنا چاہتا ہے مگر آپ نے زبردستی اپنا وعظ پورے محلے والوں پر مسلط کردیا یہ عمل بھی زبان کے ذریعے تکلیف پہنچانے میں داخل ہے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانے کا ایک واقعہ

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ایک صاحب مسجدِ نبوی میں آکر وعظ کیا کرتے تھے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا حجرہ مسجدِ نبوی سے بالکل متصل تھا اگرچہ اس زمانے میں لاؤڈ اسپیکر نہیں تھا مگر وہ صاحب بلند آواز سے وعظ کرتے تھے ان کی آواز حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ کے اندر پہنچتی۔ آپ اپنی عبادت، تلاوت، ذکر واذکار یا دوسرے کاموں میں مشغول ہوتیں اور ان صاحب کی آواز سے آپ کو تکلیف پہنچتی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کو پیغام بھجوایا کہ یہ ایک صاحب اس طرح میرے حجرے کے قریب آکر وعظ کرتے ہیں، مجھے اس سے تکلیف ہوتی ہے، آپ ان سے کہہ دیں کہ وعظ کسی اور جگہ پر جاکر کریں یا آہستہ آواز سے کریں۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے ان صاحب کو بلایا اور ان کو سمجھایا کہ آپ کی آواز سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو تکلیف ہوتی ہے، آپ اپنا وعظ اس جگہ پر بند کردیں، چنانچہ وہ صاحب رک گئے، مگر وہ صاحب وعظ کے شوقین تھے چند روز کے بعد دوبارہ وعظ کہنا شروع

کر دیا حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو اطلاع ملی کہ انہوں نے دوبارہ وعظ کہنا شروع کر دیا ہے۔ آپ نے دوبارہ ان کو بلایا اور فرمایا کہ اب میں تم کو آخری مرتبہ منع کر رہا ہوں اب اگر آئندہ مجھے اطلاع ملی کہ تم نے یہاں آکر وعظ کہا ہے تو یہ لکڑی کی چھڑی تمہارے اوپر توڑ دوں یعنی اتنا ماروں گا کہ تمہارے اوپر یہ لکڑی ٹوٹ جائے گی(۱)۔

آج ہماری حالت

آج ہم لوگ اس کا بالکل خیال نہیں کرتے، مسجد میں وعظ ہو رہا ہے اور سارے محلے والوں کو عذاب میں مبتلا کر رکھا ہے۔ لاؤڈ اسپیکر فل آواز میں کھلا ہوا ہے محلے میں کوئی شخص سو نہیں سکتا، اگر کوئی شخص جا کر منع کرے تو اس کے اوپر طعن و تشنیع شروع ہو جاتی ہے کہ یہ دین کے کام میں رکاوٹ ڈالنے والا ہے، حالانکہ اس وعظ کے ذریعے شریعت کے حکم کو پامال کیا جا رہا ہے دوسروں کو تکلیف پہنچائی جا رہی ہے، حتیٰ کہ عالم کے آداب میں یہ لکھا ہے کہ

"يَنْبَغِي لِلْعَالِمِ اَنْ لَا يَعْدُوَ صَوتُهُ مَجْلِسَهُ" (۲)

عالم کی آواز اس کی مجلس سے دور نہ جائے۔

یہ سب باتیں زبان سے تکلیف پہنچانے میں داخل ہیں، یہ زبان اللہ تعالی نے اس لیے دی ہے کہ یہ اللہ کا ذکر کرے یہ زبان سچائی کی باتیں کرے یہ

---

(۱) یہ قصہ مختلف الفاظ سے مروی ہے ملاحظہ ہو تاریخ المدینة لابن شبه ۱۵/۱ و قوت القلوب لأبی طالب المکی ۱۲۳/۱ (طبع دار الکتب العلمیة) و احیاء علوم الدین للغزالی ۱۸۵/۱۔ عنایت۔

(۲) حلیة الاولیاء لابی نعیم ۱۹۹/۵۔

زبان اس لیے دی گئی ہے کہ اس کے ذریعے تم لوگوں کے دلوں پر مرہم رکھو، یہ زبان اس لیے نہیں دی گئی ہے کہ اس کے ذریعے تم لوگوں کو تکلیف پہنچاؤ۔

وہ عورت دوزخی ہے

حدیث شریف میں ہے کہ ایک مرتبہ ایک خاتون کے بارے میں سوال کیا گیا کہ وہ خاتون سارے دن روزہ رکھتی ہیں اور ساری رات عبادت کرتی ہے، لیکن وہ خاتون اپنی پڑوسیوں کو تکلیف پہنچاتی ہے وہ خاتون کیسی ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا کہ یہ عورت دوزخی ہے جہنم میں جائے گی[1]، اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد اس کی تشریح میں حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

> ”اس حدیث میں اس کی شناعت ہے کہ لوگوں کو ناحق ایذا دی جاوے اور اس میں معاملات کا عبادت پر مقدم ہونا بھی مذکور ہے۔“

یعنی لوگوں کے ساتھ برتاؤ میں درستگی عبادات کے مقابلے میں زیادہ اہم ہے، پھر فرماتے ہیں کہ معاملات کا باب عملاً متروک ہوگیا ہے کہ آج کوئی شخص دوسرے کو یہ نہ سمجھاتا ہے اور نہ سکھاتا ہے کہ یہ بھی دین کا ایک حصہ ہے۔

ہاتھ سے تکلیف مت دیجیے

دوسری چیز جس کا ذکر اس حدیث میں فرمایا وہ ہے ہاتھ، یعنی تمہارے ہاتھ

(۱) مسند احمد ۴۲۱/۱۵ (۹۶۷۵) وقال الهيثمي في "مجمع الزوائد" ۳۰۸/۸ (۹۶۷۵) ورجاله ثقات۔ والادب المفرد للبخاری ص ۵۴ (۱۱۹)۔ ومسند البزار ۱۲۹/۱۷ (۹۷۱۳)۔ طبع مكتبة العلوم والحكم۔ المدينة المنورة۔

سے کسی کو تکلیف نہ پہنچے، اب ہاتھ سے تکلیف پہنچنے کی بعض صورتیں تو ظاہر ہیں مثلاً کسی کو مار دیا، ہر شخص دیکھ کر یہ کہے گا کہ اس نے ہاتھ کے ذریعے تکلیف پہنچائی، لیکن ہاتھ سے تکلیف پہنچانے کی بہت سی صورتیں ایسی ہیں کہ لوگ ان کو ایذا دینے میں شمار نہیں کرتے حالانکہ ہاتھ سے ایذا دینے کی بھی بے شمار صورتیں ہیں اور حدیث شریف میں ہاتھ کا ذکر کرکے ہاتھ سے صادر ہونے والے افعال کی طرف اشارہ کیا ہے، کیونکہ زیادہ تر افعال انسان اپنے ہاتھ سے انجام دیتا ہے، اسی وجہ سے علماء نے ہاتھ کے ذکر میں تمام افعال داخل کیے ہیں، چاہے اس فعل میں براہ راست ہاتھ ملوث نظر نہ آ رہا ہو۔

کسی چیز کو بے جگہ رکھنا

مثلاً ایک مشترک رہائش میں آپ دوسرے لوگوں کے ساتھ رہتے ہیں اس مکان میں کسی مشترکہ استعمال کی چیز کی ایک جگہ مقرر ہے، مثلاً تولیہ رکھنے کی ایک جگہ مقرر ہے آپ نے تولیہ استعمال کرنے کے بعد اس کو بے جگہ ڈال دیا اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جب دوسرا شخص وضو کرکے آیا اور تولیہ کو اس جگہ پر تلاش کیا اور اس کو نہ ملا۔ اب وہ تولیہ ڈھونڈ رہا ہے اس کو تکلیف ہو رہی ہے، یہ جو تکلیف اس کو پہنچی یہ آپ کے ہاتھ کی کرتوت کا نتیجہ ہے کہ آپ نے وہ تولیہ اس کی صحیح جگہ سے اٹھا کر بے جگہ ڈال دیا، یہ اذیت رسانی ہوئی جو کہ اس حدیث کے تحت حرام ہے۔ یہ تولیہ کی ایک مثال دی ورنہ چاہے مشترک لوٹا ہو یا صابن ہو یا گلاس ہو یا جھاڑو وغیرہ ہو، ان کو اپنی مقرر جگہ سے اٹھا کر بے جگہ رکھنا ایذا رسانی میں داخل ہے۔

ایذاءِ مسلم گناہِ کبیرہ ہے

میرے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ ہمیں یہ چھوٹی چھوٹی باتیں سکھا گئے جب ہم چھوٹے تھے تو ہم بھی یہ حرکت کرتے تھے کہ ایک چیز اس کی جگہ سے اٹھا کر استعمال کی اور دوسری جگہ لے جا کر ڈال دی، جب ان کو ضرورت ہوتی تو وہ گھر کے اندر تلاش کرتے رہتے، ایک دن ہم لوگوں سے فرمایا کہ تم لوگ جو حرکت کرتے ہو کہ ایک چیز اٹھا کر دوسری جگہ ڈال دی یہ بد اخلاقی تو ہے ہی اس کے ساتھ ساتھ یہ گناہِ کبیرہ بھی ہے، اس لیے کہ اس عمل کے ذریعے مسلمان کو تکلیف پہنچانا ہے اور ایذاءِ مسلم گناہِ کبیرہ ہے، اس دن ہمیں پتہ چلا کہ یہ بھی دین کا حکم ہے اور یہ بھی گناہ کبیرہ ہے ورنہ اس سے پہلے اس کا احساس بھی نہیں تھا، یہ سب باتیں ہاتھ سے تکلیف پہنچانے میں داخل ہیں۔

اپنے عزیز اور بیوی بچوں کو تکلیف دینا

ایک بات یہ بھی سمجھ لیں کہ مشترک رہائش میں یہ ضروری نہیں ہے کہ جن لوگوں کے ساتھ رہائش پزیر ہیں وہ اجنبی ہوں، بلکہ اپنے قریبی رشتہ دار، بیوی، بچے، بہن بھائی سب اس میں داخل ہیں، آج ہم لوگ اپنے ان قریبی رشتہ داروں کو تکلیف پہنچنے کا احساس نہیں کرتے بلکہ یہ سوچتے ہیں کہ اگر ہمارے عمل سے بیوی کو تکلیف پہنچ رہی ہے تو پہنچا کرے۔ یہ ہماری بیوی ہی تو ہے یا اولاد کو یا بہن بھائی کو تکلیف پہنچ رہی ہے تو پہنچا کرے۔ ہماری اولاد ہی تو ہیں، ہمارے بہن بھائی ہی تو ہیں۔ ارے اگر وہ تمہاری بہن یا تمہارا بھائی بن گیا ہے تو اس نے آخر کیا خطا کر لی ہے؟ یا کوئی خاتون تمہاری بیوی بن گئی ہے یا یہ بچے تمہاری

اولاد بن گئے ہیں تو انہوں نے کیا خطا کر لی ہے کہ اب ان کو تم تکلیف پہنچا رہے ہو؟ حالانکہ حضورِ اقدس ﷺ کا تو یہ حال تھا کہ تہجد کے وقت صرف اس خیال سے ہر کام آہستہ آہستہ کرتے کہ کہیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی آنکھ نہ کھل جائے۔[1] لہٰذا جس طرح غیروں کو تکلیف پہنچانا حرام ہے اسی طرح اپنے گھر والوں کو اپنے بہن بھائیوں کو اپنے بیوی بچوں کو بھی تکلیف پہنچانا حرام ہے۔

اطلاع کیے بغیر کھانے کے وقت غائب رہنا

مثلاً آپ گھر والوں کو بتا کر چلے گئے کہ فلاں وقت آ کر کھانا کھاؤں گا، لیکن اس کے بعد اطلاع کیے بغیر کہیں اور چلے گئے اور کھانا بھی وہیں کھالیا اور وہاں پر گھنٹوں گزار دیے اور وقت پر گھر واپس نہیں پہنچے اور گھر پر آپ کی بیوی کھانے پر آپ کا انتظار کر رہی ہے اور پریشان ہو رہی ہے کہ کیا وجہ پیش آ گئی کہ واپس نہیں آئے، کھانا لیے بیٹھی ہے۔ آپ کا یہ عمل گناہِ کبیرہ ہے۔ اس لیے کہ آپ نے اس عمل کے ذریعے ایک ایسی ذات کو تکلیف پہنچائی جس کو اللہ تعالیٰ نے آپ کی ذات سے وابستہ کر دیا تھا۔ آپ کو اگر کھانا کسی اور جگہ کھانا تھا تو آپ اس کو اطلاع کر کے اس کے ذہن کو فارغ کر دیتے۔ اس کو انتظار اور پریشانی کی تکلیف میں مبتلا نہ کرتے، لیکن آج ہم لوگ اس بات کا دھیان نہیں کرتے اور یہ سوچتے ہیں کہ وہ تو ہماری بیوی ہی ہے، ہماری ماتحت ہے۔ اگر انتظار کر رہی ہے تو کرے، حالانکہ یہ عمل ایذاءِ مسلم ہے جو گناہ کبیرہ اور حرام ہے۔

---

(۱) صحيح مسلم ۲/٦٦٩(٩٤٧).

راستے کو گندہ کرنا حرام ہے

یا مثلاً سڑک پر چلتے ہوئے آپ نے چھلکا یا گندگی سڑک پر پھینک دی، اب اس کی وجہ سے کسی کا پاؤں پھسل جائے یا کسی کو تکلیف پہنچ جائے تو قیامت کے روز آپ کی پکڑ ہو جائے گی اور اگر اس سے تکلیف نہ بھی پہنچی، لیکن آپ نے کم از کم گندگی تو پھیلا دی۔ اس گندگی پھیلانے کا گناہ آپ کو ملے گا۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ جب حضورِ اقدس ﷺ سفر پر ہوتے اور سفر کے دوران آپ کو راستہ میں کہیں پیشاب کرنے کی ضرورت پیش آتی تو آپ پیشاب کرنے کے لیے مناسب جگہ تلاش کرنے کے لیے آپ اتنی ہی جستجو فرماتے جتنا ایک آدمی مکان بنانے کے لیے مناسب جگہ تلاش کرتا ہے[1]۔ ایسا کیوں کرتے؟ اس لیے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ لوگوں کی گزرگاہ ہو اور وہاں گندگی کی وجہ سے لوگوں کو تکلیف پہنچے۔ ایک اور حدیث میں حضورِ اقدس ﷺ نے فرمایا کہ ایمان کے ستر سے زیادہ شعبے ہیں، جن میں سے ایمان کا اعلیٰ ترین شعبہ کلمہ ''لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ'' کہنا ہے اور ادنیٰ ترین شعبہ ایمان کا کہ راستے سے گندگی کو اور تکلیف دینے والی چیز کو دور کر دینا ہے[2] تاکہ گزرنے والے کو تکلیف نہ ہو، لہٰذا جب راستے سے تکلیف دینے والی چیز کو دور کرنا ایمان کا شعبہ ہو تو پھر راستے میں تکلیف دینے والی چیز ڈالنا کفر کا شعبہ ہوگا، ایمان کا شعبہ نہ ہوگا۔ یہ سب باتیں اس حدیث کے تحت داخل ہیں۔

---

(۱) المعجم الاوسط للطبرانی ۲۵۳/۳ (۳۰۶٤) ومسند الحارث ۲۰٤/۱ (٦٤) طبع مرکز خدمة السنة المدینة المنورة۔ وقال الهیثمی فی "مجمع الزوائد" ٤۸۲/۱ (۹۹٦) ہو من روایة یحیی بن عبید بن دجیٍ عن ابیه، ولم أر من ذکرهما، وبقیة رجاله موثقون.

(۲) صحیح مسلم ٦۳/۱ (۳۵)۔

ذہنی تکلیف میں مبتلا کرنا حرام ہے

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں زبان اور ہاتھ کے ذریعے ظاہری افعال کی طرف اشارہ فرمایا ہے، لیکن اگر آپ نے اپنی زبان یا ہاتھ سے کوئی ایسا کام کیا جس سے دوسرے کو ذہنی تکلیف ہوئی تو وہ اس حدیث میں داخل ہے۔ مثلاً آپ نے کسی سے قرض لیا اور اس سے یہ وعدہ کرلیا کہ اتنے دنوں کے اندر ادائیگی کردوں گا۔ اب اگر آپ وقت پر ادائیگی نہیں کرسکتے تو اس کو بتادیں کہ فی الحال ادائیگی نہیں کرسکتا۔ اتنے دن کے بعد ادا کروں گا۔ پھر بھی ادا نہ کرسکو تو پھر بتادو، لیکن یہ ٹھیک نہیں ہے کہ آپ اس کو لٹکا دیں اور اس کا ذہن الجھا دیں۔ وہ بیچارہ انتظار میں ہے کہ آپ آج قرض دیں گے یا کل دے دیں گے، لیکن آپ نہ تو اس کو اطلاع دیتے ہیں اور نہ قرض واپس کرتے ہیں، اس طرح آپ نے اس کو ذہنی اذیت اور تکلیف میں مبتلا کردیا۔ اب وہ نہ تو کوئی پلان بنا سکتا ہے، نہ وہ کوئی منصوبہ بندی کرسکتا ہے۔ اس لیے کہ اس کو پتہ ہی نہیں ہے کہ اس کو قرض واپس ملے گا یا نہیں؟ اگر ملے گا تو کب تک ملے گا؟ آپ کا یہ طرزِ عمل بھی ناجائز اور حرام ہے۔

ملازم پر ذہنی بوجھ ڈالنا

حتیٰ کہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے تو یہاں تک فرمایا کہ آپ کا ایک نوکر اور ملازم ہے۔ اب آپ نے چار کام ایک ساتھ بتادیے کہ پہلے یہ کام کرو، پھر یہ کام کرنا، پھر یہ کام کرنا، پھر یہ کام کرنا۔ اس طرح آپ نے چار کاموں کو یاد رکھنے کا بوجھ اس کے ذہن پر ڈال دیا، اگر ایسا کرنا زیادہ ضروری نہ ہو تو ایک

ساتھ چار کاموں کا بوجھ اس کے ذہن پر نہیں ڈالنا چاہیے، بلکہ اس کو پہلے ایک کام بتادو، جب وہ پہلا کام کر چکے تو پھر دوسرا کام بتایا جائے، وہ اس کو کر چکے تو پھر تیسرا کام بتایا جائے۔

چنانچہ خود اپنا طریقہ بتایا کہ میں اپنے نوکر کو ایک وقت میں ایک کام بتاتا ہوں اور دوسرے کام جو اس سے کرانے ہیں ان کو یاد رکھنے کا بوجھ اپنے سر پر رکھتا ہوں۔ نوکر کے سر پر نہیں رکھتا، تاکہ وہ ذہنی بوجھ میں مبتلا نہ ہو جائے، جب وہ ایک کام کر کے فارغ ہو جاتا ہے تو پھر دوسرا کام بتاتا ہوں۔ اس سے اندازہ لگائیے کہ حضرت والا کی نگاہ کتنی دور رس تھی۔

نماز پڑھنے والے کا انتظار کس جگہ کیا جائے؟

یا مثلاً ایک شخص نماز پڑھ رہا ہے آپ کو اس سے کچھ کام ہے۔ اب آپ اس کے بالکل قریب جا کر بیٹھ گئے اور اس کے ذہن پر یہ فکر سوار کر دی کہ میں تمہارا انتظار کر رہا ہوں۔ تم جلدی سے اپنی نماز پوری کرو تاکہ میں تم سے ملاقات کروں اور کام کراؤں، چنانچہ آپ کے قریب بیٹھنے کی وجہ سے اس کی نماز میں خلل واقع ہو گیا اور اس کے دماغ پر یہ بوجھ بیٹھ گیا کہ یہ شخص میرے انتظار میں ہے، اس کا انتظار ختم کرنا چاہیے اور جلدی سے نماز ختم کر کے اس سے ملاقات کرنی چاہئے۔ حالانکہ یہ بات آداب میں داخل ہے کہ اگر آپ کو کسی ایسے شخص سے ملاقات کرنی ہے جو اس وقت نماز میں مصروف ہے تو تم دور بیٹھ کر اس کے فارغ ہونے کا انتظار کرو، جب وہ خود سے فارغ ہو جائے تو پھر ملاقات کرو، لیکن اس کے بالکل قریب بیٹھ کر یہ تأثر دینا کہ میں تمہارا انتظار کر رہا ہوں۔ لہٰذا تم جلدی نماز پوری کرو، ایسا تأثر دینا ادب کے خلاف ہے۔ یہ سب باتیں

دوسرے کو ذہنی تکلیف میں مبتلا کرنے میں داخل ہیں۔

الحمد للہ! جن بزرگوں کو ہم نے دیکھا اور جن سے اللہ تعالیٰ نے ہمیں دین سیکھنے کی توفیق عطا فرمائی، اللہ تعالیٰ نے ان پر دین کے تمام شعبے برابر رکھے تھے۔ یہ نہیں تھا کہ دین کے ایک یا دو شعبوں پر تو عمل ہے اور باقی شعبے نظروں سے اوجھل ہیں اور ان کی طرف سے غفلت ہے۔ قرآنِ کریم میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا:

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوا فِي السِّلْمِ كَآفَّةً (۱)

اے ایمان والو! اسلام میں پورے کے پورے داخل ہو جاؤ۔

یہ نہ ہو کہ عبادت نماز روزہ وغیرہ تو کر لیے، لیکن معاشرت، معاملات اور اخلاق میں دین کے احکام کی پرواہ نہ کی حالانکہ یہ سب دین کا حصہ ہے۔

آداب المعاشرت پڑھیے

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی ایک مختصر سی کتاب ہے ''آداب المعاشرت'' اس میں معاشرت کے آداب تحریر فرمائے ہیں، یہ کتاب ہر مسلمان کو ضرور پڑھنی چاہیے، اس کتاب کے شروع میں حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ میں اس کتاب میں معاشرت کے تمام آداب تو نہیں لکھ سکا، بلکہ متفرق طور پر جو آداب ذہن میں آئے وہ اس میں جمع کر دیے ہیں تاکہ جب تم ان آداب کو پڑھو گے تو خود بخود تمہارا ذہن اس طرف منتقل ہوگا کہ جب یہ بات ادب میں داخل ہے تو

---

(۱) سورۃ البقرۃ آیت (۲۰۸)۔

فلاں جگہ پر بھی ہمیں اس طرح کرنا چاہیے، آہستہ آہستہ خود تمہارے ذہن میں وہ آداب آتے چلے جائیں گے اور اللہ تعالیٰ تمہارا ذہن کھول دیں گے۔ چنانچہ معاشرت ہی کا ایک ادب یہ ہے کہ گاڑی ایسی جگہ کھڑی کرو کہ اس کی وجہ سے دوسروں کا راستہ بند نہ ہو اور دوسرے کو تکلیف نہ ہو، یہ بھی دین کا ایک حصہ ہے آج ہم نے ان چیزوں کو بھلا دیا ہے۔ اس کی وجہ سے نہ صرف ہم گناہ گار ہو رہے ہیں، بلکہ دین کی غلط نمائندگی کر رہے ہیں۔ چنانچہ ہمیں دیکھ کر باہر سے آنے والا شخص یہ کہے گا کہ یہ لوگ نماز تو پڑھتے ہیں، لیکن گندگی بہت پھیلاتے ہیں اور دوسروں کو تکلیف پہنچاتے ہیں، اس سے اسلام کا کیا رخ سامنے آئے گا؟ اور وہ ان چیزوں سے اسلام کی طرف کشش محسوس کرے گا یا اسلام سے دور بھاگے گا؟ اللہ بچائے ہم لوگ دین کا ایک اچھا نمونہ پیش کرکے لوگوں کے لیے کشش کا باعث بننے کے بجائے ہم دین سے رکاوٹ کا باعث بن رہے ہیں۔ معاشرت کے اس باب کو ہم نے خاص طور پر چھوڑ دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ سب کو اس کوتاہی سے جلد از جلد نجات عطا فرمائے اور ہماری فہم کو درست فرمائے اور ہمیں دین کے تمام شعبوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

غریبوں کی تحقیر مت کیجیے

(اصلاحی خطبات ۲/ ۱۹۲)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

غریبوں کی تحقیر مت کیجیے

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَاهَادِيَ لَهٗ، وَأَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَهٗ وَأَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَنَبِيَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا كَثِيْرًا۔ أَمَّا بَعْدُ!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ وَلَا تَعْدُ عَيْنَاكَ عَنْهُمْ (۱)

(۱) سورۃ الکہف آیت (۲۸)۔

امنت باللہ صدق اللہ مولانا العظیم، وصدق رسوله النبی الکریم، ونحن علی ذالك من الشاهدین والشاکرین، والحمد للہ رب العالمین۔

یہ علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک دوسرا باب قائم فرمایا: "باب فضل ضعفة المسلمین و الفقراء و الخاملین" (۱) یعنی مسلمانوں کی فضیلت کے بیان میں یعنی ایسے مسلمان جو مالی اعتبار سے، منصب اور عہدہ کے اعتبار سے، جسمانی اعتبار سے کمزور ہیں، ان کے فضائل کے بیان میں یہ باب قائم فرمایا ہے۔

وہ لوگ کمزور نہیں

اس باب کے قائم کرنے کا مقصد درحقیقت اس بات کی طرف لوگوں کو متوجہ کرنا ہے کہ بعض لوگ جن کو اللہ تعالیٰ دنیاوی اعتبار سے کوئی مقام عطا فرمادیتے ہیں۔ مثلاً اللہ تعالیٰ نے پیسے زیادہ دے دیے یا بڑا منصب دے دیا۔ عہدہ دے دیا یا شہرت دے دی۔ یہ لوگ عام طور پر کمزور قسم کے لوگوں کو حقیر سمجھنے لگتے ہیں اور ان کے ساتھ تحقیر آمیز برتاؤ کرتے ہیں، ان کو متنبہ کرنے کے لیے یہ بتایا جارہا ہے کہ ایک آدمی جو بظاہر کمزور نظر آرہا ہے، چاہے وہ مالی اعتبار سے ہو یا جسمانی اعتبار سے ہو اس کے بارے میں یہ خیال مت کرو کہ وہ حقیر ہے، کیا پتہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے یہاں یہ شخص تم سے کہیں زیادہ آگے نکل جائے، چنانچہ علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے اس باب کے شروع میں پہلے قرآنِ کریم کی آیت نقل کی ہے باری تعالیٰ کا ارشاد ہے:

(۱) ریاض الصالحین ص ۱۱۲ طبع موسسة الرسالة۔

وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِينَ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ
يُرِيدُونَ وَجْهَهُ وَلَا تَعْدُ عَيْنَاكَ عَنْهُمْ (۱)

اس آیت میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کیا جا رہا ہے کہ اپنے آپ کو ان لوگوں کے ساتھ روکے رکھیں جو صبح و شام اپنے پروردگار کی عبادت محض اس کی رضا جوئی کے لیے کرتے ہیں اور کہیں ایسا نہ ہو کہ آپ کی آنکھیں ان سے تجاوز کر کے دنیاوی زندگی کی رونق کی طرف بڑھنے لگیں۔ یعنی آپ کہیں یہ نہ سوچیں کہ یہ تو غریب، فقیر اور معمولی قسم کے لوگ ہیں اور معمولی حیثیت کے آدمی ہیں، ان کی طرف دیکھنے کی کیا ضرورت ہے؟ اور آپ مال داروں کی طرف دیکھنا شروع کر دیں۔

اللہ کے محبوب کون؟

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا جو رابطہ اور تعلق ہے، کون مسلمان اس سے ناواقف ہوگا، اللہ تعالیٰ کو ساری کائنات میں سب سے زیادہ محبوب حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، آپ سے زیادہ محبوب اس کائنات میں کوئی ہو نہیں سکتا، ایسے محبوب ہیں کہ سارا قرآنِ کریم آپ کی وصف و ثنا میں، آپ کی تعریف میں، آپ کے اوصاف کے بیان میں بھرا ہوا ہے، فرمایا کہ

إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا، وَدَاعِيًا إِلَى اللَّهِ
بِإِذْنِهِ وَسِرَاجًا مُنِيرًا (۲)

---

(۱) سورۃ الکہف آیت (۲۸)۔
(۲) سورۃ الاحزاب آیت (۴۵-۴۶)۔

جب اللہ تعالیٰ اپنے محبوب ﷺ کی تعریف کرنے پر آتے ہیں تو الفاظ کے ڈھیر لگا دیتے ہیں۔

محبوبانہ عتاب

لیکن سارے قرآنِ کریم میں دو یا تین جگہیں ایسی ہیں جہاں اللہ تعالیٰ نے حضورِ اقدس ﷺ کو تھوڑا سا محبوبانہ عتاب کرتے ہوئے فرمایا کہ آپ کا یہ عمل ہمیں پسند نہیں آیا، ان میں سے ایک ''سورۂ عبس'' میں ہے، جس کا واقعہ یہ ہوا کہ آنحضرت ﷺ کے پاس مشرکین کے کچھ سردار آئے ہوئے تھے، آپ نے یہ محسوس کیا کہ چونکہ یہ با اثر اور سردار لوگ ہیں، اگر ان کی اصلاح ہو جائے تو ان کے ذریعے پوری قوم کی اصلاح کا راستہ کھل سکتا ہے، اس لیے آپ کے دل میں ان کو تبلیغ کرنے اور دعوت اسلام دینے کی زیادہ اہمیت پیدا ہو گئی، اس لیے آپ ان کی طرف زیادہ متوجہ ہو گئے، اسی دوران حضرت عبد اللہ ابن امِ مکتوم رضی اللہ عنہ جو نابینا صحابی تھے، جنہیں حضور ﷺ نے مسجد نبوی میں موذن بھی مقرر فرمایا تھا، وہ حضور ﷺ کی خدمت میں اس وقت آ گئے اور حضور ﷺ سے کوئی مسئلہ پوچھنے لگے، آنحضرت ﷺ نے محسوس کیا کہ یہ تو اپنے ہی آدمی ہیں، روزانہ ملاقات ہوتی ہے، اگر ان کو اس وقت مسئلہ نہ بتایا تو بعد میں بتا دیں گے۔ اس لیے آپ نے ان سے عرض کیا کہ تم ذرا سا ٹھہر جاؤ اور مشرکین کے جو سردار تھے، ان کے ساتھ گفتگو میں مشغول رہے، تاکہ ان کو اسلام کی توفیق ہو جائے، اس لیے کہ اگر یہ مسلمان ہو جائیں گے تو پوری قوم کے مسلمان ہونے کا راستہ کھل جائے گا۔ بس اتنا ہی واقعہ پیش آیا؟ لیکن اللہ جل جلالہ نے اس پر بھی تنبیہ فرمائی اور یہ آیات نازل ہوئی۔

عَبَسَ وَتَوَلّٰی، اَنْ جَاءَهُ الْاَعْمٰی

ان آیات میں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو غائب کے صیغے سے خطاب فرمایا کہ انہوں نے تیوری چڑھائی اور منہ موڑا، اس لیے کہ ان کے پاس ایک نابینا شخص آگیا گویا کہ یہ عمل اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں آیا۔

وَمَا يُدْرِيكَ لَعَلَّهُ يَزَّكّٰى ○ اَوْ يَذَّكَّرُ فَتَنْفَعَهُ الذِّكْرٰى

تمہیں کیا پتہ شاید وہ نابینا شخص سنور جاتا اور نصیحت حاصل کر لیتا تو آپ کی نصیحت اس کو فائدہ پہنچا دیتی۔

اَمَّا مَنِ اسْتَغْنٰى ○ فَاَنْتَ لَهُ تَصَدّٰى

جو شخص بے پروائی کرتا ہے (اور طلب لے کر آپ کے پاس نہیں آئے، بلکہ دینِ حق کی طرف سے استغناء کا اظہار کرتے ہیں) آپ ان کی فکر میں پڑتے ہیں۔

وَمَا عَلَيْكَ اَلَّا يَزَّكّٰى

حالانکہ (یاد رکھو) اگر وہ ٹھیک نہ ہوں تو آپ پر کوئی وبال نہیں (جب ان کے اندر خود طلب نہیں، بلکہ ان کے اندر استغناء ہے تو پھر آپ پر کوئی گرفت نہیں اور آپ سے کوئی مواخذہ نہیں ہوگا)

وَاَمَّا مَنْ جَاءَكَ يَسْعٰى ○ وَهُوَ يَخْشٰى ○ فَاَنْتَ عَنْهُ تَلَهّٰى

اور جو شخص دوڑ کر آپ کے پاس آیا ہے اور دل میں اللہ کا

خوف لیے ہوئے ہے، تو آپ اس سے اعراض کرتے ہیں۔(۱)

ظاہراً معمولی حیثیت کے آدمی کو معمولی مت سمجھیں

یہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک محبوبانہ عتاب فرمایا گیا، ظاہر ہے کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ہرگز یہ منشا نہیں تھا یہ کمزور آدمی ہے اور وہ طاقتور ہیں، لہٰذا ان سے اعراض کریں اور طاقتور کی طرف متوجہ ہوجائیں، بلکہ آپ کے ذہن میں یہ مصلحت تھی کہ یہ تو اپنا آدمی ہے، ان سے تو بعد میں بھی بات ہوسکتی ہے اور یہ لوگ پتہ نہیں پھر دوبارہ آئیں یا نہ آئیں۔ لہٰذا ان کو حق کا کلمہ پہنچادیا جائے، لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کو بھی گوارہ نہیں فرمایا اور فرمایا کہ یہ شخص جو طلب لے کر آیا ہے وہ اس شخص پر مقدم ہے جو طلب کے بغیر بیٹھا ہے اور استغناء کا اظہار کرتا ہے، اس کی طرف زیادہ متوجہ ہونے کی ضرورت نہیں، جو طلب لے کر آیا ہے اس کی طرف توجہ کریں۔

ان آیات میں اگر چہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب ہے، لیکن آپ کے واسطے سے پوری امت کو یہ تاکید فرمائی گئی ہے کہ بظاہر معمولی حیثیت کے آدمی کو حقیقت میں معمولی مت سمجھو، کیا پتہ کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے یہاں اس کا کیا درجہ ہے؟ لہٰذا اس کے ساتھ عزت واکرام سے پیش آؤ۔

---

(۱) سورۃ عبس، آیات (۱ تا ۱۰)۔

جہنمی کون لوگ ہیں؟

علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے اس باب میں پہلی حدیث یہ نقل کی ہے کہ

عَنْ مَعْبَدِ بْنِ خَالِدٍ، قَالَ: سَمِعْتُ حَارِثَةَ بْنَ وَهْبٍ الْخُزَاعِيَ، قَالَ: سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ: «أَلاَ أُخْبِرُكُمْ بِأَهْلِ الْجَنَّةِ؟ كُلُّ ضَعِيفٍ مُتَضَعِّفٍ، لَوْ أَقْسَمَ عَلَى اللّٰهِ لَأَبَرَّهُ، أَلاَ أُخْبِرُكُمْ بِأَهْلِ النَّارِ: كُلُّ عُتُلٍّ، جَوَّاظٍ مُسْتَكْبِرٍ»(۱)

حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

کیا میں تمہیں نہ بتاؤں کہ جنتی کون ہے؟ پھر فرمایا کہ ہر وہ شخص جو کمزور ہے اور لوگ بھی اس کو کمزور سمجھتے ہیں یا تو جسمانی اعتبار سے کمزور ہو یا مالی اعتبار سے کمزور ہو یا حیثیت اور رتبے کے اعتبار سے کمزور ہو یعنی دنیا والے اس کو کم حیثیت اور کم رتبہ والا سمجھتے ہیں، لیکن وہ کمزور شخص اللہ کے یہاں اتنا محبوب ہوتا ہے کہ اگر وہ اللہ کے اوپر کوئی قسم کھالے تو اللہ تعالیٰ اس کی قسم کو پورا کردیتے ہیں، یعنی اگر وہ شخص یہ قسم کھالے کہ فلاں کام اس طرح ہوگا تو اللہ تعالیٰ وہ کام اُسی طرح فرمادیتے ہیں۔ اس لیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا

(۱) صحیح البخاری ۱۵۹/۶ (۴۹۱۸) وصحیح مسلم ۲۱۹۰/۴ (۲۸۵۳) ورياض الصالحين ص۱۱۳ (۲۵۲)۔

محبوب ہے اور اللہ تعالیٰ اس کی محبت اور قدر کی بنا پر ایسا ہی کر دیتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ان کی قسم پوری کر دیتے ہیں

حدیثِ شریف میں ہے کہ ایک مرتبہ دو عورتوں میں جھگڑا ہو گیا اور جھگڑے میں ایک عورت نے دوسری عورت کا دانت توڑ دیا اور اسلامی قانون یہ ہے کہ دانت کے بدلے دانت، جب یہ سزا سنائی گئی تو وہ عورت جس کے قصاص میں دانت توڑنے کا فیصلہ ہوا تھا۔ اس کے سرپرست نے کھڑے ہو کر حضورِ اقدس سرورِ دو عالم ﷺ کے سامنے یہ کہہ دیا والذی بعثك بالحق لا تکسر ثنیھا یا رسول اللہ! میں قسم کھاتا ہوں کہ اس کا دانت نہیں ٹوٹے گا، اس کا مقصد ۔ معاذ اللہ۔ حضور ﷺ کے فیصلے پر اعتراض کرنا نہیں تھا اور نہ عناد تھا، بلکہ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کر کے اس نے کہا کہ حالات ایسے پیدا ہو جائیں گے کہ ان شاء اللہ اس کا دانت نہیں ٹوٹے گا، چونکہ اس کا جذبہ معاندانہ نہیں تھا اور نہ آپ کے فیصلے پر اعتراض مقصود تھا۔ اس لیے کہ آپ نے اس کی بات کا برا نہیں مانا۔

جہاں اسلام میں یہ قاعدہ ہے کہ دانت کے بدلے دانت، آنکھ کے بدلے آنکھ، وہاں اسلام نے یہ بھی رکھا ہے کہ اگر ورثاء معاف کر دیں یا صاحبِ حق معاف کر دے تو پھر قصاص ساقط ہو جاتا ہے اور پھر بدلہ لینے کی ضرورت نہیں رہتی۔ اللہ کا کرنا یہ ہوا کہ جس عورت کا دانت ٹوٹا تھا اس کے دل میں بات آ گئی اور اس نے کہا کہ میں معاف کرتی ہوں اور اس کا دانت نہیں تڑوانا چاہتی۔ چنانچہ اس کے معاف کرنے سے قصاص ختم ہو گیا۔ اس وقت حضور ﷺ نے

ارشاد فرمایا کہ بعض لوگ اللہ تعالیٰ کے یہاں بڑے محبوب ہوتے ہیں اور ظاہری حالت ان کی یہ ہوتی ہے کہ ان کے بال پراگندہ، دیکھنے میں کمزور اور اگر لوگوں کے دروازے پر جائیں تو لوگ دھکا دے کر نکال دیں، لیکن اللہ تعالیٰ کے یہاں ان کی ایسی عزت ہوتی ہے کہ اگر اللہ پر کوئی قسم کھالیں تو اللہ تعالیٰ ان کی قسم کو پورا کردیں اور یہ بھی ایسا شخص ہے کہ اس نے قسم کھائی تھی کہ اس کا دانت نہیں توڑا جائے گا تو اللہ تعالیٰ نے اس کی قسم پوری کر دی اور وارثوں نے خود ہی معاف کردیا ہے(۱)۔

اس حدیث شریف میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اسی طرف اشارہ فرمارہے ہیں کہ ایسا شخص جو دیکھنے میں کمزور ہے اور لوگ اسے کمزور سمجھتے ہیں، لیکن اپنے تقویٰ کے لحاظ سے، اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق کے لحاظ سے، اللہ تعالیٰ کی بندگی کے لحاظ سے وہ اللہ تعالیٰ کو ایسا محبوب ہے کہ اگر وہ اللہ تعالیٰ پر قسم کھالے تو اللہ تعالیٰ اس کی قسم پورا کر دیتے ہیں، ایسے لوگ جنت والے ہیں۔

جہنمی کون لوگ ہیں؟

اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا میں تم کو اہلِ جہنم کے بارے میں نہ بتلاؤں کہ اہلِ جہنم کون لوگ ہیں؟ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"کل عتل جواظ مستکبر"

ہر وہ شخص جو سخت مزاج ہو۔

لفظ "عتل" کے معنیٰ ہیں، درشت مزاج اور کھردرا آدمی جو بات کرے تو

(۱) صحیح البخاری ۱۸۶/۳(۲۷۰۳) و صحیح مسلم ۱۳۰۲/۳(۱۶۷۵)۔

لٹھ مارے اور بات کرتے وقت نرمی سے بات نہ کرے، سختی سے بات کرے، غصہ سے بات کرے اور دوسروں کو حقیر سمجھے، ایسے شخص کو "عتل" کہا جاتا ہے، دوسرا لفظ فرمایا "جواظ" اس کے معنی ہیں "نک چڑھا" جس کی پیشانی پر ہر وقت بل پڑے رہتے ہوں اور معمولی قسم کے آدمی سے بات کرنے کو تیار نہیں اور کمزور، کم حیثیت اور کم رتبہ آدمی سے بات کرنے میں اپنی توہین سمجھتا ہو اور ہر وقت اکڑتا ہو، شیخی باز ہو۔ تیسرا لفظ فرمایا: "مستکبر" جو تکبر کرنے والا ہو اور اپنے کو بڑا سمجھنے والا ہو اور دوسروں کو چھوٹا سمجھنے والا ہو۔ ان صفات والوں کے بارے میں فرمایا کہ جہنم والے ہیں۔ اس لیے کہ یہ لوگ عتل، جواظ اور مستکبر ہیں اور اپنے کو بڑا سمجھنے والے ہیں۔

یہ بڑی فضیلت والے ہیں

اس حدیث سے اس طرف اشارہ فرمادیا کہ غریب اور مسکین لوگوں کو کم حیثیت اور کم رتبہ سمجھ کر ان کی حقارت دل میں مت ڈالو اس لیے کہ اللہ تبارک کے یہاں ان کی بڑی فضیلت ہے۔ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایمان لانے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں ہر طرح کے لوگ تھے، بلکہ زیادہ تعداد ایسے حضرات کی تھی جو مالی اعتبار سے بڑی حیثیت نہیں رکھتے تھے اور حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں سب مل کر بیٹھا کرتے تھے۔ ایک طرف حضرت عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ اور عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ بیٹھے ہیں جو بڑے صاحب ثروت اور دولت مند تھے اور دوسری طرف حضرت بلال حبشی، سلمان فارسی اور صہیب رومی رضی اللہ عنہم بھی بیٹھے ہیں جو کبھی دو دو تین تین وقت کے فاقے سے ہوتے تھے۔

یہ فاقہ مست لوگ

چنانچہ ایک دن کفارِ مکہ نے حضورِ اقدس ﷺ سے کہا کہ ہم آپ کے پاس آنے کو تیار ہیں اور آپ کی بات سننے کو تیار ہیں، لیکن مشکل یہ ہے کہ آپ کے پاس ہر وقت معمولی قسم کے فاقہ مست لوگ بیٹھے رہتے ہیں اور ان کے ساتھ بیٹھنا ہماری شان کے خلاف ہے اس سے ہماری شان میں فرق آتا ہے، اس لیے اگر آپ ان کی مجلس الگ کردیں اور ہمارے لیے علیحدہ مجلس منعقد کریں، تو ہم آپ کے پاس آکر آپ کی باتیں سننے کے لیے تیار ہیں، بظاہر اس میں کوئی خرابی نہیں تھی کہ ان کے لیے علیحدہ وقت مقرر کردیا جاتا تاکہ اس وقت میں آکر آپ کی باتیں سن لیتے اور ہوسکتا ہے دین کی باتیں سن کر ان کی اصلاح ہوجائے، ہم جیسا کوئی ہوتا تو ان کی بات مان بھی لیتا، لیکن بات اصول کی تھی اس لیے فوراً قرآنِ کریم کی یہ آیت نازل ہوئی:

وَلَا تَطْرُدِ الَّذِينَ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيدُونَ وَجْهَهُ (۱)

اور ان لوگوں کو مت دور کیجیے جو اپنے پروردگار کو صبح وشام اس کی رضا کا قصد کرتے ہوئے پکارتے ہیں۔

چنانچہ آپ نے اعلان فرمایا کہ حق کی طلب لے کر آنا چاہتے ہو تو ان لوگوں کے ساتھ بیٹھنا ہوگا اور اگر نہیں بیٹھنا چاہتے تو اللہ تعالیٰ تم سے بے نیاز

(۱) سورۃ الانعام آیت (۵۲)۔

ہے اور اللہ کا رسول تم سے بے نیاز ہے، لیکن تمہارے لیے الگ مجلس منعقد نہیں کی جائے گی(۱)۔

انبیاء کے متبعین

دوسرے انبیاء کرام علیہم السلام کے ساتھ یہی معاملہ پیش آیا کہ اس وقت کے کفار نے بھی ان سے یہی کہا کہ

مَا نَرٰىكَ اِلَّا بَشَرًا مِّثْلَنَا وَمَا نَرٰىكَ اتَّبَعَكَ اِلَّا الَّذِيْنَ هُمْ اَرَاذِلُنَا بَادِيَ الرَّأْيِ (۲)

ہم دیکھتے ہیں کہ آپ کی اتباع انہی لوگوں نے کی ہے جو ہم میں بالکل رذیل قسم کے لوگ ہیں، وہ بھی محض سرسری رائے سے۔

مطلب یہ ہے کہ ہم آپ کے پیچھے کس طرح آسکتے ہیں؟ اس لیے کہ ہم تو بڑے عقل مند اور بڑی شان والے لوگ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ لوگ جن کو تم رذیل کہہ رہے ہو، کمزور، غریب اور فقیر سمجھ رہے ہو اللہ تبارک وتعالیٰ کے یہاں یہ لوگ بڑے رتبے والے ہیں، لہٰذا ان کو حقارت کی نگاہ سے مت دیکھو یہاں اصول کا معاملہ ہے یہ نہیں ہوسکتا کہ تمہاری امارت اور تمہاری سرداری اور دولت مندی کے بل بوتے پر تمہیں فوقیت دے دی جائے اور یہ وہ اصول ہے جس پر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے کبھی مصالحت نہیں کی، وہ ہمارے بندے

(۱) صحیح مسلم ۱۸۷۸/٤ (۲٤۱۳)۔
(۲) سورۃ ھود آیت (۲۷)۔

دیکھنے میں چاہے کتنے کمزور ہوں اور کتنے برے لگتے ہوں، لیکن اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان کا بہت اونچا مقام ہے۔

حضرت زاہر رضی اللہ عنہ

حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس کبھی کبھی گاؤں سے ایک صاحب آیا کرتے تھے اور ان کا نام زاہر تھا اور بالکل سیاہ فام اور دیہاتی آدمی تھے اور روپے پیسے کے اعتبار سے کم حیثیت تھے اور لوگوں کے دلوں میں ان کی کوئی حیثیت اور وقعت نہیں تھی، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے ساتھ بڑی محبت فرماتے تھے۔ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بازار سے گزر رہے تھے تو دیکھا کہ زاہر بازار میں کھڑے ہیں، اب ظاہر ہے کہ بازار میں ایک دیہاتی، سیاہ فام، کم حیثیت، کم رتبہ والا شخص کھڑا ہو تو اس کی طرف کون دھیان کرے گا اور لباس بھی پھٹا پرانا اس کی طرف کوئی التفات بھی نہ کرے، لیکن حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب اس بازار سے گزرے تو سارے بازار والوں کو چھوڑ کر حضرت زاہر رضی اللہ عنہ کے پاس پیچھے سے تشریف لے گئے اور پیچھے سے کولی بھر کر اس کی آنکھیں بند کرلیں، جیسے ایک دوست دوسرے دوست کی مذاق میں پیچھے سے آنکھیں بند کرلیتا ہے، جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آنکھیں بند کرلیں تو حضرت زاہر رضی اللہ عنہ اپنے آپ کو چھڑانے لگے کہ معلوم نہیں کس نے آکر پکڑ لیا اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس طرح آواز لگائی جس طرح سامان بیچنے والا آواز لگاتا ہے:

"مَنْ یَشْتَرِی الْعَبْدَ؟"

غلام کون خریدے گا؟

اب تک تو حضرت زاہر رضی اللہ عنہ کو معلوم نہیں تھا کہ مجھے کس نے پکڑلیا ہے اس لیے چھڑانے کی کوشش کررہے تھے، لیکن جب یہ الفاظ سنے تو فورا پہچان گئے کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور اب اپنے آپ کو چھڑانے کے بجائے اپنی کمر کو زیادہ سے زیادہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم مبارک سے متصل کرنے لگے اور بیساختہ ان کی زبان پر یہ جملہ آیا کہ یا رسول اللہ! اگر آپ مجھے غلام بنا کر بیچیں گے تو میری قیمت بہت کم لگے گی اس لیے کہ میری قیمت لگانے والا کوئی بڑی قیمت نہیں لگائے گا اس لیے کہ میری حیثیت تو معمولی ہے۔ سبحان اللہ! نبی کریم سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں کیا عجیب ارشاد فرمایا:

"لٰكِنَّكَ عِنْدَ اللهِ لَسْتَ بِكَاسِدٍ"

اے زاہر، لوگ تمہاری قیمت کچھ لگائیں یا نہ لگائیں، لیکن اللہ تعالیٰ کے نزدیک تمہاری قیمت کم نہیں بلکہ بہت زیادہ ہے۔ اب دیکھیے کہ سارے بازار میں بڑے بڑے تاجر بیٹھے تجارت کررہے ہوں گے اور روپے پیسے والے ہوں گے، لیکن حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سارے بازار والوں کو چھوڑ کر ان کا دل رکھنے اور بشارت سنانے کے لیے ان کے پاس تشریف لے گئے اور ان کے ساتھ اس طرح پیش آئے جس طرح بے تکلف دوست کے ساتھ انسان پیش آتا ہے۔ (۱)

اور ساری عمر حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا فرماتے رہے:

اَللّٰهُمَّ اَحْيِنِيْ مِسْكِيْنًا وَاَمِتْنِيْ مِسْكِيْنًا وَاحْشُرْنِيْ فِيْ

---

(۱) مصنف عبد الرزاق ٤٥٤/١ (١٩٦٨٨) ومسند احمد ٩٠/٢٠ (١٢٦٤٨) وقال الهيثمي في "مجمع الزوائد" ٦١٥/٩ (١٥٩٧٩): رجال احمد رجال الصحيح۔

زُمْرَةِ الْمَسَاكِيْنِ (۱)

اے اللہ! مجھے مسکین بنا کر زندہ رکھیے مسکینی کی حالت میں مجھے موت دیجیے اور مسکینوں کے ساتھ میرا حشر فرمایئے۔

نوکر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی نظر میں

آج قدریں بدل گئیں، تصورات بدل گئے۔ اب دنیا کے اندر جو باوقعت ہے، جو اونچے مقام اور منصب والا ہے، جو روپے پیسے والا ہے۔ اس کی عزت بھی ہے، اس کا اکرام بھی ہے، اس کی طرف توجہ بھی ہے اور جو شخص دنیاوی اعتبار سے کمزور ہے، اس کی عزت دل میں نہیں۔ اس کی طرف توجہ نہیں۔ اس کے ساتھ حقارت کا معاملہ کیا جاتا ہے۔ یاد رکھیے اس کا دین سے کوئی تعلق نہیں۔ بعض اوقات ہم زبان سے تو کہہ دیتے ہیں کہ

اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ (۲)

جو شخص جتنا زیادہ متقی ہے، اتنا ہی وہ اللہ کے نزدیک مکرم اور معزز ہے۔

لیکن عملاً ہمارا ان کے ساتھ برتاؤ کیسا ہے۔ تمہارے گھر میں جو نوکر کام کر رہے ہیں یا تمہارے پاس جو فقیر لوگ آتے ہیں ان کے ساتھ کس طرح بات کرتے ہو؟ ان کا دل ٹھنڈا کرتے ہو یا ان کی تحقیر کرتے ہو؟ کیا ان احادیث پر عمل کرتے ہو؟ (اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے) ان کے ساتھ حقارت آمیز

---

(۱) سنن الترمذی ۱۷۳/۴ (۲۳۵۲) وقال ھذا حدیث غریب۔

(۲) سورۃ الحجرات آیت (۱۳)۔

معاملہ کرنا بڑی خطرناک بات ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس سے محفوظ رکھے۔ آمین

جنت اور دوزخ کے درمیان مناظرہ

عَن أَبِی سعید الخدری رضی اللہ عنہ عن النَّبِیِّ ﷺ قَالَ: احْتَجَّتِ الْجَنَّةُ وَالنَّارُ، فَقَالَتِ النَّارُ: فِيَّ الْجَبَّارُوْنَ وَالْمُتَكَبِّرُوْنَ، وَقَالَتِ الْجَنَّةُ: فِيَّ ضُعَفَاءُ النَّاسِ وَمَسَاكِيْنُهُمْ، فَقَضَى اللّٰهُ بَيْنَهُمَا إِنَّكِ الْجَنَّةُ رَحْمَتِيْ أَرْحَمُ بِكِ مَنْ أَشَاءُ، وَإِنَّكِ النَّارُ عَذَابِيْ أُعَذِّبُ بِكِ مَنْ أَشَاءُ، وَلِكِلَيْكُمَا عَلَيَّ مِلْؤُهَا.(۱)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جنت اور دوزخ کے درمیان آپس میں مناظرہ اور مباحثہ ہوگیا کہ دونوں میں سے کون بہتر ہے۔ دوزخ نے کہا میری شان اونچی ہے اس لیے کہ میرے اندر بڑے بڑے جبار اور متکبر لوگ آکر آباد ہوں گے۔ یعنی جتنے جابر اور متکبر لوگ ہیں، بڑے منصب والے، بہت زیادہ مال و دولت والے، اپنے آپ کو بڑا سمجھنے والے، بڑا کہنے والے وہ سب میرے اندر آباد ہوں گے۔ اور اس بات پر اس نے فخر کیا، اس کے مقابلہ میں جنت نے کہا کہ میرے اندر کمزور اور مسکین قسم کے لوگ آباد ہوں گے۔ اور جنت نے اس بات پر فخر کیا۔ پھر ان دونوں

(۱) صحیح مسلم ۲۱۸۷/٤ (۲۸٤٦) و ریاض الصالحین ۱۱۳ (۲۵۳).

کے درمیان اللہ تعالیٰ نے فیصلہ فرمایا اور جنت سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ تو جنت ہے اور میری رحمت کا نشان اور علامت اور اس کا مورد ہے۔ تیرے ذریعہ سے میں جس پر چاہوں گا، اپنی رحمت نازل فرمادوں گا۔ اور دوزخ سے خطاب کر کے فرمایا کہ تو دوزخ ہے جو میرے عذاب کا نشان اور علامت اور اس کا مورد ہے اور تیرے ذریعہ سے میں جس کو چاہوں گا عذاب دوں گا۔ اور دونوں سے میں یہ وعدہ کرتا ہوں کہ میں تم دونوں کو بھروں گا جنت کو ایسے لوگوں سے بھروں گا جن کے اوپر میری رحمت نازل ہوئی، اور دوزخ کو ایسے لوگوں سے بھروں گا جن کے اوپر میرا عذاب نازل ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ہماری حفاظت فرمائے۔ آمین

جنت اور دوزخ کیسے کلام کریں گی؟

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت اور دوزخ کے درمیان یہ ایک مباحثہ اور مناظرہ بیان فرمایا، یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس کے حقیقی معنیٰ مراد ہوں کہ جنت اور دوزخ کے درمیان واقعی یہ مکالمہ ہوا ہو۔ کیونکہ جنت اور دوزخ اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہے، اور اللہ تعالیٰ کی قدرت میں ہے کہ ان دونوں کو زبان عطا فرمادیں، ان کو بولنے کی صلاحیت دے دیں ان کے درمیان آپس میں بات چیت ہو۔ یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے کچھ بعید نہیں ہے۔ لوگ حیران ہوتے ہیں کہ ایسی چیز کیسے بول دے گی جس کے پاس زبان نہیں ہے، جنت تو ایک علاقے، زمین اور باغات کا نام ہے۔ اور دوزخ آگ کا نام ہے وہ کیسے بولیں گی؟ تو یہ دیکھیے کہ انسان کیسے بولتا ہے؟ انسان کے پاس بولنے کی قدرت کہاں سے آگئی ہے؟ جب اللہ تعالیٰ نے یہ طاقت عطا فرمائی تب انسان بولنے لگا۔ اگر اللہ تعالیٰ زبان نہ دیتے تو انسان

کے پاس بولنے کی طاقت کہاں سے آتی؟ اگر یہ طاقت اللہ تعالیٰ کسی پتھر کو دے دے تو وہ بول پڑے گا۔ اگر کسی درخت کو دے دے تو وہ بول پڑے گا کسی زمین کو دے دی تو وہ بول پڑے گی۔

قیامت کے روز اعضاء کس طرح بولیں گے؟

حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس اللہ سرہٗ کہیں سفر پر تشریف لے جا رہے تھے، راستہ میں نئی تعلیم کے دلدادہ ایک صاحب سے ملاقات ہوئی۔ انہوں نے کسی حدیث یا آیت پر یہ شبہ پیش کیا کہ حضرت! قرآن شریف میں آتا ہے کہ قیامت میں انسان کے اعضاء بولیں گے، قرآنِ کریم میں ہے کہ یہ اعضاء گواہی دیں گے، ہاتھ گواہی دے گا کہ مجھ سے یہ گناہ کیا گیا تھا۔ ٹانگ بول پڑے گی کہ میرے ذریعہ سے یہ گناہ کیا گیا تھا۔ ان صاحب نے کہا کہ حضرت! یہ عجیب بات ہے کہ ہاتھ بول پڑے گا، ٹانگ بول پڑے گی، یہ کیسے بول پڑے گی؟ حضرت نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت ہے، اللہ تعالیٰ جس کو چاہے، گویائی دے دیں، بولنے کی طاقت دے دیں، ان صاحب نے کہا کہ ایسا کبھی ہوا بھی ہے؟ حضرت نے فرمایا کہ تم دلیل پوچھ رہے تھے یا نظیر پوچھ رہے تھے؟ یہ ایک منطق کی اصطلاح ہے، دلیل تو اتنی بھی کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ قادرِ مطلق ہے، جس کو چاہے گویائی عطا فرما دیں، اور ہر چیز کی نظیر ہونا ضروری نہیں ہے کہ اس کی کوئی نہ کوئی مثال بھی ہو، وہ صاحب کہنے لگے کہ ویسے اطمینان کے لیے کوئی نظیر بتا دیں، حضرت نے فرمایا کہ اچھا یہ بتاؤ یہ زبان کیسے بولتی ہے؟ چونکہ اس نے پوچھا کہ ہاتھ بغیر زبان کے کیسے بولے گا، حضرت نے فرمایا کہ زبان بغیر زبان کے کیسے بولتی ہے؟ یہ بھی تو ایک گوشت کا لوتھڑا ہی

ہے۔ اس کے اندر گویائی کی قوت کہاں سے آ گئی؟ بس اللہ تبارک وتعالیٰ نے عطا فرمادی تو جو اللہ تعالیٰ اس گوشت کے لوتھڑے کو زبان عطا فرما سکتا ہے، وہ ہاتھ کو بھی عطا فرما سکتا ہے اس لیے اس میں تعجب کی کیا بات ہے؟

بہر حال! نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت اور دوزخ کے درمیان جو یہ مکالمہ بیان فرمایا اس کے بالکل ٹھیک حقیقی معنی بھی مراد ہو سکتے ہیں کہ جنت اور دوزخ کو اللہ تعالیٰ بولنے کی طاقت دے دیں، اور ان کے درمیان مکالمہ ہو تو یہ کوئی بعید بات نہیں۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ ایک تمثیل ہو۔

جہنم متکبرین سے بھر جائے گی

بہر حال! جہنم جبار اور متکبر لوگوں سے بھری ہوگی، جو لوگوں پر اپنی بڑائی جتاتے ہیں، اور تکبر کا معاملہ کرتے ہیں اور لوگوں کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں، لوگوں کے ساتھ بڑائی جتاتے اور شیخیاں بگھارتے ہیں ایسے لوگوں سے جہنم بھری ہوگی۔

جنت ضعفاء اور مساکین سے بھری ہوگی

اور جنت ضعفاء اور مساکین سے بھری ہوگی، جو بظاہر دیکھنے میں کمزور معلوم ہوں، جو متواضع اور مسکین طبع ہوں۔ جو دوسروں کے ساتھ نرمی کے ساتھ پیش آئیں، تواضع کے ساتھ پیش آئیں۔ اپنے آپ کو کمتر سمجھیں، ایسے لوگوں سے جنت بھری ہوگی۔ تکبر اللہ کو ناپسند ہے، جہنم اللہ تعالیٰ نے متکبرین سے بھر دی ہے، اس واسطے کہ متکبر وہ شخص ہے جو دوسروں پر اپنی بڑائی جتائے، اپنے آپ کو بڑا سمجھے اور دوسروں کو چھوٹا سمجھے۔ اپنے آپ کو عظیم سمجھے، دوسروں کو حقیر

سمجھے، اور اللہ تعالیٰ کو یہ تکبر اور بڑائی ایک لمحے کے لیے بھی پسند نہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ

”اَلْكِبْرِيَاءُ رِدَائِيْ فَمَنْ نَازَعَنِيْ فِيْهِ قَذَفْتُهُ فِي النَّارِ“(۱)

بڑائی تو درحقیقت میری چادر ہے، میری صفت ہے، اللہ اکبر، اللہ بڑا ہے۔ جو شخص مجھ سے اس چادر میں جھگڑا کرے گا، میں اس کو آگ میں ڈال دوں گا، حقیقت میں یہ تکبر جہنم کی طرف لے جانے والا عمل ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے اس گناہ سے بچائے۔ آمین۔ اور یہ اتنا شدید گناہ ہے کہ یہ ام الامراض ہے، گناہوں کی جڑ ہے۔ اس ایک تکبر سے نہ جانے کتنے گناہ نکلتے ہیں، ایک مرتبہ جب انسان کے دل میں تکبر آگیا، اور اپنی بڑائی کا خیال آگیا تو اس کے بعد وہ انسان کو طرح طرح کے گناہوں میں مبتلا کر دیتا ہے۔

متکبر کی مثال

عربی زبان کی ایک بڑی عجیب اور حکیمانہ مثل ہے، جس کا ترجمہ یہ ہے کہ متکبر کی مثال اس شخص کی سی ہے جو پہاڑ کی چوٹی پر کھڑا ہو، اور وہ بلند ہونے کی وجہ سے دوسروں کو چھوٹا سمجھتا ہے، اور دوسرے اس کو چھوٹا سمجھتے ہیں، تو متکبر جب کبھی دوسرے پر نگاہ ڈالے گا تو اس کے دل میں دوسروں کی حقارت آئے گی، اور کسی بھی مؤمن کے اوپر، مؤمن تو کجا کافر کے اوپر بھی حقارت کی نگاہ ڈالنا گناہِ کبیرہ ہے، اللہ تعالیٰ ہماری حفاظت فرمائے۔ آمین، اب جو شخص متکبر ہوگا وہ

(۱) سنن أبی داود ٤/٥٩ (٤٠٩٠) والمستدرك للحاكم ١/١٢٩ (٢٠٣) وقال هذا حديث صحيح على شرط مسلم...الخ ووافقه الذهبي في التلخيص.

دوسروں کو حقارت کی نگاہ سے دیکھے گا، اور جتنے انسانوں کو حقارت کی نگاہ سے دیکھے گا، اتنے ہی گناہِ کبیرہ اس کے نامۂ اعمال میں بڑھتے چلے جائیں گے۔ پھر متکبر جب دوسروں سے بات کرے گا تو ایسے کرخت انداز میں بات کرے گا کہ جس سے دوسرے کا دل ٹوٹے اور کسی مسلمان کا دل توڑنا بھی گناہ ہے۔

کافر کو بھی حقارت سے مت دیکھو

اور یہ جو میں نے کہا کہ کسی کافر کو بھی حقارت کی نگاہ سے مت دیکھو، یہ بھی گناہ ہے، اس لیے کہ کیا پتہ کہ کسی وقت اللہ تعالیٰ اس کافر کو ایمان کی توفیق دے دیں اور وہ تم سے آگے بڑھ جائے، لہٰذا کافر کی حقارت نہیں ہونی چاہیے۔ البتہ کفر کی حقارت ہونی چاہیے۔ فسق اور گناہ کی حقارت تو دل میں ہو، لیکن گناہ گار کی ذات سے حقارت نہیں ہونی چاہیے، لیکن یہ فرق کہ کس وقت دل میں گناہ اور کفر کی حقارت ہے اور کس وقت اس آدمی کی حقارت دل میں ہے جو اس کفر اور گناہ میں مبتلا ہے۔ آدمی کو بسا اوقات اس کا پتہ نہیں چلتا۔ یہ چیز بزرگوں کی صحبت سے حاصل ہوتی ہے۔

حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کی تواضع

ہم اور آپ تو کس شمار میں ہیں۔ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس اللہ سرہٗ فرماتے ہیں کہ:

> ''میں اپنے آپ کو ہر مسلمان سے فی الحال اور کافر سے فی المآل والاحتمال کمتر سمجھتا ہوں، یعنی اپنے آپ کو ہر مسلمان سے اس وقت اور کسی کافر کو اس احتمال پر کہ شاید یہ

کسی وقت مسلمان ہو جائے۔ اور مجھ سے آگے بڑھ جائے، اپنے آپ کو کمتر سمجھتا ہوں"۔

"تکبر" اور "ایمان" جمع نہیں ہو سکتے

اور تکبر ایمان کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتا، جب انسان کے دل میں تکبر آجاتا ہے اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے، آمین۔ تو بعض اوقات ایمان کے لالے پڑ جاتے ہیں۔ آخر یہ تکبر ہی تو تھا جو ابلیس اور شیطان کو لے ڈوبا، اس سے کہا گیا کہ سجدہ کر، بس دماغ میں یہ تکبر آ گیا کہ میں تو آگ سے بنا ہوا ہوں، اور یہ مٹی سے بنا ہوا ہے، دل میں اس کی حقارت آگئی اور اپنی بڑائی آگئی، ساری عمر کے لیے راندہ درگاہ اور متروک اور مردود ہو گیا، یہ تکبر اتنی خطرناک چیز ہے۔

"تکبر" ایک خفیہ مرض ہے

اس لیے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جو ہم اور آپ پر کہیں زیادہ مہربان ہیں، وہ اس حدیث کے ذریعے یہ سبق دے رہے ہیں کہ دیکھو! تکبّر قریب پھٹکنے نہ پائے، یہ ایسی بیماری ہے کہ بسا اوقات بیمار کو بھی پتہ نہیں ہوتا کہ میں اس بیماری میں مبتلا ہوں، حقیقت میں وہ یہ سمجھتا ہے کہ میں بالکل ٹھیک ٹھاک ہوں، لیکن حقیقت میں اس کے اندر تکبر ہوتا ہے اس کا پتہ چلانا بھی آسان نہیں، اسی لیے یہ مشورہ دیا جاتا ہے کہ کسی اللہ والے سے کسی شیخِ کامل سے تعلق قائم کرو۔

پیری مریدی کا مقصد

یہ پیری مریدی کا جو رواج ہے کہ کسی شیخ کے ہاتھ پر بیعت ہو گئے، لوگ

یہ سمجھتے ہیں کہ ہاتھ پر ہاتھ رکھ دیا تو برکت ہوگی، اور وہ کچھ وظیفے بتادیں گے تو وظیفہ پڑھ لیں گے، وغیرہ۔ خوب یاد رکھیے کہ یہ اس کا اصل مقصد نہیں ہے۔ کسی شیخ کے پاس جانے یا کسی مصلح کے پاس جانے کا اصل مقصد یہ ہے کہ یہ جو دل کی بیماریاں ہیں جن میں سرفہرست یہ تکبر کی بیماری ہے ان کا علاج کرائیں، جیسے بیمار کو پتہ نہیں ہوتا کہ میں کس بیماری میں مبتلا ہوں۔ معالج بیماری کی تشخیص کرتا ہے اور پھر اس کا علاج تجویز کرتا ہے، اسی طرح شیخ روحانی بیماریوں کا علاج کرتا ہے، اسی تشخیص کے لیے شیخ سے رجوع کیا جاتا ہے ہاتھ میں ہاتھ دے دینا معالج سے رابطہ قائم کرنے کی ایک صورت ہے۔

روحانی علاج

آج کل ایک مصیبت یہ آگئی ہے کہ تعویذ گنڈوں کا نام ''روحانی علاج'' رکھ دیا ہے تعویذ لکھوالیے، گنڈے لکھوالیے، دم درود کرالیا، بس اس کا نام ''روحانی علاج'' رکھ لیا خوب سمجھ لیجیے، یہ روحانی علاج نہیں، بلکہ روحانی علاج یہ ہے کہ اپنے دل کی جو بیماریاں ہیں مثلاً تکبر، حسد، بغض، عداوت وغیرہ جو انسان کے دل میں پیدا ہوتی ہیں ان کے علاج کے لیے کسی شیخ کی طرف رجوع کیا جائے، اور شیخ پھر پتہ لگاتا ہے کہ اس کے دل میں تکبر تو نہیں ہے اگر ہے تو اس کا آسان علاج اس شخص کے لیے کیا ہے؟ پھر وہ اپنے تجربہ سے مناسب حال علاج تجویز کرتا ہے، اس کی بتائی ہوئی تجویز پر عمل کرنا یہ بیعت کی حقیقت ہے۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا طریقۂ علاج

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس اللہ سرہٗ کے

یہاں سب سے زیادہ زور اس بات پر تھا کہ ان بیماریوں میں مبتلا لوگ آتے، اور آپ ان کا علاج فرماتے، ان کا علاج بھی کوئی دوا پلا کر نہیں ہوتا تھا۔ وظیفے پڑھوا کر نہیں ہوتا تھا بلکہ عمل سے ہوتا تھا۔ بہت سے لوگوں کا علاج اس طرح کیا گیا کہ ایک تکبر میں مبتلا شخص آیا، بس اس کے لیے یہ علاج تجویز کیا کہ جو لوگ مسجد میں نماز پڑھنے کے لیے آئیں، تم ان کے جوتے سیدھے کیا کرو، بس اس کام پر لگادیا، نہ کوئی وظیفہ، نہ کوئی تسبیح، نہ کوئی درود۔ اس کو دیکھ کر پہچان لیا کہ اس کے اندر تکبر کی بیماری ہے اور اس کا یہ علاج اس کے لیے مناسب ہوگا۔

تکبر کا راستہ جہنم کی طرف

اللہ تعالیٰ اس بیماری سے ہمیں بچائے، غرض یہ بیماری انسان کے قلب کے اندر اس طرح داخل ہوتی ہے کہ بسا اوقات اس کو پتہ بھی نہیں ہوتا، وہ تو سمجھ رہا ہوتا ہے کہ میں ٹھیک ٹھاک آدمی ہوں، لیکن حقیقت میں وہ تکبر کی بیماری میں مبتلا ہوتا ہے۔ اور پھر اس کا سیدھا راستہ جہنم کی طرف جارہا ہے، اور ایمانِ حقیقی تکبر کے ساتھ جمع نہیں ہوسکتا، اس واسطے اس کے علاج کی فکر کی ضرورت ہے، اور اس حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تنبیہ فرمائی ہے۔

جنت میں ضعفاء اور مساکین کی کثرت

اس حدیث کے دوسرے حصے میں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

"جنت ضعفاء اور مساکین سے بھری ہوئی ہے۔"

یعنی جن کو تم دنیا میں بے حقیقت سمجھتے ہو۔ غریب، غرباء، فقیر، فقراء،

معمولی حیثیت والے، معمولی کپڑے پہننے والے، ایسے لوگ جن کی طرف لوگ التفات بھی نہیں کرتے، ایسے لوگ اکثر و بیشتر اللہ جل جلالہ سے قریب ہوتے ہیں ان کے دلوں میں اللہ کی عظمت اور محبت ہوتی ہے اللہ تعالیٰ کی رحمتیں ان پر نازل ہوتی ہیں، اور جنت کے اندر اکثر لوگ ایسے ہوں گے۔

انبیاء کے متبعین اکثر غرباء ہوتے ہیں

قرآنِ کریم میں انبیاء علیہم السلام کے واقعات دیکھ لیجیے کہ دنیا میں جتنے انبیاء علیہم السلام تشریف لائے، ان سب کی اتباع کرنے والے اور پیچھے چلنے والے یہ غریب غرباء اور کمزور مسکین قسم کے لوگ تھے۔ اور یہی وجہ ہے کہ تمام مشرکین یہ اعتراض کرتے تھے ہم ان کے ساتھ کیسے بیٹھیں۔ ان میں تو کوئی ماہی گیر ہے، کوئی مچھیرا ہے، کوئی بڑھئی ہے، کوئی دوسرے معمولی پیشے والا ہے۔ یہ سب آپ کے پاس آکر بیٹھتے ہیں۔ اور ہم تو بڑے سردار ہیں، ہم ان کے ساتھ کیسے بیٹھیں، لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ نے انہیں کے اوپر فضل فرمایا اور ان کو وہ مقام بخشا کہ دوسرے اس مقام کو ترستے رہے۔

تو لہٰذا ظاہری اعتبار سے جو لوگ کمزور نظر آتے ہیں ان کو کبھی یہ نہ سمجھو کہ معاذ اللہ! یہ حقیر ہیں ان کی تحقیر کبھی دل میں نہ لاؤ اور ان کے ساتھ معاملہ اور برتاؤ ایسا نہ کرو۔

ضعفاء اور مساکین کون ہیں؟

اس حدیث میں دوسری بات جو خاص طور پر عرض کرنے کی ہے، وہ یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دو لفظ استعمال فرمائے، ایک ''ضعفاء'' اور دوسرے

''مساکین''۔ ضعفاء کے معنی یہ ہیں کہ جسمانی اعتبار سے کمزور، مالی اعتبار سے کمزور، رتبے کے اعتبار سے کمزور، منصب کے اعتبار سے کمزور۔ اور لفظ ''مساکین'' جمع ہے مسکین کی اور مسکین کے دو معنی آتے ہیں، ایک تو مسکین اس شخص کو کہتے ہیں جس کے پاس پیسے نہ ہوں اور جو مفلس ہو۔ دوسرے مسکین اس شخص کو کہتے ہیں جس کے پاس پیسے ہوں یا نہ ہوں، لیکن اس کے مزاج میں مسکینی ہو، اس کی طبیعت میں مسکینی ہو، چاہے اس کے پاس پیسے ہوں اور وہ مالدار بھی ہو، لیکن طبیعت میں تکبّر پاس سے نہیں گزرا، وہ مسکینوں کے ساتھ اٹھتا بیٹھتا ہے۔ مسکینوں کو اپنے قریب رکھتا ہے اس کی طبیعت میں عاجزی ہے۔ تکبّر کی بات کبھی نہیں کرتا۔ ایسا شخص مسکین کے زمرے میں داخل ہے۔ مسکینی اور مالداری جمع ہوسکتے ہیں لہٰذا یہ شبہ نہ ہونا چاہیے کہ صاحب! اگر کسی کے پاس مال ہے، اور وہ خوشحال ہے تو وہ ضرور جہنم میں جائے گا، اللہ تعالیٰ بچائے۔ ایسا نہیں ہے، بلکہ مراد یہ کہ اگر اللہ تعالیٰ نے اس کو مال دیا ہے، دولت عطا فرمائی ہے، یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی نعمت ہے، لیکن اگر طبیعت میں مسکینی اور عاجزی ہے، تکبر نہیں ہے اور دوسروں کے ساتھ برتاؤ اچھا ہے، اللہ تعالیٰ کے حقوق اور اللہ تعالیٰ کے بندوں کے حقوق پوری طرح ادا کرتا ہے تو وہ بھی انشاء اللہ مسکین کے زمرے میں داخل ہے۔

فقر اور مسکینی الگ الگ چیزیں ہیں

اور ایک حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا فرمائی کہ:

اَللّٰهُمَّ اَحْیِنِیْ مِسْكِیْنًا وَاَمِتْنِیْ مِسْكِیْنًا وَاحْشُرْنِیْ فِیْ زُمْرَةِ الْمَسَاكِیْنِ

اے اللہ! مجھے مسکینی کی حالت میں زندہ رکھیو اور مسکینی کی حالت میں مجھے موت دیجیے اور مسکینوں کے ساتھ میرا حشر فرمایئے۔ (۱)

اور ایک دوسری حدیث میں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا فرمائی ہے کہ

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنَ الْفَقْرِ (۲)

اے اللہ! میں فقر سے، مفلسی سے اور دوسروں کی احتیاج سے آپ کی پناہ مانگتا ہوں۔

آپ نے فقر سے تو پناہ مانگی اور مسکینی کی دعا فرمائی۔ اس سے معلوم ہوا کہ مسکینی کوئی اور چیز ہے، یہ فقر و فاقہ مراد نہیں ہے، بلکہ مسکینی سے مراد طبیعت کی مسکینی، مزاج کی مسکینی، تواضع خاکساری اور مسکینوں کے ساتھ اچھا معاملہ وغیرہ ہے۔ اگر یہ خاکساری دلوں میں پیدا ہو جائے تو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے اس بشارت میں داخل ہو سکتے ہیں جو اس حدیث میں بیان کی گئی ہے۔

جنت اور جہنم کے درمیان اللہ تعالیٰ کا فیصلہ

پھر حدیث کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے دونوں کے درمیان اس طرح فیصلہ

(۱) سنن الترمذی ٤/١٧٢ (٢٣٥٢) وقال هذا حديث غريب، وسنن ابن ماجه ٥/٢٤١ (٤١٢٧) طبع مؤسسة الرسالة والمستدرك للحاكم ٤/٣٥٨ (٧٩١١) وقال هذا حديث صحيح الإسناد ولم يخرجاه، ووافقه الذهبی فی التخليص.

(۲) سنن أبی داود ٢/٩١ (١٥٤٤) وسنن النسائی ٨/٢٦١ (٥٤٦٠) والمستدرك للحاكم ١/٧٢٥ (١٩٨٣) وقال هذا حديث صحيح الإسناد على شرط مسلم ولم يخرجاه، ووافقه الذهبی فی التلخيص.

فرمادیا کہ جنت سے تو یہ کہہ دیا کہ تم تو میری رحمت کا نشان ہو، لہٰذا جس پر مجھے رحمت کرنی ہوگی تمہارے ذریعے رحمت کروں گا اور جہنم سے فرمادیا کہ تم میرے عذاب کا نشان ہو جس کو عذاب دینا ہوگا تمہارے ذریعے دوں گا اور دونوں کو بھر کر رہوں گا۔ جنت کو بھی انسانوں سے بھروں گا اور جہنم کو بھی بھروں گا۔ اس واسطے کہ دنیا میں دونوں قسم کے انسان پائے جائیں گے، وہ بھی جو جنت کے حقدار ہیں، جنت کے اعمال کرنے والے ہیں اور وہ بھی جو جہنم کے اعمال کرنے والے ہیں۔ بس! اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے ہمیں ان لوگوں میں شامل فرمادے جن کو اللہ تعالیٰ نے جنت کے لیے پیدا فرمایا ہے۔ آمین ثم آمین۔

ایک بزرگ زندگی بھر نہیں ہنسے

ایک بزرگ تھے ان کے بارے میں یہ بات مشہور ہے کہ ساری زندگی میں ساری عمر میں کبھی نہیں ہنسے، ان کے منہ پر کبھی تبسم بھی نہیں دیکھا گیا۔ ہر وقت فکرمند رہتے تھے، کسی شخص نے ان سے پوچھا کہ حضرت! ہم نے آپ کو کبھی ہنستے ہوئے نہیں دیکھا، نہ آپ کے چہرے پر کبھی مسکراہٹ نظر آئی، آپ ہمیشہ فکرمند نظر آتے ہیں، اس کی کیا وجہ ہے؟ تو انہوں نے جواب میں فرمایا کہ بھائی! بات دراصل یہ ہے کہ میں نے حدیث شریف میں پڑھا ہے کہ کچھ مخلوق تو ایسی ہے جو اللہ تعالیٰ نے جنت کے لیے پیدا فرمائی ہے، اور کچھ مخلوق ایسی ہے جو جہنم کے لیے پیدا فرمائی ہے، مجھے یہ معلوم نہیں کہ میں کون سے زمرے میں داخل ہوں؟ جب تک مجھے یہ پتہ نہ چل جائے کہ میں جنت والے زمرے میں داخل ہوں، اس وقت تک ہنسی کیسے آئے؟ بس اس فکر کے اندر ہر وقت مبتلا رہتا ہوں۔ مؤمن کی آنکھیں کیسے سو سکتی ہیں؟ کسی بزرگ کا شعر ہے کہ۔

وَكَيْفَ تَنَامُ الْعَيْنُ وَهِيَ قَرِيْرَةٌ
وَلَمْ تَدْرِ فِيْ اَيِّ الْمَحَلَّيْنِ تَنْزِلُ(۱)

"مؤمن کی آنکھ اطمینان اور چین سے کیسے سوسکتی ہے، جب تک کہ اس کو یہ پتہ نہ چلے کہ دونوں مقامات میں سے کس مقام پر اس کا ٹھکانا ہوگا"۔

روح قبض ہوتے ہی مسکراہٹ آگئی

لہٰذا ساری عمر ان بزرگ کو ہنسی نہیں آئی، دیکھنے والوں کا کہنا ہے کہ جس وقت انتقال ہوا تو روح قبض ہوتے ہی چہرے پر مسکراہٹ آگئی کہ آج پتہ چل گیا کہ کس زمرے میں اللہ تعالیٰ نے مجھے پیدا فرمایا ہے۔ غفلت کی زندگی بری ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ جن لوگوں کو یہ فکر عطا فرماتے ہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ کے مقامِ رضا میں ہیں یا معاذ اللہ! مقامِ غضب میں ہیں، ان کو ہنسی کیسے آسکتی ہے؟ لیکن یہ بھی اللہ تبارک وتعالیٰ کا ہم اور آپ پر کرم ہے کہ اللہ تعالیٰ یہ کیفیت طاری نہیں ہونے دیتے، اگر سارے انسانوں پر یہی کیفیت طاری ہوجائے تو دنیا کا کاروبار ٹھپ ہوجائے، دنیا کا کاروبار نہ چل سکے، اس واسطے یہ کیفیت طاری نہیں ہونے دیتے، لیکن حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جابجا احادیث میں متنبہ فرماتے رہتے ہیں کہ اس کا یہ مطلب نہیں کہ غفلت میں مبتلا ہوجاؤ اور ساری عمر یہ خیال نہ آئے کہ کہاں جارہے ہو، جنت کی طرف جارہے ہو یا جہنم کی طرف جارہے ہو؟ بلکہ آنکھیں کھول کر دیکھ لو کہ جس راستے پر تم جارہے ہو وہ جنت کی

(۱) حلية الأولياء ۹/۴۹۴ طبع دار الكتب العلمية.

طرف جانے والا ہے یا جہنم کی طرف جانے والا ہے؟ اور اپنے اعمال پر نظر رکھو کہ ہم کون سے اعمال کر رہے ہیں؟ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے اپنے فضل و کرم سے ہم سب کو اس مخلوق میں شامل فرمادے جو اس نے جنت کے لیے پیدا فرمائی ہے۔ آمین۔

ظاہری صحت وقوت، اور حسن و جمال پر مت اتراؤ

اگلی حدیث ہے کہ

عن أبی هريرة رضی اللہ عنہ عن رسول اللّٰه ﷺ قالَ: اِنَّهُ لَيأْتِیْ الرَّجُلُ السَّمِيْنُ الْعَظِيْمُ يَوْمَ الْقِيامَةِ، لايَزِنُ عِنْدَاللّٰهِ جَنَاحَ بَعُوْضَةٍ.(۱)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن ایک ایسا شخص لایا جائے گا جو جسمانی اعتبار سے بڑا موٹا تازہ ہوگا اور بڑے مرتبے والا ہوگا، لیکن اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کا وزن ایک مچھر کے پر کے برابر بھی نہیں ہوگا۔

یہ ساری دنیاوی عظمت اور یہ جسمانی صحت اور جسمانی حسن یہ سب دھرا رہ گیا، کیوں؟ اس لیے کہ اس شخص نے باوجود صحت و طاقت کے اللہ جل جلالہٗ کو راضی کرنے والے کام نہیں کیے، اس لیے اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایک مچھر کے

(۱) صحيح البخاری ۹۳/٦ (٤٧٢٩) وصحيح مسلم ٢١٤٧/٤ (٢٧٨٥) ورياض الصالحين ص ۱۱۲ (۲۵۵)

پر کے برابر بھی اس کی حیثیت نہیں۔

اس حدیث کا مقصود بھی یہی ہے کہ اپنے ظاہری حسن و جمال پر، اپنی صحت پر، اپنی قوت پر، اپنے مرتبے پر، اپنے مال و دولت پر کبھی نہ اتراؤ، ہوسکتا ہے کہ یہ مال و دولت، یہ مرتبہ، یہ صحت وقوت اللہ تعالیٰ کے نزدیک مچھر کے پر سے بھی زیادہ بے حقیقت ہو، اصل چیز دیکھنے کی یہ ہے کہ اعمال کیسے ہیں؟ اور اللہ تعالیٰ کے راستے پر چل رہے ہو یا نہیں؟

مسجد نبوی میں جھاڑو دینے والی خاتون

وَعَنْهُ رضی اللّٰہُ عَنْهُ أَنَّ امْرَأَةً سَوْدَاءَ كَانَتْ تَقُمُّ الْمَسْجِدَ أَوْ شَابًّا فَفَقَدَهَا أَوْ فَقَدَهُ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ فَسَأَلَ عَنْهَا أَوْ عَنْهُ، فَقَالُوْا: مَاتَ، قَالَ: أَفَلَا كُنْتُمْ آذَنْتُمُوْنِيْ بِهِ، فَإِنَّهُمْ صَغَّرُوْا أَمْرَهَا أَوْ أَمْرَهُ، فَقَالَ: دُلُّوْنِيْ عَلٰى قَبْرِهِ، فَدَلُّوْهُ فَصَلّٰى عَلَيْهَا، ثُمَّ قَالَ: إِنَّ هٰذِهِ الْقُبُوْرَ مَمْلُوْءَةٌ ظُلْمَةً عَلٰى أَهْلِهَا وَإِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى يُنَوِّرُهَا لَهُمْ بِصَلَاتِيْ عَلَيْهِمْ.[1]

اس حدیث میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ایک واقعہ بیان فرمارہے ہیں، فرماتے ہیں کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ایک خاتون تھیں جو کبھی کبھی مسجد نبوی میں آکر جھاڑو دیا کرتی تھیں، اور وہ خاتون سیاہ فام تھیں، لیکن وہ

(۱) صحیح البخاری ۸۹/۲ (۱۳۳۷) وصحیح مسلم ۶۵۹/۲ (۹۵۶) ورياض الصالحين ص ۱٤ (۲۵٦).

خاتون چند روز تک آپ کو نظر نہیں آئیں اور مسجد نبوی کی جھاڑو اور صفائی کے لیے نہ آئیں تو نبی کریم ﷺ نے اس خاتون کے بارے میں صحابہ کرام سے پوچھا کہ کافی دن سے وہ خاتون نظر نہیں آرہی ہیں اور مسجد کی جھاڑو لگانے نہیں آرہی ہیں۔ آپ اس سے اندازہ لگایئے کہ آنحضرت ﷺ کو ایک ایک فرد کے ساتھ کس درجہ کا تعلق تھا۔ وہ خاتون آتیں، جھاڑو لگا کر چلی جاتیں، لیکن سرکارِ دوعالم ﷺ کے حافظہ اور یادداشت میں وہ محفوظ تھیں، اس لیے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے آپ نے پوچھا کہ کیوں نہیں آئیں، کیا بات ہے؟ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا! یا رسول اللہ! ان کا تو انتقال ہوگیا، آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ان کے انتقال کے بارے میں آپ نے مجھے بتایا تک نہیں؟ تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے زبان سے کچھ نہ کہا لیکن انداز ایسا اختیار فرمایا جس سے یہ بتانا مقصود ہو کہ حضور! وہ تو ایک معمولی قسم کی خاتون تھیں، اگر انتقال ہوگیا تو اتنی بڑی اہم بات نہیں تھی کہ آپ جیسی ہستی کو اس کے بارے میں بتایا جاتا۔ تو سرکارِ دوعالم ﷺ نے فرمایا کہ مجھے بتاؤ اس کی قبر کہاں ہے؟ کس جگہ ان کو دفن کیا گیا ہے؟ آپ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ساتھ لے کر اس کی قبر پر تشریف لے گئے، اور جا کر ان کی قبر پر نمازِ جنازہ پڑھی۔

قبر پر نماز جنازہ کا حکم

عام طور سے نماز جنازہ کا حکم یہ ہے کہ اگر کسی کی نماز جنازہ پڑھ لی گئی ہو تو اس کے بعد قبر پر نماز جنازہ پڑھنا جائز نہیں، اور اگر کسی کو نماز جنازہ پڑھے بغیر دفن کردیا گیا ہو تب بھی شرعی حکم یہ ہے کہ جب تک میت کے پھولنے پھٹنے کا

احتمال نہ ہو اس وقت تک تو اس کی قبر پر نمازِ جنازہ پڑھ سکتے ہیں، اگر اندیشہ ہو کہ اتنے دن گزرنے کی وجہ سے لاش پھول پھٹ گئی ہوگی تو اس کے بعد قبر پر نماز جنازہ نہیں پڑھی جائے گی۔ قبریں اندھیروں سے بھری ہوتی ہیں لیکن سرکارِ دوعالم ﷺ نے اس خاتون کی خصوصیت کے طور پر، اس کے امتیاز کے طور پر اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو جتانے کے لیے آپ اس کی قبر پر تشریف لے گئے اور نماز جنازہ پڑھی اور نماز پڑھنے کے بعد فرمایا کہ یہ قبریں ظلمتوں اور اندھیروں سے بھری ہوئی ہوتی ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ میری نماز کی برکت سے ان قبروں میں نور پیدا فرمادیتے ہیں۔

کسی کو حقیر مت سمجھو

یہ عمل آپ نے اس بات پر تنبیہ کرنے کے لیے فرمایا کہ کسی بھی شخص کو چاہے وہ مرد ہو یا عورت، وہ اگر دنیاوی اعتبار سے معمولی رتبے کا ہے، اس کو یہ نہ سمجھو کہ یہ حقیقت میں بھی معمولی رتبے کا ہے اس کو اہمیت دینے کی کیا ضرورت؟ اس لیے کہ پتہ نہیں کہ وہ اللہ جل شانہٗ کے نزدیک کیا مقام رکھتا ہو، اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کا کیا مرتبہ ہو ؎

ہر بیشہ گماں مبر کہ خالی است

شاید کہ پلنگ خفتہ باشد

لہٰذا کسی بھی انسان کو معمولی ہیئت میں دیکھ کر یہ نہ سمجھو کہ یہ ایک بے حقیقت انسان ہے، کیا پتہ کہ وہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے یہاں کتنا مقبول ہے۔

یہ پراگندہ بال والے

وَعَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: رُبَّ أَشْعَثَ مَدْفُوْعٍ بِالْأَبْوَابِ لَوْأَقْسَمَ عَلَى اللّٰهِ لَأَبَرَّهٗ.(۱)

سرکارِ دو عالم ﷺ نے فرمایا کہ بہت سے ایسے لوگ جو پراگندہ بال والے ہیں، ان کے بالوں میں کنگھی نہیں کی گئی ہے، اور غبار آلود جسم اور چہرہ والے، محنت اور مزدوری کرکے کماتے ہیں، جس کی وجہ سے ان کے جسم پر اور چہرہ پر گرد کی تہہ جمی ہوئی ہے اور یہ لوگ اگر کسی کے دروازے پر جائیں تو لوگ ان کو دھکا دے کر نکال دیں۔ یہ لوگ ظاہری اعتبار سے تو بے حقیقت ہیں، لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ کے یہاں ان کی یہ قدر و قیمت ہوتی ہے کہ اگر اللہ جل جلالہٗ پر کوئی قسم کھالیں تو اللہ تعالیٰ ان کی قسم کو پوری کردیں۔ یعنی اگر یہ لوگ قسم کھا کر کہہ دیں کہ فلاں کام ہوگا، تو اللہ تعالیٰ وہی کام کردیتے ہیں، اور اگر یہ لوگ کہہ دیں کہ یہ کام نہیں ہوگا تو اللہ تعالیٰ وہ کام روک دیتے ہیں۔

غرباء کے ساتھ ہمارا سلوک

ان تمام حدیثوں سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ ظاہری اعتبار سے کسی انسان کو دیکھ کر اس کو معمولی اور بے حقیقت نہ سمجھو، زبان سے تو ہم یہ کہتے ہیں کہ سب مسلمان بھائی بھائی ہیں اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک امیر غریب برابر ہیں،

---

(۱) صحیح مسلم ۲۰۲٤/٤ (۲٦۲۲) وریاض الصالحین ص ۱۱٤ (۲۵۷)۔

اور اللہ تعالیٰ کے یہاں غریب کی بڑی قیمت ہے، لیکن سوال یہ ہے کہ جب ہم ان کے ساتھ برتاؤ کرتے ہیں، اور جب ان کے ساتھ سلوک کرتے ہیں، کیا اس وقت واقعی یہ باتیں ہمارے ذہن میں رہتی ہیں؟ اپنے نوکروں کے ساتھ، اپنے خادموں کے ساتھ، اپنے ماتحتوں کے ساتھ، اور دنیا میں جو غریب غرباء نظر آتے ہیں، ان کے ساتھ معاملہ کرتے وقت یہ حقیقت ہمارے ذہن میں رہتی ہے یا نہیں؟ ہوتا یہ ہے کہ زبان سے تو میں تقریر کرلوں گا، اور آپ تقریر سن لیں گے، لیکن جب برتاؤ کرنے کا معاملہ آتا ہے تو اس وقت سب بھول جائیں گے۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا اپنے خادم کے ساتھ برتاؤ

جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ ان حقائق کو مدنظر رکھنے کی توفیق دیتے ہیں، ان کا قصہ سن لیجیے، حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک خادم تھے، بھائی نیاز، خانقاہ میں آنے جانے والے تمام حضرات انہیں ''بھائی نیاز'' کہہ کر پکارتے تھے۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے خاص منہ چڑھے خادم تھے، اور چونکہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت کرتے تھے اور حضرت والا کی صحبت بھی حاصل تھی، تو ایسے لوگوں میں کبھی ناز بھی پیدا ہوجاتا ہے۔ تھے تو ''نیاز'' لیکن تھوڑا سا ''ناز'' بھی پیدا ہوگیا تھا۔ اس لیے خانقاہ میں آنے جانے والوں سے کبھی مچیٹے[1] ہوجایا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ کسی صاحب نے حضرت والا سے بھائی نیاز کی شکایت کی کہ حضرت! یہ لوگوں کے ساتھ لڑتے جھگڑتے ہیں اور مجھے بھی انہوں نے برا بھلا کہا ہے۔

---

(۱) یعنی لڑتے جھگڑتے۔ عنایت

چونکہ حضرت والا کو پہلے بھی ان کی کئی شکایتیں پہنچ چکی تھیں، اس لیے حضرت والا کو بہت تکلیف ہوئی کہ یہ دوسروں کے ساتھ ایسا معاملہ کرتے ہیں۔ حضرت والا نے ان کو بلایا اور ڈانٹ کر فرمایا کہ میاں نیاز! یہ تم کیا ہر آدمی سے لڑتے جھگڑتے پھرتے ہو۔ انہوں نے سن کر چھوٹتے ہی جواب میں کہا کہ حضرت! جھوٹ نہ بولو اللہ سے ڈرو۔ اب یہ الفاظ ایک نوکر اپنے آقا سے کہہ رہا ہے۔ آقا بھی کون سے حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ۔ حقیقت میں ان کا مقصد بھی یہ نہیں تھا کہ حضرت! آپ جھوٹ نہ بولیں، بلکہ اصل میں ان کا مقصد یہ تھا کہ جن لوگوں نے آپ تک شکایت پہنچائی ہے انہوں نے جھوٹی شکایت پہنچائی ہے۔ ان کو چاہیے کہ جھوٹ نہ بولیں، اللہ سے ڈریں، لیکن جذبات میں بے اختیار لفظ زبان سے یہ نکلا کہ حضرت! جھوٹ نہ بولو، اللہ سے ڈرو۔ اب دیکھیے کہ اگر ایک آقا اپنے نوکر کو ڈانٹ رہا ہو، اور نوکر یہ کہہ دے کہ جھوٹ نہ بولو، تو اور زیادہ غصہ آئے گا اور زیادہ اشتعال پیدا ہوگا، لیکن یہ حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ ادھر انہوں نے کہا کہ جھوٹ نہ بولو، اللہ سے ڈرو ادھر حضرت والا نے فوراً گردن جھکالی اور فرمایا:

استغفر اللّٰہ، استغفر اللّٰہ، استغفر اللّٰہ۔

اور پھر بعد میں فرمایا کہ مجھ سے غلطی ہوگئی، وہ یہ کہ میں نے ایک طرفہ بات سن کر ان کو ڈانٹنا شروع کردیا، اور حالانکہ شریعت کا حکم یہ ہے کہ کسی ایک کی بات سن کر فوراً فیصلہ نہ کریں جب تک دوسری طرف کی بات بھی نہ سن لیں، پہلے مجھے ان سے پوچھنا چاہیے تھا کہ کیا قصہ ہوا؟ وہ اپنا موقف پہلے بیان کردیتا، پھر اسکے بعد کوئی فیصلہ کرتے، لیکن میں نے پہلے ہی ڈانٹنا شروع کردیا،

تو غلطی مجھ سے ہوئی، اور جب اس نے کہا کہ اللہ سے ڈرو تو میں نے اللہ کی طرف رجوع کیا۔ معلوم ہوا کہ واقعۃً مجھ سے غلطی ہوئی، اور میں نے استغفر اللہ، استغفر اللہ پڑھا۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے بارے میں کہا گیا ہے کہ

کَانَ وَقَّافًا عِنْدَ حُدُوْدِ اللّٰہِ

اللہ کے حدود کے آگے رُک جانے والے۔

بھائی نوکروں کے ساتھ اور خادموں کے ساتھ اور اپنے ماتحتوں کے ساتھ بھی حسنِ سلوک اور اچھا برتاؤ کرنا چاہیے، ان کے ساتھ کسی وقت تحقیر کا معاملہ نہ کریں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس سے محفوظ فرمائیں۔ آمین۔

جنت اور دوزخ میں جانے والے

عَنْ أُسَامَةَ رضی اللہ عنہ، عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ: قُمْتُ عَلٰی بَابِ الْجَنَّةِ، فَإِذَا عَامَّةُ مَنْ دَخَلَهَا الْمَسَاكِيْنُ وَأَصْحَابُ الْجَدِّ مَحْبُوْسُوْنَ غَيْرَ أَنَّ أَصْحَابَ النَّارِ قَدْ أُمِرَ بِهِمْ إِلَى النَّارِ، وَقُمْتُ عَلٰى بَابِ النَّارِ، فَإِذَا عَامَّةُ مَنْ دَخَلَهَا النِّسَاءُ.[1]

(حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ، حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے بڑے چہیتے صحابی ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متبنّیٰ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے بیٹے ہیں، گویا کہ یہ منہ بولے پوتے ہیں، وہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا

(۱) صحیح البخاری ۳۰/۷ (۵۱۹۶) وصحیح مسلم ۲۰۹۶/۴ (۲۷۳۶).

کہ میں جنت کے دروازے پر کھڑا ہوا۔ یہ شاید معراج کا واقعہ ہوگا کیونکہ معراج کے وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جنت اور دوزخ دونوں کی سیر کرائی گئی یا کسی اور موقع پر عالم رؤیت یا عالمِ کشف میں ایسا ہوا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے۔ میں نے دیکھا کہ اکثر لوگ جو مجھے جنت میں نظر آئے وہ مسکین قسم کے لوگ تھے اور میں نے دیکھا کہ دنیا میں جن کو خوش بخت شمار کیا جاتا تھا کہ بڑے خوش حال ہیں، بڑے صاحبِ منصب ہیں اور دولت مند ہیں۔ جن کو لوگ دنیا میں بڑی قسمت والے سمجھتے ہیں، وہ سب جنت کے دروازے پر رکے کھڑے ہیں جیسا کہ ان کو کسی نے روکے رکھا ہے کہ داخل نہیں ہوسکتے، اس کے دو معنیٰ ہوسکتے ہیں ایک یہ کہ وہ اس لیے رکے کھڑے تھے کہ وہ جنت میں داخل ہونے کے لائق تو تھے، لیکن حساب کتاب اتنا لمبا چوڑا تھا کہ جب تک اس حساب کتاب کو صاف نہ کریں، اس وقت تک جنت میں داخلے کی اجازت نہیں، اس لیے وہ دروازے پر کھڑے ہیں۔ اور ان میں جو جہنم والے تھے ان کے بارے میں حکم ہوگیا تھا کہ ان کو جہنم میں لے جایا جائے اور جہنم کے دروازے پر میں نے کھڑے ہوکر دیکھا تو اکثر اس میں داخل ہونے والی عورتیں ہیں، عورتوں کی تعداد جہنم کے اندر زیادہ نظر آئی۔

مساکین جنت میں ہوں گے

اس حدیث میں دو حصے بیان فرمائے، ایک یہ کہ جنت میں اکثر و بیشتر داخل ہونے والے لوگ مساکین نظر آئے۔ اس کی تفصیل پیچھے بھی آچکی ہے۔ اور یہ بھی عرض کر چکا ہوں کہ یہ ضروری نہیں مساکین سے مفلس اور فقیر مراد ہوں،

بلکہ وہ لوگ جو طبیعت کے اعتبار سے مسکین ہیں، وہ بھی ان شاء اللہ، اللہ کی رحمت سے مسکین کے اندر داخل ہیں۔

عورتیں دوزخ میں زیادہ کیوں ہوں گی؟

دوسرا حصہ یہ ہے کہ جہنم میں جو اکثر آبادی نظر آئی وہ عورتوں کی نظر آئی۔ ایک دوسری حدیث میں بھی حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

"إِنِّي أُرِيتُكُنَّ أَكْثَرَ أَهْلِ النَّارِ"(۱)

مجھے دکھایا گیا ہے کہ جہنم کے اکثر باشندے تم ہو۔

جس سے یہ بات معلو ہوتی ہے کہ جہنم میں خواتین کی تعداد مردوں سے زیادہ ہوگی اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ عورت بحیثیت عورت ہونے کے جہنم کی زیادہ مستحق ہے، بلکہ دوسری حدیث میں سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی وجہ بیان فرمائی وہ یہ کہ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ جہنم کی آبادی میں اکثر حصہ عورتوں کا ہے۔ تو خواتین نے عرض کیا کہ

"لِمَ؟ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ؟"

اس کی کیا وجہ ہے کہ جہنم میں خواتین کی تعداد زیادہ ہوگی؟ آپ نے اس کی دو وجہیں بنیادی طور پر بیان فرمائیں، وہ یہ کہ

"تُكْثِرْنَ اللَّعْنَ وَتَكْفُرْنَ الْعَشِيْرَ"(۲)

(۱) صحیح مسلم ۸٦/۱ (۷۹).
(۲) المصدر السابق۔

دوخرابیاں خواتین کے اندر ایسی ہیں جو جہنم کی طرف لے جانے والی ہیں، جو عورت ان سے بچ جائے گی وہ ان شاء اللہ جہنم سے بھی بچ جائے گی۔ پہلی وجہ بیان فرمائی کہ

لعن طعن کی کثرت

"تُكْثِرْنَ اللَّعْنَ"

کہ لعن طعن بہت کرتی ہو

یعنی ایک دوسرے کو لعنت دینے کا رواج تمہارے اندر بہت زیادہ ہے، معمولی معمولی بات پر کسی کو بددعا دیدی، کسی کو کوسنا دے دیا کسی کو برا بھلا کہہ دیا اور طعنہ دینا بھی بہت ہے۔ طعنہ اس بات کو کہتے ہیں کہ ایسا جملہ بول دیا جس سے دوسرے کے جسم میں آگ لگ گئی اس کا دل ٹوٹ گیا۔ اس کے نتیجے میں دوسرے کو پریشان کردیا۔ اور یہ مشاہدہ ہے کہ اس میں خواتین بہت مبتلا ہوتی ہیں۔

شوہر کی ناشکری

دوسری وجہ یہ بیان فرمائی کہ

"تَكْفُرْنَ الْعَشِيْرَ"

یعنی تم شوہر کی ناشکری بہت کرتی ہو۔

یعنی اگر کوئی بیچارہ شریف سیدھا شوہر وہ جان مال اور محنت خرچ کر کے

تمھیں راضی کرنے کی فکر کر رہا ہے، لیکن تمھاری زبان پر شکر کا کلمہ مشکل ہی سے آتا ہے، بلکہ ناشکری کے کلمات زبان سے نکالتی ہو، یہ دو سبب ہیں جن کی وجہ سے تم جہنم میں زیادہ جاؤ گی، اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے۔ آمین۔

ناشکری کفر ہے

ناشکری یوں تو ہر حالت میں بری صفت ہے، اور اللہ تعالیٰ کو انتہائی ناپسند ہے اور اس کی ناپسندیدگی کا اندازہ اس بات سے لگایئے کہ عربی زبان اور شریعت کی اصطلاح میں ''ناشکری'' کا نام ''کفر'' ہے۔ اس لیے ''کفر'' جس سے ''کافر'' بنا ہے اس کے اصل معنی ہیں ''ناشکری'' اور کافر کو کافر اس لیے کہتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کا ناشکرا ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو اتنی نعمتوں سے نوازا، اس کو پیدا کیا اس کی پرورش کی، اس پر نعمتوں کی بارش فرمائی اور وہ ناشکری کر کے اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوسرے کو شریک ٹھہرا دیتا ہے یا ایسی محسن ذات کے وجود کا انکار کرتا ہے اس لیے یہ اتنی خطرناک چیز ہے۔

شوہر کے آگے سجدہ

ایک حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اگر میں دنیا میں اللہ کے علاوہ کسی کو سجدہ کرنے کا حکم دیتا تو عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہر کے آگے سجدہ کرے (۱)، لیکن سجدہ چونکہ کسی اور کے لیے حلال نہیں اس لیے یہ حکم نہیں دیتا۔ بتلانا یہ مقصود ہے کہ یہ عورت کے فرائض میں داخل ہے کہ وہ شوہر کی

(۱) سنن أبی داود ۲/۲٤٤ (۲۱٤۰) والمستدرك للحاکم ۲/۲۰٤ (۷۳٦۳) وقال هذا حدیث صحیح الإسناد ولم یخرجاه، ووافقه الذهبی فی التلخیص.

اطاعت کرے اور اس کی ناشکری نہ کرے اور جب وہ اس کی ناشکری کرے گی تو وہ درحقیقت اللہ کی ناشکری ہوگی۔ اس وجہ سے اللہ تعالیٰ کو شوہر کی ناشکری اتنی ناپسند ہے کہ خواتین کو بتلادیا کہ اس کی وجہ سے تم جہنم میں جاؤ گی۔ یہ بڑی خطرناک بات ہے۔

خواتین کے لیے جہنم سے بچنے کے دوگر

اللہ تعالیٰ نے شوہر کے ذمے بیوی کے حقوق رکھے ہیں اور بیوی کے ذمے شوہر کے حقوق رکھے ہیں، خاص طور سے ہماری بہنوں کے لیے بڑی یاد رکھنے کی بات ہے کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے باقاعدہ اہتمام کرکے خواتین کے مجمع سے خطاب کرتے ہوئے یہ فرمایا کہ تمہارے زیادہ جہنم میں جانے کا سبب یہ دو باتیں ہیں۔ ظاہر ہے کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کون اللہ تعالیٰ کے دین کا رمز شناس ہوگا، اور اپنی امت کے افراد کا رمز شناس ہوگا؟ آپ سے زیادہ کوئی مرض پہچاننے والا نہیں ہوسکتا اور مرض کی تشخیص کرنے والا اور علاج بتانے والا نہیں ہوسکتا، تو عورتوں کو جہنم سے بچانے کے لیے آپ نے دوگر بتادیئے ایک یہ کہ لعن طعن نہ کرو اور دوسرے شوہر کی ناشکری نہ کرو۔

کون سی عورت پر فرشتے لعنت کرتے ہیں؟

حدیث شریف میں یہاں تک فرمایا کہ اگر شوہر عورت کو بستر پر بلائے اور وہ نہ جائے یا فرمایا کہ اگر عورت ایک رات اس طرح گزارے کہ اس کا شوہر اس سے خفا ہو اور اس کے حقوق اس عورت نے ادا نہ کیے ہوں، ساری رات فرشتے

اس عورت پر لعنت کرتے رہتے ہیں[1]، اتنی خطرناک وعید حضورِ اقدس ﷺ نے بیان فرمائی۔

زبان پر قابو رکھیں

اس وقت یہ بتلانا مقصود ہے کہ یہ جو فرمایا جارہا ہے کہ عورتوں کی تعداد جہنم میں مردوں کے نسبت زیادہ ہوگی، آج کل یہ عورتوں کے حقوق کا بڑا چرچا ہے اور یہ پروپیگنڈہ کیا جارہا ہے کہ عورت کو بہت نچلا مقام دیا گیا ہے، یہاں تک کہ جہنم میں بھی عورتیں زیادہ بھردی گئی ہیں، لیکن خوب سمجھ لیجیے کہ وہ عورتیں جہنم میں اس لیے نہیں بھری گئیں کہ وہ عورتیں ہیں، بلکہ اس لیے بھردی گئیں کہ ان کے اندر بداعمالیوں کی کثرت ہوتی ہے۔ خاص طور پر زبان ان کو جہنم میں لے جانے والی ہے۔ حدیث شریف میں حضورِ اقدس ﷺ نے فرمایا کہ انسان کو جہنم میں اوندھا گرانے والی چیز اس کی زبان ہے[2] اور عام طور پر جب یہ زبان قابو میں نہیں ہوتی تو اس سے بے شمار گناہ سرزد ہوجاتے ہیں۔ تجربہ کرکے دیکھ لیجیے کہ مرد کی زبان پھر بھی کچھ قابو میں ہوتی ہے اور خواتین زبان کو قابو میں رکھنے کا عام طور پر اہتمام نہیں کرتیں اس کے نتیجے میں یہ فساد پیدا ہوتا ہے۔ خدا کے لیے اپنی زبانوں کو احتیاط سے استعمال کرنے کوشش کریں کہ زبان سے کوئی ایسا کلمہ نہ نکالیں جس سے دوسرے کا دل ٹوٹے اور خاص طور پر شوہر، جس کا دل رکھنا اللہ تعالیٰ نے بیوی کے فرائض میں شامل فرمایا ہے، لہٰذا یہ جو کہا گیا ہے کہ جہنم میں عورتوں کی تعداد زیادہ ہوگی اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ زبردستی جہنم میں

---

(۱) صحیح البخاری ۳۰/۷ (۵۱۹۳) و صحیح مسلم ۱۰۵۹/۲ (۱۴۳٦)

(۲) سنن الترمذی ۳٦۲/٤ (۲٦۱٦) وقال هذا حديث حسن صحيح.

عورتوں کی تعداد بڑھا دی گئی ہے بلکہ وہ درحقیقت ان اعمال کا نتیجہ ہے، اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے ان کو ان اعمال سے بچائیں۔ اور اگر یہ خود اہتمام سے بچنے کی کوشش کریں تو ان شاء اللہ ضرور بچ جائیں گی۔ آپ کو معلوم ہے کہ جنت کی خواتین کی سردار بھی اللہ تعالیٰ نے ایک خاتون کو بنایا ہے۔ وہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا ہیں۔[1] اور اللہ تعالیٰ نے خواتین کو جنت کا مستحق بھی قرار دیا، لیکن سارا مدار ان اعمال پر ہے۔

حقوق العباد کی اہمیت

دوسری ایک بات اور سمجھ لیں جو اسی حدیث سے نکلتی ہے۔ وہ یہ ہے کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کے زیادہ جہنم میں جانے کا سبب یہ نہیں بیان فرمایا کہ وہ عبادت کم کرتی ہیں۔ یہ نہیں فرمایا کہ نفلیں کم پڑھتی ہیں، یہ نہیں فرمایا کہ تلاوت کم کرتی ہیں، وظیفے کم کرتی ہیں، بلکہ سبب کے اندر جو دو باتیں بتائیں لعنت اور شوہر کی ناشکری۔ ان دونوں کا تعلق حقوق العباد سے ہے۔ اس سے نفلی عبادات کے مقابلے میں حقوق العباد کی اہمیت معلوم ہوئی۔ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے ہمیں اس کا صحیح فہم عطا فرمائے۔ اور اپنی رحمت سے ان تمام حقوق کو بجالانے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَأَصْحَابِهٖ أَجْمَعِيْنَ، اٰمِيْنَ، بِرَحْمَتِكَ يَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

(۱) صحیح البخاری ۲۰۳/٤ (۳٦۲۳).

حقوق العباد سے توبہ کا طریقہ

(اصلاحی مجالس ۶/ ۵۲)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حقوق العباد سے توبہ کا طریقہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَاھَادِیَ لَہٗ، وَأَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ وَأَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَنَبِیَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا کَثِیْرًا۔ أَمَّا بَعْدُ!

ایک ملفوظ میں حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

اعمالِ صالح یا توبہ سے گناہ معاف ہو جاتے ہیں مگر حقوق العباد معاف نہیں ہوتے، پس جس قدر ہو سکے ادا کرے اور سب کے ادا کا عزم رکھے۔ اگر کچھ باقی رہ گئے اور مر گیا تو اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ اس کو بری الذمہ کر دیں گے یعنی اللہ تعالیٰ مظلوم کو خوش کر کے ظالم کی

مغفرت فرمادیں گے۔

(انفاس عیسیٰ: ص ۱۹۸)

گناہِ صغیرہ سے معافی کا طریقہ

اس ملفوظ میں حضرت والانے پہلی بات تو بیان فرمائی کہ اعمال صالحہ یعنی نیک اعمال سے گناہ معاف ہوتے ہیں اور توبہ سے بھی گناہ معاف ہوتے ہیں، دونوں میں فرق یہ ہے کہ نیک اعمال سے صرف گناہِ صغیرہ معاف ہوتے ہیں اور توبہ سے گناہ کبیرہ بھی معاف ہوجاتے ہیں۔ گناہِ صغیرہ کا معاملہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نیکیوں کی بدولت خود بخود ان کو معاف فرماتے رہتے ہیں، چنانچہ حدیث شریف میں ہے کہ جب آدمی وضو کرتا ہے تو وضو کے دوران جب وہ ہاتھ دھوتا ہے تو ہاتھ سے کیے گناہ معاف ہوجاتے ہیں، جب چہرہ دھوتا ہے تو آنکھوں کے گناہ معاف ہوجاتے ہیں، جب پاؤں دھوتا ہے تو پاؤں سے چل کر جس گناہ کے طرف گیا تھا وہ گناہ معاف ہوجاتے ہیں[1]، لیکن ان احادیث میں گناہوں سے مراد صغیرہ گناہ ہیں جو اللہ تعالیٰ اس طرح معاف فرماتے رہتے ہیں۔

عبادات سے گناہِ صغیرہ معاف ہوجاتے ہیں

حدیث شریف میں آتا ہے کہ جب آدمی نماز کے لیے مسجد کی طرف چلتا ہے تو ہر ہر قدم پر اللہ تعالیٰ گناہ معاف فرماتے ہیں[2]۔ اس سے بھی مراد صغیرہ

---

(۱) سنن النسائی ۷٤/۱ (۱۰۳) وسنن ابن ماجه ۲۵۵/۱ (۲۸۲) واصله فی صحیح مسلم ۲۱٦/۱ (۲٤۸) مختصرا۔

(۲) صحیح البخاری ۱۰۲/۱ (٤۷۷) وصحیح مسلم ٤۵۹/۱ (٦٤۹)۔

گناہ ہیں، اسی طرح نماز پڑھنے سے بھی صغیرہ گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔

ایک مرتبہ[1] ایک صحابی حضورِ اقدس ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ (ﷺ)! مجھ سے بڑی سخت غلطی ہو گئی ہے، پھر ایک گناہِ صغیرہ کو بیان کیا کہ مجھ سے یہ گناہ ہو گیا ہے۔ آنحضرت ﷺ نے اس سے فرمایا کہ کیا تم نے اس گناہ کے بعد ہمارے ساتھ مسجد میں نماز نہیں پڑھی؟ انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ! نماز تو پڑھی ہے، فرمایا کہ بس تمہارا وہ گناہ اس نماز پڑھنے سے معاف ہو گیا۔ پھر آپ ﷺ نے قرآنِ کریم کی یہ آیت تلاوت فرمائی:

اِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئٰتِ[2]

یعنی نیکیاں برائیوں کو ختم کر دیتی ہیں۔

جب انسان کوئی نیکی کرتا ہے تو اس کے صغیرہ گناہ معاف ہوتے چلے جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت کا یہ خود کار نظام بنا دیا ہے کہ صغیرہ گناہ خود بخود معاف ہوتے چلے جاتے ہیں، مگر یہ سب صغیرہ گناہوں کے بارے میں ہے۔

گناہِ کبیرہ کے لیے توبہ ضروری ہے

کبیرہ گناہ کے بارے میں قانون یہ ہے کہ وہ توبہ کے بغیر معاف نہیں ہوتے، یوں اللہ تعالیٰ کسی پر اپنا فضل فرما دیں اور بغیر توبہ کے معاف فرما دیں تو

---

(۱) صحیح البخاری ۱۱۱/۱ (۵۲۶)۔

(۲) سورۃ ھود آیت (۱۱٤)۔

ان کو کون روکنے والا ہے، لیکن قانون اور اصول یہ ہے کہ کبیرہ گناہ بغیر توبہ کے معاف نہیں ہوتے۔ اس ملفوظ میں حضرت والا نے یہ جو فرمایا کہ اعمالِ صالحہ یا توبہ سے گناہ معاف ہو جاتے ہیں، اس کا مطلب یہ ہے کہ اعمالِ صالحہ سے صغیرہ گناہ اور توبہ سے کبیرہ گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔

حقوق العباد اور بعض حقوق اللہ محض توبہ سے معاف نہیں ہوتے

آگے فرمایا کہ ''مگر حقوق معاف نہیں ہوتے'' حقوق سے ایک تو حقوق العباد مراد ہیں اور دوسرے وہ حقوق اللہ مراد ہیں جن کی تلافی ممکن ہو۔ مثلاً نمازیں چھوٹ گئی ہیں اور آدمی تندرست ہے، ان نمازوں کی قضا کر سکتا ہے، لہٰذا نمازیں معاف نہیں ہوں گی یا مثلاً زکوٰۃ واجب ہوئی اور اب تک زکوٰۃ ادا نہیں کی تو وہ زکوٰۃ معاف نہیں ہوگی، حج واجب ہو گیا تھا، ادا نہیں کیا تو وہ حج معاف نہیں ہوگا، روزے واجب ہوگئے تھے ادا نہیں کیے، وہ معاف نہیں ہوں گے، بہرحال! توبہ کے ذریعے وہ حقوق اللہ جن کی تلافی ممکن ہے وہ معاف نہیں ہوتے اور توبہ کے ذریعے حقوق العباد معاف نہیں ہوتے جب تک صاحب حق معاف نہ کرے یا اس کا حق ادا نہ کر دیا جائے۔

تمام سابقہ حقوقِ واجبہ کی ادائیگی شروع کر دیں

حضرت والا فرما رہے ہیں کہ اگر آدمی توبہ کر لینے کے بعد یہ سمجھ لے کہ بس میرا مقصد حاصل ہو گیا اب مجھے کچھ کرنے کی ضرورت نہیں، یہ خیال بالکل غلط اور دھوکہ ہے، بلکہ توبہ کر لینے کے بعد یہ دیکھو کہ کیا کیا حقوق میرے ذمے واجب ہیں؟ چاہے وہ اللہ تعالیٰ کے حقوق ہوں یا بندوں کے حقوق ہوں، توبہ

کر لینے کے بعد ان حقوق کو ادا کرنے کی فکر شروع کرو، جس کا طریقہ میں نے توبہ کا بیان شروع کرتے وقت عرض کیا تھا کہ آدمی ایک کاپی بنالے اور اس کاپی کے اندر یہ لکھے کہ میرے ذمے فلاں فلاں حقوق ہیں، میرے ذمے اتنی نمازیں باقی ہیں، اتنے روزے باقی ہیں، اتنی زکوٰۃ باقی ہے، فلاں فلاں لوگوں کے قرضے باقی ہیں، آج سے میں ان کی ادائیگی شروع کررہا ہوں، اگر مکمل ادائیگی سے پہلے میرا انتقال ہوجائے تو میرے ترکہ سے ان عبادات کا فدیہ اور قرضہ ادا کردیا جائے۔

اگر تمام حقوق کی ادائیگی سے پہلے موت آگئی

اب اگر اس شخص نے ان نمازوں کو ادا کرنا شروع کردیا، روزوں کو اور زکوٰۃ کو ادا کرنا شروع کردیا، لوگوں کے جو حقوق واجب تھے ان کی ادائیگی کی فکر شروع کردی اور کوشش شروع کردی تو اس شخص کے بارے میں حضرت والا فرمارہے ہیں کہ اگر وہ شخص اس کوشش کے دوران مرگیا یعنی ابھی ساری عبادات سابقہ ادا نہیں ہوئی تھی ابھی تمام حقوق کی ادائیگی کی تکمیل نہیں ہوئی تھی کہ اس سے پہلے ہی اس کا انتقال ہوگیا، تو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو معاف فرمادیں گے اور معاف کرنے کا طریقہ یہ ہوگا کہ جن بندوں کے حقوق اس کے ذمے واجب تھے ان بندوں سے فرمائیں گے کہ یہ میرا بندہ ہے، اس نے حقوق ادا کرنے شروع کردیے تھے اور اپنی طرف سے پوری کوشش کی تھی، لیکن اس کی عمر ختم ہوگئی تھی جس کی وجہ سے پورے حقوق ادا نہیں کرسکا، لیکن چونکہ اس نے اخلاص کے ساتھ ادائیگی شروع کردی تھی، اس لیے اب ہم اور بڑی نعمتیں دے کر تمہیں راضی کردیتے ہیں، لہٰذا اس کے حقوق معاف کردو۔

حقوق کی معافی کا راستہ

حضرت والا نے یہاں اس ملفوظ میں یہ بات اختصار کے ساتھ بیان فرمائی ہے، لیکن ایک وعظ میں حضرت والا نے یہ بات تفصیل سے بیان فرمائی ہے، چنانچہ آپ نے وہاں پر یہ بیان فرمایا کہ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ حقوق العباد کی معافی کا کوئی راستہ نہیں جب تک ان حقوق کو یا تو ادا نہ کردیا جائے یا صاحبِ حق سے معاف نہ کرالیا جائے۔ اس غلط فہمی کے نتیجے میں بعض اوقات لوگوں میں مایوسی پیدا ہو جاتی ہے کہ میرے ذمے اتنے سارے لوگوں کے حقوق واجب ہیں، اگر آج سے میں نے ان حقوق کو ادا کرنا شروع بھی کردیا تو بھی ساری عمر کھپا دوں گا، تب بھی تمام حقوق ادا نہیں کر سکوں گا اور جب دل میں مایوسی پیدا ہو جاتی ہے تو پھر جو کچھ تھوڑے بہت حقوق ادا کر سکتا تھا اس سے بھی رک جاتا ہے۔

مایوس ہونا ٹھیک نہیں

اس لیے ہمارے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا مذاق تو یہ تھا کہ

سوئے نا امیدی مرو امیدہاست
سوئے تاریکی مرو خورشیدہاست

یعنی ناامیدی اور ظلمت وتاریکی کا کوئی راستہ نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ نے امید کے راستے رکھے ہیں اس لیے یہ خیال غلط ہے کہ حقوق العباد کی معافی کا کوئی راستہ نہیں، کیونکہ جب اللہ کا ایک بندہ حقوق العباد ادا کرنے کے لیے آمادہ ہوگیا اور حقوق ادا کرنے شروع کر دیے، اپنی سی کوشش صرف کردی، اس دوران اس کا انتقال ہوگیا تو اللہ تعالیٰ اصحابِ حقوق کو راضی فرمادیں گے۔

سو انسانوں کے قاتل کا واقعہ

اس بارے میں حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس مشہور واقعہ سے استدلال فرمایا جو حدیث شریف میں آتا ہے۔ وہ واقعہ یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی امت میں ایک شخص قاتل تھا، اس شخص نے ننانوے آدمیوں کو قتل کر دیا، ننانوے آدمیوں کو قتل کرنے کے بعد اس کے دل میں خدا کا خوف پیدا ہوا کہ یا اللہ! میں نے یہ کیا کر دیا، ایک انسان کی جان لینا ایسا ہے جیسے پورے عالمِ انسانیت کی جان لے لینا اور قتلِ نفس کی جو سزا قرآنِ کریم نے بیان کی ہے، دوسرے کسی گناہ کے لیے ایسی سزا بیان نہیں فرمائی، چنانچہ فرمایا:

وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَاؤُهٗ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيْهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهٗ وَأَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا [1]

یعنی جو شخص جان بوجھ کر کسی مؤمن کو قتل کرے، تو اس کی سزا جہنم ہے اور وہ ہمیشہ اس میں رہے گا اور اس پر اللہ تعالیٰ کا غضب اور اللہ تعالیٰ کی لعنت ہوگی اور اس کے لیے اللہ تعالیٰ نے بڑا عذاب تیار کر رکھا ہے۔

یہ الفاظ کفر اور قتلِ نفس کے علاوہ کسی اور گناہ کے لیے بیان نہیں فرمائے۔

سو (۱۰۰) کا عدد پورا کر دیا

بہر حال! ننانوے آدمیوں کو قتل کرنے کے بعد اس کو فکر ہوئی کہ اب میں کیا کروں، چنانچہ وہ ایک عیسائی پادری کے پاس چلا گیا اور اس سے جا کر کہا کہ

---

(۱) سورۃ النساء آیت (۹۳)۔

میں نے ننانوے قتل کیے ہیں، میری نجات کا کوئی راستہ بتاؤ، پادری نے کہا کہ تیری نجات کا کوئی راستہ نہیں، کیونکہ ایک آدمی کو قتل کرنا بہت بڑا گناہ ہے، تو نے تو ننانوے انسانوں کو قتل کردیا، لہٰذا تیری نجات کا تو کوئی راستہ نہیں، تو تو جہنمی ہے۔ اس شخص کو بڑا غصہ آیا کہ میں تو نجات کا راستہ پوچھنے آیا اور یہ کہتا ہے کہ کوئی راستہ نہیں، اس نے سوچا کہ ننانوے قتل تو کردیے ہیں، ایک اور سہی تا کہ سو کا عدد پورا ہوجائے، چنانچہ اس نے اس پادری کو بھی قتل کردیا۔

پھر کسی اور راہب کے پاس گیا اور اس سے کہا کہ میں نے سو انسانوں کو قتل کردیا ہے، میری نجات کا کوئی راستہ بتاؤ، اس راہب نے کہا کہ تم توبہ کرو اور اللہ تعالیٰ سے معافی مانگو اور ایسا کرو کہ فلاں بستی کے لوگ بہت نیک ہیں، تم اس بستی میں جاکر رہو، اس راہب کا مقصد یہ تھا کہ جب یہ شخص اس بستی میں رہے گا تو نیک لوگوں کی صحبت حاصل ہوگی، اس کے ذریعے اس کے حالات درست ہوجائیں گے اور جو گناہ اس نے کیے ہیں اس کی تلافی کی کوشش کرے گا، چنانچہ یہ شخص اس بستی کی طرف چل پڑا۔

رحمت اور عذاب کے فرشتوں میں جھگڑا

ابھی راستے میں تھا کہ اس کی موت واقع ہوگئی اور اس کا انتقال ہوگیا، حدیث شریف میں آتا ہے کہ اس کے بارے میں ملائکۂ رحمت اور ملائکۂ عذاب کے درمیان جھگڑا ہوگیا، ملائکۂ عذاب نے کہا کہ یہ شخص سو قتل کر کے آیا ہے، لہٰذا یہ ہمارا آدمی ہے اس کو ہم جہنم میں لے جائیں گے۔ ملائکۂ رحمت نے کہا کہ یہ شخص توبہ کر کے نیک بننے کے لیے چل پڑا تھا، لہٰذا یہ ہمارا آدمی ہے ہم اس کو جنت میں لے جائیں گے۔

اللہ تعالیٰ کا فیصلہ

جب یہ دونوں جھگڑنے لگے تو اللہ تعالیٰ نے یہ فیصلہ فرمایا کہ جہاں سے یہ شخص چلا تھا اس کی پیائش کرو اور جس بستی کی طرف جا رہا تھا اس کی پیائش کرو اور یہ دیکھو کہ موت کے وقت کونسی جگہ سے قریب تھا؟ جس بستی سے روانہ ہوا اس سے قریب تھا یا جس بستی کی طرف جا رہا تھا اس سے قریب تھا؟ پھر جس بستی سے یہ شخص قریب ہو اسی کا معاملہ کرو۔ چنانچہ دونوں طرف کے راستوں کی پیائش کی گئی تو وہ جس بستی کی طرف جا رہا تھا اس طرف ایک گز زیادہ قریب تھا، گویا کہ آدھے راستے سے ایک گز آگے بڑھ گیا تھا، اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا کہ اس شخص کو رحمت والے فرشتوں کے حوالے کر دیا جائے[1]۔

اس واقعہ سے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا استدلال

حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ نے اس واقعہ سے استدلال فرمایا کہ اس شخص نے جو سو قتل کیے تھے وہ حقوق العباد سے متعلق تھے، لیکن چونکہ وہ شخص حقوق العباد کی ادائیگی کا عزم کر کے چل پڑا تھا اس لیے اللہ تعالی نے اس شخص کی توبہ قبول فرمالی اور اس کو بخش دیا اور جہاں تک تعلق ہے ان بندوں کا جن کو قتل کیا تھا اللہ تعالی قیامت کے دن ان مقتولین کے درجات بلند کر کے ان کو راضی کر دیں گے۔

پیائش کرانے کی کیا ضرورت تھی؟

اس واقعہ میں اللہ تعالی نے فرشتوں کو یہ جو حکم فرمایا کہ دونوں طرف کے

---

(۱) صحیح البخاری ١٧٤/٤ (٣٤٧٠) و صحیح مسلم ٢١١٨/٤ (٢٧٦٦)۔

راستوں کی پیائش کرو اور دیکھو کہ کون سی بستی زیادہ قریب ہے؟ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب اللہ تعالی نے اس کو بخشنے کا ارادہ کر ہی لیا تھا تو پیائش کرانے کی کیا ضرورت تھی؟ فرض کرو کہ اگر اس شخص کی موت ایک دو گز پہلے آجاتی تب بھی تو اس نے توبہ کا ارادہ کر ہی لیا تھا اور اپنی سی کوشش شروع کردی تھی لہٰذا پیائش کرانے اور قریب اور دور ہونے کی بنیاد پر فیصلہ کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ یہ اشکال میرے ذہن میں بہت عرصے سے تھا اور اس تلاش میں تھا کہ اس کا جواب کہیں مل جائے۔

حقوق العباد کی ادائیگی کے لیے اپنی طرف سے قدم بڑھانا شرط ہے

بعد میں اللہ تعالی نے میرے دل میں اس کا یہ جواب ڈالا کہ اللہ تعالی کے پیائش کرانے کا مقصد یہ نہیں تھا کہ پیائش کرانے کے بعد فیصلہ فرمائیں گے بلکہ اس کی معافی کا فیصلہ تو پہلے ہی فرما چکے تھے، اس پر نوازش ہوچکی تھی، لیکن بندوں کو یہ بتانے کے لیے پیائش کی گئی کہ یہ معافی کا معاملہ اس وقت ہوتا ہے جب آدمی اصلاح کے راستے پر معتد بہ راستہ چل پڑا ہو، یہ نہیں کہ کسی نے اپنی اصلاح کا اور تبدیلی لانے کا جھوٹا موٹا ارادہ کرلیا پھر سستی کے عالم میں پڑا رہا، اس کے ساتھ معافی کا معاملہ نہیں ہوسکتا، لہٰذا اس واقعہ کے ذریعے یہ بتانا چاہتے ہیں کہ اصلاح کا ارادہ کرنے کے بعد معتد بہ قدم اٹھنے چاہیے، معتد بہ راستہ قطع ہونا چاہیے اس کے بعد اللہ تعالی کی رحمت آئیگی، یہ نہ ہو کہ کسی کے وعظ وتقریر میں نصیحت کی بات سن لی اور ارادہ کرلیا کہ اس نصیحت پر ضرور عمل کریں گے، لیکن کیا کچھ نہیں، تو ایسے ارادے کا کوئی اعتبار نہیں، لہٰذا بندوں پر یہ بات ظاہر کرنے کے لیے اللہ تعالی نے حکم فرمایا کہ اس زمین کی پیائش کرو اور یہ دیکھو کہ

اس نے معتد بہ راستہ قطع کرلیا تھا یا نہیں؟ جب پیمائش کے بعد پتہ چل گیا کہ اس شخص نے معتد بہ راستہ طے کرلیا تھا تب اس کی معافی کا فیصلہ فرمایا۔

خلاصہ

خلاصہ یہ کہ گناہ صغیرہ کی معافی کا راستہ اللہ تعالیٰ نے اعمال صالحہ کو بنا دیا ہے اور وہ گناہ کبیرہ جن کا تعلق حقوق اللہ سے ہے اور جن کی تلافی ممکن نہیں، ان کی معافی کے لیے توبہ ہے اور وہ گناہ جن کا تعلق حقوق العباد سے ہے یا ان حقوق اللہ سے ہے جن کی تلافی ممکن ہے ان کی معافی کا راستہ یہ ہے کہ اہتمام کرکے ان کی ادائیگی شروع کردے اور ساتھ میں وصیت بھی کردے کہ اگر میں ان کو مکمل نہ کرسکا تو میرے ترکہ میں سے ان عبادات کا فدیہ اور قرضہ ادا کردیا جائے جب یہ سب کرلیا تو بندے نے اپنے حصے کا کام کرلیا اب اللہ تعالیٰ کی رحمت سے امید ہے کہ اس کا بیڑہ پار کردیں گے۔

گناہ کا تقاضا گناہ نہیں

آگے ایک ملفوظ میں حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا:

> امور طبعیہ پر مؤاخذہ نہیں، بلکہ ان کے مقتضیٰ پر عمل کرنے سے مؤاخذہ ہوتا ہے وہ بھی اس وقت جبکہ عمداً اس پر عمل کیا جائے اور اگر طبعی ناگواری سے مغلوب ہوکر کسی وقت کوئی کلمہ بیجا زبان سے نکل جائے اور بعد میں اس سے معذرت کرلی جائے تو حق تعالیٰ اس کو معاف فرمائیں گے۔　(انفاس عیسیٰ ص ۱۹۸)

اس ملفوظ میں حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ نے ایک بہت اہم اصول بیان فرمایا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ گناہوں کا صدور یا تو طبعی داعیہ اور محرکات کے ذریعے ہوتا ہے یا انسان کے اندر جو اخلاق رذیلہ ہوتے ہیں وہ انسان کو گناہ پر آمادہ کرتے ہیں۔ اب بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ صرف گناہ کے داعیہ اور تقاضے کا دل میں پیدا ہوجانا ہی گناہ ہے۔ حضرت والا اس غلط فہمی کو دور فرما رہے ہیں کہ محض تقاضا کا دل میں پیدا ہوجانا گناہ نہیں جب تک انسان اس تقاضے پر عمل نہ کرے۔

غصہ کا علاج سب سے مقدم ہے

مثلاً غصہ کرنا برا ہے اور یہ ان چیزوں میں سے ہے کہ تصوف اور طریقت میں سب سے پہلے اس کا علاج کیا جاتا ہے یہ غصہ انسان کے باطن کو بالکل تباہ کرنے والا ہے اس لیے جب کوئی اللہ کا بندہ اپنی اصلاح کے لیے کسی شیخ کے پاس جاتا ہے تو پہلے قدم کے طور پر اس کے غصے کی اصلاح کی جاتی تاکہ اس کا غصہ قابو میں آجائے۔

غصہ اور شہوت کے تقاضے پر عمل کرنا گناہ ہے

اب بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ غصے کا دل میں پیدا ہونا ہی گناہ ہے۔ حضرت والا فرما رہے ہیں کہ محض غصہ کا دل میں پیدا ہوجانا گناہ نہیں بلکہ گناہ اس وقت ہوگا جب اس غصہ کے تقاضے پر عمل کرکے کسی کے ساتھ زیادتی کروگے۔ اسی طرح شہوت ہے شہوت کے خیال کا دل میں خود بخود پیدا ہوجانا گناہ نہیں، لیکن اگر اس خیال کو جان بوجھ کر پیدا کرے گا یا اس خیال کو جان بوجھ کر باقی رکھے گا یا اس شہوت کے تقاضے پر کوئی ایسا عمل کر گزرے گا جو شرعاً ناجائز ہے تو

گناہ گار ہوگا، مثلاً شہوت کا خیال آنے کے نتیجے میں نگاہ غلط جگہ پر ڈال دی تو اب وہ گناہگار ہوگا۔ سارے امراضِ باطنہ اور رذائل کا یہی معاملہ ہے۔

حسد کے تقاضے پر عمل کا گناہ ہے

مثلاً حسد ہے آپ کے دل میں کسی شخص کی طرف سے حسد ہے، اب اس کے بارے میں کسی اچھائی کی خبر سن کر آپ کے دل میں یہ خیال پیدا ہو کہ یہ کیوں آگے بڑھ گیا؟ اس کے پاس پیسے کیوں زیادہ آگئے؟ اس کے پاس دولت کیوں زیادہ ہوگئی؟ وغیرہ۔ صرف دل میں اس خیال کا پیدا ہوجانا یہ گناہ نہیں، کیونکہ یہ خیال غیر اختیاری طور پر دل میں پیدا ہوا ہے، یہ خیال اس وقت گناہ بنے گا جب تم اس خیال کے آنے کے نتیجے میں اس شخص کے ساتھ کوئی بدسلوکی کروگے، مثلاً آپ کے دل میں یہ خیال آیا کہ فلاں شخص مجھ سے آگے بڑھ گیا یہ تو بہت برا ہوا، اب تم نے سوچا کہ کوئی ایسا کام کرو کہ اس سے آگے بڑھنے میں رکاوٹ پیدا ہوجائے مثلاً اس کی چغلی کرو، لوگوں کے سامنے اس کی برائی بیان کرو، اس کی غیبت کرو، تو ان کاموں کے کرنے کے نتیجے میں وہ حسد گناہ بن جائے گا محض دل میں خیال آجانے سے گناہ نہیں بنتا۔

حسد کے دو علاج

البتہ حسد کے بارے میں امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ (۱) فرماتے ہیں کہ جس شخص کے دل میں دوسرے کی برائی کا خیال آرہا ہو، اس کو فوراً دو کام کرنے چاہئیں ورنہ وہ حسد کے نتیجے میں گناہ میں مبتلا ہوجائے گا۔ ایک کام یہ کرے کہ اس خیال کو دل

(۱) ملاحظہ ہو احیاء علوم الدین للغزالی ۲۰۰/۳ طبع دار المعرفة

میں برا سمجھے کہ میرے دل میں یہ جو خیال آرہا ہے یہ بہت برا خیال ہے اور اللہ تعالیٰ سے دعا بھی کرے کہ یا اللہ! یہ برا خیال میرے دل سے نکال دیجیے، دوسرا کام یہ کرے کہ جس شخص کی طرف سے یہ برا خیال آرہا ہے اس کے حق میں دعائے خیر کرے مثلاً آپ کے دل میں اس بات کا دکھ ہو رہا ہے کہ فلاں شخص مجھ سے آگے کیوں نکل گیا اس کے لیے یہ دعا کرے کہ یا اللہ اس کو اور ترقی عطا فرما۔ جب تم یہ دعا کروگے تو دل پر آرے چل جائیں گے، لیکن یہ آرے چلانے مقصود ہیں تاکہ اس بیماری کا علاج ہو۔ اگر اس کی دولت کی وجہ سے اس پر حسد ہو رہا تھا تو اس کے لیے یہ دعا کرو کہ یا اللہ اس کو اور دولت عطا فرما۔ اگر اس کے منصب کی وجہ سے حسد ہو رہا تھا تو یہ دعا کرو کہ یا اللہ اس کو اور بڑا منصب عطا فرما، اس کو اور زیادہ ترقی عطا فرما، لہٰذا جس چیز کی وجہ سے حسد ہو رہا تھا اس کی زیادتی کی دعا کرے، جب حسد پیدا ہو تو فوراً یہ دو کام کرے ورنہ یہ حسد کسی نہ کسی وقت آدمی کو تباہ کردے گا۔

بہر حال! جتنے بھی برے اخلاق ہیں ان سب کا اصول حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس ملفوظ میں بیان فرمایا کہ ''محض امور طبعیہ پر مؤاخذہ نہیں، بلکہ ان کے مقتضیٰ پر عمل کرنے سے مؤاخذہ ہوتا ہے'' پھر فرمایا کہ ''وہ بھی اس وقت جب کہ عمداً اس پر عمل کیا جائے''۔

طبعی ناگواری سے مغلوب ہوکر زبان سے نکلنے والے کلمات

آگے بڑی چھوٹ والی بات ارشاد فرمادی کہ ''اگر طبعی ناگواری سے مغلوب ہوکر کسی وقت کوئی کلمہ بیجا زبان سے نکل جائے اور بعد میں اس سے معذرت کرلی جائے تو حق تعالیٰ اس کو معاف فرمادیں گے''۔ یعنی ویسے تو غصہ قابو میں

آ گیا ہے اور کسی شخص کی صحبت کے نتیجے میں اور اس کے آگے رگڑے کھانے کے نتیجے میں طبیعت میں ایک اعتدال پیدا ہونے لگا اور غصہ قابو میں آنے لگا، لیکن پھر بھی کسی کسی وقت وہ غصہ بے قابو ہوجاتا ہے جیسے کسی بات پر ناگواری پیدا ہوئی، اس کے نتیجے میں ایک دم سے بھڑک اٹھا اور اس کی وجہ سے زبان سے کوئی نازیبا کلمہ نکل گیا تو ایسا ہوجاتا ہے اس کے بارے میں یہ نہ سمجھے کہ یہ کوئی غیر معمولی اور ناقابل اصلاح بات ہوگئی البتہ جب ایسا ہو جائے تو جس کے ساتھ اس قسم کا معاملہ ہوا تھا اس سے معذرت کرلے، لیکن یہ نہ سمجھے کہ اب میرا غصہ قابلِ اصلاح نہیں بلکہ اپنے غصہ کی اصلاح کی فکر کرے۔

ایک صحابی کو غصہ نہ کرنے کی نصیحت

حدیث شریف [1] میں آتا ہے کہ ایک صحابی حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے نصیحت فرمایئے اور مختصر فرمایئے ایک تو نصیحت کی درخواست کی اور ساتھ مختصر نصیحت کی درخواست کی، حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو برا نہیں مانا کہ تم نصیحت بھی طلب کرتے ہو اور ساتھ میں شرطیں بھی لگاتے ہو اور نہ اس پر ناگواری کا اظہار فرمایا بلکہ آپ نے اس کی اس فرمائش کی تعمیل فرمائی۔ اس سے پتہ چلا کہ اگر کوئی شخص مختصر نصیحت طلب کرے تو اس کو مختصر نصیحت کردو اس لیے کہ اس کے پاس وقت کم ہے اور وہ یہ چاہتا ہے کہ ایک منٹ میں مجھے کوئی دین کی بات حاصل ہوجائے اس کی اس فرمائش کو پورا کردو، اس لیے کہ دین کی باتیں ایسی بھی ہیں جو ایک

(۱) صحیح البخاری ۲۲/۵ (۳۴۲۹) وسنن الترمذی ۵٤٦/۳ (۲۰۲۰)۔

منٹ یا دو منٹ میں بھی ہو سکتی ہیں بہر حال! ان صحابی کی فرمائش پر حضور ﷺ نے یہ نصیحت فرمائی کہ

"لا تغضب"

غصہ مت کرنا۔

اس سے پتہ چلا کہ غصہ ان چیزوں میں سے ہے کہ حضورِ اقدس ﷺ کے نزدیک اس سے بچنے کی اتنی اہمیت تھی کہ مختصر نصیحت کے وقت آپ نے اسی کا انتخاب فرمایا۔

ابتداءً بالکل غصہ کرنا چھوڑ دو

اسی لیے ہمارے حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کے طریق میں غصہ ان چیزوں میں سے ہے جس کا سب سے پہلے علاج کیا جاتا ہے جب کوئی شخص کسی شیخ کی خدمت اپنی اصلاح کے لیے جاتا ہے تو شروع میں اس سے یہ کہا جاتا ہے کہ تم غصہ بالکل مت کرو، نہ غصہ کے صحیح محل پر غصہ کرو اور نہ ہی بے محل غصہ کرو، جہاں غصہ کرنے کا حق ہے وہاں بھی غصہ نہ کرو تاکہ تمہاری طبیعت اعتدال پر آجائے، لیکن اس کے باوجود کسی وقت غیر اختیاری طور پر منہ سے نازیبا کلمات نکل جائیں تو جس کے خلاف وہ کلمات نکلے ہیں اس سے معافی مانگ لو معذرت کرلو کہ بھائی میرے منہ سے یہ الفاظ نکل گئے، غلطی ہوگئی، معاف کردو، جب یہ کرلو گے تو ان شاء اللہ آئندہ کے لیے راستہ کھل جائے گا۔

معافی مانگنے سے شرم مت کرو

معافی مانگ لینے میں کوئی ذلت نہیں ہے بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ جان جائے مگر ناک نیچی نہ کرنی پڑے یہ تصور اور خیال بہت خراب ہے کیونکہ تکبر پر مبنی ہے، اس لیے جب کبھی ایسا ہوجائے معافی مانگ لو معافی مانگنے میں کیا رکھا ہے اگر دنیا میں معافی مانگ لی تو یہاں معافی ہوجائے گی اگر خدانخواستہ یہاں معاف نہیں کرایا اور آخرت میں جاکر حساب کتاب دینا پڑا تو اس کا بڑا خطرناک انجام ہوسکتا ہے اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ سب کو بھی ان باتوں پر عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

مدیرانِ جرائد سے

(اصلاحِ معاشرہ ص ۵۱)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مدیران جرائد سے

حمد وستائش اس ذات کے لیے جس نے اس کارخانۂ عالم کو وجود بخشا۔ درودوسلام اس کے آخری پیغمبر پر جنہوں نے دنیا میں حق کا بول بالا کیا۔

صحافت کسی قوم کے ذہن کی تعمیر وتخریب میں جو اہم کردار ادا کرتی ہے وہ کسی بھی ہوش مند انسان سے مخفی نہیں۔ موجودہ دور میں اخبارات اور رسائل ایسی چیزیں ہیں جن سے کوئی پڑھا لکھا گھرانہ خالی نہیں ہوتا، لہٰذا ان کے ذریعے صحیح بات کو گھر گھر پہنچایا جاسکتا ہے، خاص طور سے روزانہ اخبارات آج کل کی زندگی کا لازمی جزء بن کر رہ گئے ہیں، یہاں تک کہ جو ان پڑھ لوگ ان کو پوری طرح سمجھ نہیں سکتے وہ بھی ان سے بالواسطہ یا بلاواسطہ متاثر ہو کر رہتے ہیں۔

ان حالات میں اخبارات کے اربابِ ادارت اور اصحابِ انتظام پر پوری قوم کی زبردست ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ انہوں نے زندگی کے جس شعبے کو اختیار کیا ہے وہ محض ایک تجارتی پیشہ یا ایک ذریعۂ معاش نہیں ہے، بلکہ قوم کی ذہنی قیادت ورہنمائی کا ایک ایسا منصب ہے جو بڑی نازک ذمہ داریوں کا حامل

ہے۔ کسی انسان کی معاشی ضروریات اگر کسی قومی یا اجتماعی خدمت کے ساتھ وابستہ ہوجائیں تو یہ اللہ کا بہت بڑا انعام ہے، کیونکہ اس مقام پر اس کو دنیا وآخرت دونوں کی بھلائی ایک ہی کام سے حاصل ہو جاتی ہیں، لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اس کام کو خالص تجارت قرار دے کر اس کے اجتماعی فوائد کو تجارتی منافع کی بھینٹ چڑھا دیا جائے۔

افسوس ہے کہ جب ہم اس نقطہ نظر سے اپنے ملک کی صحافت کا جائزہ لیتے ہیں تو حسرت اور مایوسی کے سوا کچھ ہاتھ نہیں آتا۔ ہمیں اس بات کا اعتراف کرنا چاہیے کہ پچھلے اٹھائیس سال میں ہماری صحافت نے نئی نسل کا مزاج بگاڑنے، اس کے اخلاق خراب کرنے اور اسے نفسانی خواہشات کا غلام بنانے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی۔ ایک صحافی کا فرض یہ ہے کہ وہ جس بات کو اپنے قومی حالات کے لحاظ سے حق سمجھتا ہے اسے بے خوف وخطر حق کہے اور اس کے اظہار میں کسی لالچ یا خوف کو حائل نہ ہونے دے، لیکن افسوس یہ ہے کہ ہماری صحافت میں حق و ناحق کے فیصلے اکثر و بیشتر حکومت یا عوام کے تیور دیکھ کر کیے جاتے رہے ہیں۔

ہمارے اربابِ صحافت کا ایک گروہ وہ ہے جو ہر صاحبِ اقتدار کی مدح وتوصیف اور اس کے ہر قول وفعل کی توثیق وتصویب کا خوگر رہا ہے۔ یہاں تک کہ ایسی مثالیں بھی ہماری صحافت میں ایک دو نہیں بے شمار ہیں کہ ایک ہی شخص کسی صاحب اقتدار کو اس کے عہد حکومت میں آفتاب ومہتاب قرار دیتا ہے اور اس کے ہر جائز وناجائز فعل پر احسنت و مرحبا کی صدائیں بلند کرتا ہے، لیکن جب اس کا اقتدار ڈھلتا ہے اور اس کا کوئی مخالف حکومت کی کرسی سنبھالتا ہے تو اسے بدترین آمر اور اس کے عہدِ حکومت کو بدترین عہدِ حکومت قرار دینے میں

اسے کوئی باک محسوس نہیں ہوتا۔

دوسری طرف اہلِ صحافت کا ایک گروہ وہ ہے جس کا مطمحِ نظر عوامی مقبولیت اور عوام کی تحسین وآفرین کا حصول ہے اور اس مقصد کے لیے وہ عوام کی رہنمائی کرنے کے بجائے ان کی خواہشات کے پیچھے چلتا ہے اور ہر ایسی بات کہنے سے پرہیز کرتا ہے جس سے عام لوگوں کی تعریف وتوصیف حاصل نہ ہو سکے۔ ہماری شامتِ اعمال یہ ہے کہ ہمیں ایسے حکمران کبھی میسر نہیں آسکے جنہیں عام ہر دل عزیزی حاصل ہو۔ اس کے نتیجے میں ملک کی فضا کچھ ایسی بن گئی ہے کہ حکومت کے خلاف لکھنے والا عوام میں ہیرو بنتا ہے اور بات کی ذاتی خوبی وخرابی سے قطع نظر، مجرد حکومت کی مخالفت پر عوامی تحسین وآفرین حاصل ہوتی ہے، چنانچہ بعض اہلِ صحافت نے حکومت کی مخالفت کو اپنا نصب العین بنا رکھا ہے اور بسا اوقات اس کی وجہ یہ نہیں کہ ایسا کرنا ہمارے اجتماعی مقصد کے لیے ضروری یا مفید ہے، بلکہ اس کا منشاء یہ ہوتا ہے کہ اس کے صلے میں عوام کی طرف سے حق گوئی وبے باکی کے خطابات وصول ہوں گے اور گلے میں تحسین وتبریک کے ہار ڈالے جائیں گے اس کا نتیجہ یہ ہے کہ عوام کی جو فکری رہنمائی اخبارات کے ذریعے ہو سکتی تھی وہ حکومت کے موافق اور مخالف دونوں قسم کے اخبارات سے نہیں ہوتی۔

پھر اس سے زیادہ خطرناک بات یہ ہے کہ آج کے اخبارات اپنا ظاہری ڈھانچہ مرتب کرتے وقت کبھی یہ سوچنے کی زحمت گوارا نہیں کرتے کہ قوم پر اور خاص طور سے ناپختہ ذہنوں پر اس کے کیا اثرات مرتب ہوں گے؟ ہمیں یہ لکھتے ہوئے انتہائی دکھ ہوتا ہے کہ تجارتی منافع کی دوڑ میں ہماری صحافی برادری نے عفت واخلاق کی ہر قدر کو پامال کر ڈالا ہے۔ عریانی وفحاشی کو فروغ دینے میں

ہر اخبار دوسرے سے آگے نکل جانے کی فکر میں ہے، سینما کے اشتہارات کا حصہ جس قدر متعفن اور اخلاقی جذام کا حامل ہوتا ہے وہ تو کسی تشریح کا محتاج نہیں، عام خبروں کا حصہ بھی بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ کوئی شریف اور باحیا انسان اسے اپنے بچوں کے سامنے نہیں پڑھ سکتا۔ اخلاقی جرائم کی خبریں بہت ممتاز اور نمایاں کرکے شائع کی جاتی ہیں اور ان کی تفصیلات مزے لے لے کر قسط وار بیان ہوتی ہیں اور کچھ نہیں تو کسی غیر ملکی فاحشہ کی کسی معمولی نقل وحرکت کی خبر شائع کرنے کے بہانے اس کی نیم عریاں تصویر شائع کر دی جاتی ہے۔ خاص طور سے شام کے اخبارات نے تو اس معاملے میں قیامت ہی ڈھا رکھی ہے اور ان کا کوئی شمارہ اس قسم کی اخلاق سوز تصویروں سے خالی نہیں ہوتا۔

سوال یہ ہے کہ اگر کسی غیر ملکی شہزادی نے کسی شخص سے ناجائز تعلقات قائم کر رکھے ہیں یا کوئی مشہور خاتون کسی جزیرے میں اپنے شوہر کے ساتھ ہنی مون منا رہی ہے تو پاکستان کے نوجوانوں نے کیا قصور کیا ہے کہ اس کی تفصیلات سنا سنا کر ان کا ذہن خراب کیا جائے اور یہ ایسی کون سی خبر ہے جس سے واقف ہونا اہلِ پاکستان کے لیے ناگزیر ہے؟ یا اگر کسی ایکٹر اور ایکٹریس میں باہمی ناچاقی کے بعد کوئی سمجھوتہ ہو گیا ہے تو پاکستان کی نوخیز نسل کے ذمے کیا فریضہ عائد ہوتا ہے کہ وہ اس کی تمام تفصیلات سے باخبر ہو؟ لیکن ہمارے اخبارات ہیں کہ اس نوع کی خبروں کو چار دانگ عالم سے اکٹھا کر کے ان کا سڑا ہوا ملغوبہ ہماری نوجوان نسل کے آگے اس طرح لا ڈالتے ہیں جیسے دنیا بھر میں اس سے اہم خبر کوئی نہیں۔

صحافت کو محض ایک ذریعۂ تجارت بنالینا بجائے خود ایک مذموم حرکت ہے،

لیکن ناپختہ ذہنوں کی کمزوریوں سے فائدہ اٹھا کر معاشی منافع حاصل کرنا تو تجارت کی بھی سب سے بدتر اور سب سے گھناؤنی قسم ہے، چہ جائیکہ صحافت جیسے مقدس کام کو اس سے ناپاک کیا جائے، لیکن افسوس اور صد افسوس کہ ہماری صحافت میں اس پاکی و ناپاکی کا احساس عنقا ہوتا جارہا ہے اور روز بروز اس خطرناک طرزِ عمل کی سنگینی میں اضافہ ہورہا ہے۔ گزشتہ چند سالوں میں نوبت کہاں تک پہنچ گئی ہے؟ اس کا اندازہ کرنے کے لیے آج سے بیس سال پہلے کے اخبارات کا موازنہ آج کے اخبارات سے کر کے دیکھ لیجیے اندازہ ہو جائے گا کہ عریانی وفحاشی کے جذام نے کس رفتار سے ہماری صحافت میں سرایت کی ہے؟

آج کی نشست میں ہم اپنے ملک کے مدیرانِ جرائد سے یہ التجا کرنا چاہتے ہیں کہ خدارا اس ستم رسیدہ قوم کی حالت پر رحم کیجیے جو مادی اور اخلاقی اعتبار سے گوناگوں تباہیوں کا سامنا کر رہی ہے۔ یہ قوم نہ اپنے مزاج ومذاق اور دین ومذہب کے لحاظ سے ان عیاشیوں کی متحمل ہے اور نہ اس کے مادی وسائل وذرائع اس کی اجازت دیتے ہیں، دنیا کی دوسری اقوام عریانی وفحاشی اور عیش پرستی اختیار کر کے دنیا میں کچھ روز مزے اڑا سکتی ہیں، لیکن یہ مسلمان قوم جس کا خمیر کلمہ لا الہ الا اللہ سے اٹھا ہے، اس کے لیے عیش ونشاط اور طاؤس ورباب کا راستہ اختیار کرنے کے بعد تباہی وبربادی کے سوا کچھ نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو فکری قیادت کا منصب عطا کیا ہے، آپ اپنی مخلصانہ جدوجہد کے ذریعے اس قوم کو اخلاق وشرافت کے بامِ عروج تک لے جاسکتے ہیں اور پھر انسانیت کی خدمت کے لیے اس قوم کے سارے کارنامے آپ کے نامۂ اعمال میں لکھے جاسکتے ہیں۔ آپ کا فریضہ یہ ہے کہ اگر نئی نسل کسی غلط سمت کا رخ کر رہی ہے تو

آپ اپنی حکمت وبصیرت اور اپنی محبت وشفقت سے اس کا رخ بدلنے کی کوشش کریں، نہ یہ کہ بے راہ روی میں اس کی حوصلہ افزائی کے مرتکب ہوں۔ آپ کے اسلاف نے آپ کو غیرت وحمیت اور عفت وعصمت کی میراث عطا کی تھی، لیکن آپ اپنے بچوں کے لیے کیا چھوڑ کر جانا چاہتے ہیں؟ بے حیائی، بداخلاقی، آبرو باختگی، اور ذلت ورسوائی۔

آپ کی نگاہ اس تھوڑی سے زائد آمدنی پر ہے جو اس قسم کے فحش اور عریاں مضامین اور اشتہارات کے ذریعے حاصل ہوتی ہے، لیکن خدا کے لیے سوچیے کہ کیا یہ تھوڑی سی زائد آمدنی جو مسلسل نئی نسل کے اخلاق تباہ اور ذہن برباد کررہی ہے ضمیر کو سکون اور روح کو قرار عطا کرسکتی ہے؟ یہ ساری آمدنی اور اس کے ذریعے تعمیر ہونے والے عشرت کدے تو بالآخر یہیں رہ جائیں گے، لیکن آخرت میں اس کے سنگین نتائج اور دنیا میں انمٹ بدنامی کبھی ساتھ نہیں چھوڑ سکتی، قرآنِ کریم کا ارشاد ہے۔

اِنَّ الَّذِیۡنَ یُحِبُّوۡنَ اَنۡ تَشِیۡعَ الۡفَاحِشَةُ فِی الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا
لَهُمۡ عَذَابٌ اَلِیۡمٌ فِی الدُّنۡیَا وَالۡاٰخِرَةِ(۱)

بلاشبہ جولوگ ایمان والوں میں بے حیائی پھیلانا چاہتے ہیں ان
کے لیے دنیا اور آخرت (دونوں) میں دردناک عذاب ہے۔

لہٰذا خدا کے لیے اپنے اخبارات کے طرزِ عمل پر نظر ثانی کیجیے، ان میں اخلاقی جرائم کی خبریں، فحش مضامین اور عریاں اشتہارات کو بند کیجیے۔ صاف ستھری

---

(۱) سورۃالنور آیت(۱۹)۔

صحافت کو فروغ دیجیے۔ قوم کو عریانیت پر مائل کرنے کے بجائے اس میں علم وادب کا پاکیزہ مذاق پروان چڑھایئے اور ان میں ایک ایسا مستحکم ملی شعور پیدا کیجیے جو اس قوم کو خودداری، غیرت وحمیت اور تعمیر وترقی کی راہ پر گامزن کر سکے۔

اس صورت حال کی بہت بڑی ذمہ داری اخبارات کے قارئین پر عائد ہوتی ہے۔ ابھی تک ان قارئین میں اکثریت ان حضرات کی ہے جو اخبارات کی اس روش سے نہ صرف یہ کہ خوش نہیں ہیں، بلکہ اس سے بیزار ہیں، لیکن افسوس یہ ہے کہ ہم سب اپنی بے زاری کے جذبات کو دل ہی دل میں گھونٹ کر رہ جاتے ہیں یا زیادہ سے زیادہ انہیں اپنی نجی مجلسوں تک محدود رکھتے ہیں اور ان کا اظہار اخبارات کے منتظمین پر نہیں کرتے مدیرانِ جرائد کو نہ شخصی ملاقاتوں کے ذریعے اس طرف توجہ دلائی جاتی ہے نہ ان کے پاس اس موضوع کا کوئی خط پہنچتا ہے اور نہ کسی اور طریقے سے انہیں اس طرزِ عمل پر متنبہ کیا جاتا ہے، ہماری گزارش یہ ہے کہ اگر آپ اخبارات کی اس روش کو برا سمجھتے ہیں، اگر آپ کے نزدیک صحافت کا یہ طرز عمل ہماری نوخیز نسل کو خراب کر رہا ہے اور آپ کو ان ناپختہ ذہنوں پر کوئی ترس آتا ہے تو اپنے ان جذبات کو اپنے تک محدود رکھنے کے بجائے صحافت کے ارباب حل وعقد تک پہنچایئے، ان سے ملاقات کے لیے شہریوں کے وفود بنایئے، انہیں خطوط لکھیے اور ان سے مطالبہ کیجیے کہ وہ اس طرزِ عمل سے باز آئیں، اس کام کو صرف علماء اور دینی اداروں کے حوالے کر کے مطمئن ہو جانا کسی طرح آخرت کی ذمہ داری سے سبکدوش نہیں کر سکتا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین

محمد تقی عثمانی   ۱۴ محرم ۶۹ھ

حق کی بنیاد پر
دوسرے کا ساتھ دو

(اصلاحی خطبات ۱۶/۳۰۸)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حق کی بنیاد پر دوسرے کے ساتھ دو

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَاھَادِیَ لَہٗ، وَأَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ وَأَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَنَبِیَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا کَثِیْرًا۔ أَمَّا بَعْدُ!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَ اِنْ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَیْنَھُمَا ۚ فَاِنْ بَغَتْ اِحْدٰىھُمَا عَلَی الْاُخْرٰی فَقَاتِلُوا الَّتِیْ تَبْغِیْ حَتّٰی تَفِیْٓءَ اِلٰٓی اَمْرِ اللّٰہِ ۚ فَاِنْ فَآءَتْ فَاَصْلِحُوْا بَیْنَھُمَا

بِالْعَدْلِ وَ اَقْسِطُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ۝ اِنَّمَا
الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَ اَخَوَيْكُمْ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ
لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۝ (۱)

تمہید

بزرگانِ محترم وبرادرانِ عزیز! ابھی میں نے آپ حضرات کے سامنے سورۂ حجرات کی دو آیتیں تلاوت کیں، سورۃ حجرات کی تفسیر کا سلسلہ پچھلے چند ماہ سے چل رہا ہے، درمیان میں وقتی مسائل کی وجہ سے یہ سلسلہ منقطع ہو گیا تھا، دو آیتیں میں نے تلاوت کیں، پہلے ان کا ترجمہ عرض کرتا ہوں، اس کے بعد اس کی تھوڑی سی تشریح عرض کروں گا، اللہ تعالیٰ اپنی رضا کے مطابق بیان کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ اگر مسلمانوں کے دو گروہوں کے درمیان لڑائی ہو جائے تو دوسرے مسلمانوں کو یہ حکم ہے کہ وہ ان کے درمیان صلح کرائیں۔ یعنی ایسی صورت میں جب مسلمانوں کے دو گروہ باہم ٹکرا گئے ہوں اور ان کے درمیان لڑائی شروع ہو گئی ہو تو پہلا کام جو دوسرے مسلمانوں کے ذمے ضروری ہوتا ہے، وہ یہ کہ ان دونوں گروہوں کے درمیان بیچ بچاؤ کرا کر صلح کرائے اور حتی الامکان ان کو لڑائی سے بچانے کی کوشش کرے، اگر اس طرح کام چل جائے تو بہت اچھا ہے، مقصود حاصل ہے۔

(۱) سورۃ الحجرات آیت (۹-۱۰)۔

ورنہ مظلوم کا ساتھ دو

آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ

فَإِنْ بَغَتْ إِحْدَاهُمَا عَلَى الْأُخْرَىٰ فَقَاتِلُوا الَّتِي تَبْغِي حَتَّىٰ تَفِيءَ إِلَىٰ أَمْرِ اللَّهِ

یعنی اگر کہنے سننے سے لڑائی بند نہ ہو اور صلح کی کوئی صورت نظر نہ آ رہی ہو تو پھر اس وقت یہ دیکھو کہ ان میں سے کون مظلوم؟ اور کون ظالم ہے؟ کون زیادتی کر رہا ہے؟ اور کون زیادتی کا شکار ہو رہا ہے؟ اگر یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ان میں سے ایک گروہ زیادتی کر رہا ہے اور ظلم کا ارتکاب کر رہا ہے تو ایسی صورت میں تمہارا فرض ہے کہ مظلوم کا ساتھ دو اور ظالم کے خلاف تم بھی قتال کرو اور اس سے لڑائی کرو۔ یعنی جب صلح کی کوشش کارگر نہ ہو تو ہر مسلمان کا کام یہ ہے کہ وہ ظالم کا ہاتھ پکڑے اور مظلوم کا ساتھ دے اور اس وقت تک ظالم سے لڑتے رہو جب تک وہ اللہ کے حکم کی طرف لوٹ کر نہ آ جائے۔

نسل یا زبان کی بنیاد پر ساتھ مت دو

یہاں پر دو باتیں حدیث کی روشنی میں سمجھ میں آتی ہیں، ایک یہ کہ قرآنِ کریم نے سارا دار و مدار اس پر رکھا ہے کہ یہ دیکھو کہ کون حق پر ہے اور کون ناحق ہے اور کون ظالم ہے، کون مظلوم ہے، اس بنیاد پر کسی کا ساتھ مت دو کہ یہ میرا ہم وطن ہے یا میرا ہم زبان ہے یا میری جماعت سے تعلق رکھتا ہے، اس بنیاد پر ساتھ مت دو، بلکہ ساتھ دینا ہو یا لڑائی کرنی ہو، یہ دونوں اس بنیاد پر ہونے چاہییں کہ کون ظالم ہے اور کون مظلوم ہے، زمانۂ جاہلیت سے ذہنوں میں

جو تصور چلا آتا ہے اور افسوس یہ ہے کہ وہ آج بھی مسلمانوں کے درمیان موجود ہے، وہ یہ کہ جو شخص میرے قبیلے کا ہے، وہ میرا ہے، جو میری زبان بولتا ہے وہ میرا ہے، مجھے ہر قیمت پر اس کا ساتھ دینا ہے، یہ دیکھے بغیر ظالم ہے یا مظلوم ہے، وہ حق پر ہے یا ناحق ہے، یہ تصور جاہلیت کا تصور ہے، جس کے بارے میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا تھا کہ میں نے آج اس تصور کو اپنے پاؤں کے نیچے روند دیا ہے (۱)، لیکن افسوس یہ ہے کہ آج بھی ہماری صفوں میں یہ صورت حال موجود ہے کہ لوگوں نے اپنی زبان کے اعتبار سے، اپنی نسل کے اعتبار سے اور اپنے وطن کے اعتبار سے گروہ بنائے ہوئے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ ہمیں ہر قیمت پر اس کا ساتھ دینا ہے۔

ایسے معاہدے کی اجازت نہیں

ایک حدیث میں جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ

"لَا حِلفَ فِی الاِسلامِ" (۲)

یعنی زمانہ جاہلیت میں مختلف قبائل کے درمیان جو معاہدے ہوتے تھے کہ ہم ہر قیمت میں تمہارا ساتھ دیں گے، اسلام میں ایسے معاہدوں کی کوئی گنجائش نہیں، ایک مؤمن کا کام یہ ہے کہ وہ حق اور ناحق کو دیکھے اور ظالم اور مظلوم کو پہچانے، اگر تم دیکھو کہ مسلمان ظلم کر رہا ہے تو تمہارا فرض ہے کہ اس ظلم سے اس کا ہاتھ روکنے کی کوشش کرو۔

---

(۱) صحیح مسلم ۲/۸۸٦ (۱۲۱۸) وفیه : "ألا كل شيء من أمر الجاهلية تحت قدمي موضوع". وفی سنن ابی داود ۳/۲٤٤ (۳۳۳٤) "ألا وإن دم كل من دم الجاهلية موضوع".
(۲) صحیح البخاری ۳/۹۲ (۲۲۹٤) وصحیح مسلم ٤/۱۹٦۰ (۲۵۳۰)۔

ظالم کو ظلم سے روکو

ایک طرف تو یہ اصول بیان فرمایا کہ ظالم کا ساتھ مت دو، بلکہ مظلوم کا ساتھ دو، چاہے وہ ظالم تمہارے قبیلے کا ہو، تمہارے وطن کا ہو، تمہاری زبان بولنے والا ہو، لیکن یہ اصول بیان کرنے کے بعد ایک دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ عجیب جملہ ارشاد فرمایا کہ

أنصر أخاك ظالما أو مظلوما [1]

کہ اپنے بھائی کی مدد کرو، اگر ظالم ہو تب بھی مدد کرو اور اگر مظلوم ہو تب بھی مدد کرو۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم یہ سن کر بڑے حیران ہوئے اور سوال کیا کہ یارسول اللہ! مظلوم کی مدد کرنا تو سمجھ میں آتا ہے کہ مظلوم کی مدد کریں، لیکن ظالم کی مدد کا کیا مطلب ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ظالم کی مدد یہ ہے کہ اس کو ظلم سے روکو، چونکہ وہ ظلم کرنے کی وجہ سے جہنم کی طرف جارہا ہے، اپنی آخرت برباد کررہا ہے، اللہ تعالیٰ کا غضب اپنے سر لے رہا ہے، اب اس کی مدد یہ ہے کہ اس کو ظلم سے روکو اور اس کو یہ بتاؤ کہ تم جس راستے کی طرف جارہے ہو، یہ ظلم کا راستہ ہے اور دوزخ کا راستہ ہے، اس سے بچو، اصل مدد یہی ہے کہ انسان کو جہنم میں جانے سے روکا جائے، اللہ کے عذاب اور غضب سے روکا جائے۔

دونوں کے درمیان صلح کرادو

اس آیتِ کریمہ نے جو اصول بیان فرمایا: وہ یہ ہے کہ انسان یہ دیکھے کہ

(۱) صحیح البخاری ۱۲۸/۳ (۲٤٤۳)۔

کون ظالم ہے اور کون مظلوم ہے اور اگر ظالم اپنے ظلم سے باز نہیں آتا تو تمہارا فرض ہے کہ اس سے لڑو، یہاں تک کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی طرف لوٹ آئے۔ آگے فرمایا کہ اگر وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی طرف لوٹ آئے، یعنی تمہاری بات مان کر ظلم چھوڑ دے تو اس صورت میں ان دونوں فریقوں کے درمیان صلح کراؤ۔ جب ظالم نے ہتھیار تو ڈال دیے اور ظلم سے تو باز آ گیا، لیکن دونوں فریقوں کے دلوں میں ابھی تک کدورت باقی ہے، اس کدورت کو دور کرنے کے لیے انصاف کے ساتھ ان کے درمیان مصالحت کرادو۔ اس لیے کہ جب دو فریقوں میں لڑائی ہوتی ہے اور دونوں ایک دوسرے کے خلاف برسرپیکار ہوجاتے ہیں تو اگر چہ مجموعی طور پر ایک گروہ برحق ہوتا ہے اور دوسرا ناحق ہوتا ہے، لیکن لڑائی کے وقت دونوں کی طرف سے کچھ نہ کچھ زیادتیاں ہو جاتی ہیں، اس لیے کہ مثل مشہور ہے کہ تالی ایک ہاتھ سے نہیں بجتی، جو شخص مظلوم ہے اس کی طرف سے بھی کوئی نہ کوئی غلطی ضرور ہوگی، جس کی وجہ سے لڑائی تک نوبت پہنچ گئی، لہٰذا جب ظالم اپنے ظلم سے باز آ گیا تو اب ہر ایک فریق کو انصاف کے ساتھ اس کی غلطی بتانے کوشش کرو کہ تمہارا یہ موقف درست تھا، لیکن فلاں بات غلط تھی، آئندہ کے لیے فلاں بات سے پرہیز کرنا، اس لیے آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ صلح کرانے میں انصاف کے ساتھ کام لو، بیشک اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔ یہ اصول تو پہلی آیت میں بیان فرمادیا۔

اسلامی اخوت کی بنیاد ایمان ہے

اس کے بعد اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے اس سے بڑا اصول بیان فرمایا کہ

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ

سارے مؤمن آپس میں بھائی بھائی ہیں۔

جو شخص بھی اللہ پر اور اللہ کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان رکھتا ہے، اللہ کی کتابوں پر اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتا ہے، وہ تمہارا بھائی ہے۔ اس کے ذریعے یہ اصول بتادیا کہ اسلام میں جو اخوت اور بھائی چارہ ہے، وہ درحقیقت ایمان اور عقیدے کی بنیاد پر ہے، رنگ، نسل، وطن، قبیلے اور برادری کی بنیاد پر نہیں۔ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر یہ اعلان فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تم سے جاہلیت کی نفرتیں اور فخر وغرور کے سامان سب ختم کر دیے اور فرمایا:

"أَلَا لَا فَضْلَ لِعَرَبِيٍّ عَلَى عَجَمِيٍّ وَلَا لِعَجَمِيٍّ عَلَى عَرَبِيٍّ، وَلَا أَسْوَدَ عَلَى أَحْمَرَ، وَلَا أَحْمَرَ عَلَى أَسْوَدَ إِلَّا بِالتَّقْوَىٰ"(۱)

کسی عربی کو کسی عجمی پر اور کسی عجمی کو کسی عربی پر کوئی فوقیت نہیں ہے، نہ کسی کالے کو کسی گورے پر اور کسی گورے کو کسی کالے پر فوقیت حاصل ہے، اگر کسی کو کوئی فضیلت ہے تو وہ صرف تقویٰ کی بنیاد پر ہے۔ جو زیادہ متقی ہے وہ افضل ہے، چاہے وہ ایک معمولی خاندان سے تعلق رکھتا ہو اور جو متقی نہیں ہے، وہ دوسروں کے مقابلے میں کمتر ہے، چاہے بظاہر دیکھنے میں اس کی شان وشوکت زیادہ نظر آتی ہو۔ یہ اصول بیان فرما دیا۔

(۱) مسند أحمد ۳۸/ ٤٧٤ (۲۳٤۸۹) واتحاف الخیرة للبوصیری ۳/ ۲۲٦ (۳٦١٤) وقال رواه مسدد ورجاله ثقات وأحمد بن حنبل والحارث.

مسلمان کو بے یار و مددگار مت چھوڑو

جب یہ اصول بیان فرمادیا کہ سارے مسلمان بھائی بھائی ہیں، تو اس اصول کا نتیجہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا کہ

"اَلْمُسْلِمُ أَخُو الْمُسْلِمِ، لَا يَظْلِمُهُ وَلَا يُسْلِمُهُ"(۱)

یعنی ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے، لہٰذا ایک مسلمان نہ تو دوسرے مسلمان بھائی پر ظلم کرے گا اور نہ اس کو بے یار و مددگار چھوڑے گا۔

یعنی اگر اس پر ظلم اور زیادتی ہو رہی ہو گی تو مسلمان کا یہ کام نہیں کہ وہ اس کو ظالم کے رحم و کرم پر چھوڑ دے، بلکہ تمہارا فرض ہے کہ اس کا ساتھ دو، اس کی مدد کرو۔ یہ محض اخلاقی ہدایت نہیں، بلکہ تمہارا دینی فریضہ ہے کہ جب تک تمہاری استطاعت میں ہے، اس کو ظلم سے بچاؤ۔

دولت مند معاشرے کا حال

آج ہمارے معاشرے میں یہ منظر نظر آتا ہے کہ جو غریب قسم کے لوگ ہیں، وہ تو ایک دوسرے کی مدد کرنے کے لیے تیار ہو جاتے ہیں، لیکن دولت مند معاشرے میں یہ منظر نظر آتا ہے کہ کسی کو اس بات کی پرواہ ہی نہیں کہ میرے پڑوسی کا کیا حال بن رہا ہے، اس کے اوپر کیا گزر رہی ہے؟ بلکہ ہر شخص اپنے حال میں مگن ہے، ایک مرتبہ میں نے خود یہ منظر دیکھا کہ ایک کار نے ایک آدمی

(۱) صحیح البخاری ۱۲۸/۳ (۲۴۴۲)۔

کو ٹکر ماردی، وہ شخص سڑک پر گر گیا اور وہ کار والا مارتا ہوا نکل گیا، اس کار والے نے یہ نہیں سوچا کہ یہ مجھ سے زیادتی ہوئی ہے تو میرا فرض بنتا ہے میں اس کو کچھ طبی امداد پہنچاؤں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرمارہے ہیں کہ ایک مؤمن کا یہ کام نہیں کہ وہ دوسرے مؤمن کو بے یار و مددگار چھوڑ کر اس طرح چلا جائے، بلکہ جہاں موقع ہو اور جتنی استطاعت ہو، وہ دوسرے مؤمن کی مدد کرے، بہر حال! اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ (۱)

یعنی سارے مؤمن آپس میں بھائی بھائی ہیں، چاہے وہ تمہاری زبان نہ بولتا ہو، چاہے وہ تمہاری نسل سے تعلق نہ رکھتا ہو، لیکن اگر وہ مؤمن ہے تو تمہارا بھائی ہے۔

کلمہ لا الٰہ الا اللہ کا رشتہ

اللہ تعالیٰ نے یہ کلمہ "لا الٰہ الا اللہ" کا رشتہ ایسا مضبوط بنایا ہے کہ یہ کسی زبان کا محتاج نہیں۔ مجھے وہ منظر کبھی نہیں بھولتا کہ آج سے تقریباً پندرہ بیس سال پہلے میرا چین جانا ہوا اور اس زمانے میں چین کے اندر باہر کے لوگوں کے آنے کا سلسلہ نیا نیا شروع ہوا تھا، اب بھی وہاں بہت بڑی تعداد میں مسلمان آباد ہیں۔ مسلمانوں کے ایک علاقے میں میرا جانے کا اتفاق ہوا، اس وقت وہاں برف باری ہورہی تھی اور درجہ حرارت منفی ڈگری تھا، فجر کے وقت ہمیں ایک

---

(۱) سورۃ الحجرات آیت (۱۰)۔

علاقے سے گزرنا تھا، جہاں مسلمانوں کی آبادی تھی، اس علاقے کے مسلمانوں کو یہ اطلاع ملی تھی کہ پاکستان کے مسلمانوں کا ایک وفد آرہا ہے، چنانچہ وہ لوگ کئی گھنٹے پہلے سے پہاڑی کے درمیان برف باری میں صرف باہر کے مسلمانوں کی ایک جھلک دیکھنے کے لیے کھڑے ہوگئے، جب ہمارا قافلہ ان کے قریب سے گذرا تو ان کی زبان پر صرف ایک نعرہ تھا ''السلام علیکم'' اور سلام کرتے ہی ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے، اس لیے کہ زندگی میں پہلی مرتبہ انہوں نے اپنے وطن سے باہر کے کسی مسلمان کی شکل دیکھی تھی۔ میں سوچ رہا تھا کہ نہ ہم ان کی زبان جانتے ہیں، نہ ان سے بات کرسکتے ہیں، نہ یہ ہماری بات سمجھیں گے اور نہ ہم ان کی بات سمجھیں گے، خاندانی اعتبار سے، نسلی اعتبار سے، زبان کے اعتبار سے ان کے ساتھ کوئی رشتہ نہیں تھا؟ لیکن دل میں محبت کے دریا صرف اس لیے موجزن تھے کہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھنے والے تھے۔ ''إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ'' کا منظر اللہ تبارک وتعالیٰ نے وہاں دکھا دیا۔

قرآنی تعلیمات سے دوری کا نتیجہ

اگر دماغ میں یہ بات بیٹھ جائے کہ ہر مسلمان ہمارا بھائی ہے تو نہ جانے کتنے جھگڑے، کتنے قتل وقتال ختم ہوجائیں، افسوس یہ ہے کہ آج یہ سبق ہم لوگ بھولتے جارہے ہیں، آج مسلمان مسلمان کا گلا کاٹ رہا ہے، آج مسلمان مسلمان کے خلاف صف آرا ہے، آج مسلمان مسلمان کو قتل کرنے کی فکر میں ہے، مذہب کے نام پر، دین کے نام پر، عبادت کے نام پر، یہ سب کام ہورہے ہیں، عبادت گاہیں تک محفوظ نہیں رہیں، ان پر بھی حملے کیے جارہے ہیں، یہ سارا

فساد اس بات کا ہے کہ آج ہم قرآنِ کریم کی تعلیمات سے دور ہوتے چلے جارہے ہیں۔

مسلمان کو قتل کرنے کی سزا

آج ہم نے معمول کی چند عبادات کا نام دین رکھ لیا ہے، لیکن دین کی وسیع تعلیمات جو قرآنِ کریم ہمیں بتلا رہا ہے، ان سے نہ صرف ہم غافل ہیں، بلکہ ان کو دین کا حصہ سمجھنے کے لیے بھی تیار نہیں، قرآنِ کریم میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا تھا کہ

وَمَنْ يَقْتُلْ مُؤْمِنًا مُتَعَمِّدًا فَجَزَاؤُهُ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيهَا(۱)

یعنی جو شخص کسی مؤمن کو جان بوجھ کر قتل کرے، اس کی سزا جہنم ہے، جس میں وہ ہمیشہ رہے گا۔

دوسری جگہ ارشاد فرمایا کہ

مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ أَوْ فَسَادٍ فِي الْأَرْضِ فَكَأَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيعًا وَمَنْ أَحْيَاهَا فَكَأَنَّمَا أَحْيَا النَّاسَ جَمِيعًا(۲)

یعنی اگر کوئی شخص کسی ایک آدمی کو قتل کر دے، بغیر اس کے کہ اس نے کسی کو قتل کیا ہو یا اس نے زمین میں فساد پھیلایا

---

(۱) سورۃ النساء آیت (۹۳)۔
(۲) سورۃ المائدۃ آیت (۳۲)۔

ہو، تو وہ شخص ایسا ہے جیسے اس نے سارے انسانوں کو قتل کر دیا۔

جس دین میں ایسی ہدایات موجود ہیں، اس دین کے نام لیوا اور اس دین کے پیروکار ایک دوسرے کے قتل وقتال میں ملوث ہوں، یہ اتنا بڑا وبال ہے جو ہمارے اوپر مسلط ہو گیا ہے، اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے ہمیں اس سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

اس وقت کسی کا ساتھ مت دو

ایک آخری بات اسی سلسلے میں یہ عرض کرنی ہے کہ ان آیات کریمہ میں یہ جو حکم دیا گیا ہے کہ ظالم کا ساتھ نہ دو، بلکہ مظلوم کا ساتھ دو، یہ حکم اس وقت ہے جبکہ واضح طور پر پتہ چل جائے کہ یہ شخص حق پر ہے، دوسرا ناحق ہے، اس وقت تو فرض بنتا ہے کہ حق والے کا ساتھ دیا جائے، لیکن بہت سی مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ جہاں حق واضح نہیں ہوتا، مثلاً دو گروہ آپس میں لڑ رہے ہیں اور یہ پتہ نہیں چل رہا ہے کہ کون حق پر ہے اور کون باطل پر ہے؟ ایسی صورت کے بارے میں خود نبی کریم سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ایک وقت ایسا آئے گا کہ دو فریق آپس میں لڑ رہے ہوں گے اور دونوں مسلمان کہلائیں گے اور یہ فیصلہ کرنا مشکل ہوگا کہ کون حق پر ہے اور کون باطل پر ہے، آپ نے فرمایا کہ یہ لوگ اندھے جھنڈے کے تحت لڑ رہے ہوں گے، ایسے وقت کے لیے آپ نے یہ ہدایت دی کہ

فاعتزل هذه الفرق كلها[1]

تم اس وقت ان سب سے کنارہ کشی اختیار کرلو اور کسی کا ساتھ نہ دو، نہ کسی

(۱) ملاحظہ ہو: صحيح البخاري ١٩٩/٤ (٣٦٠٦) و ٥١/٩ (٧٠٨٤) وصحيح مسلم ١٤٧٥/٣ (١٨٤٧)۔

کی حمایت کرو، نہ کسی کی مخالفت کرو، بس خاموش ہوکر اپنے کام سے کام رکھو۔ اس لیے کہ اگر تم کسی کا ساتھ دو گے تو کہیں ایسا نہ ہو کہ کسی مظلوم پر تمہاری طرف سے ظلم ہو جائے۔ بہر حال! حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی صورت میں علیحدہ رہنے کا حکم دیا ہے اور ایسی صورت کو ''فتنہ'' سے تعبیر کیا ہے۔

فتنہ کے وقت اپنے گھر میں بیٹھ جاؤ

''فتنہ'' اسی کا نام ہے کہ انسان پر حق واضح نہ ہو، یہ پتہ نہ ہو کہ کون حق پر ہے اور کون باطل پر ہے۔ اگر حق واضح ہوجائے تو وہ فتنہ نہیں، لیکن اگر حق واضح نہیں ہورہا ہے تو وہ ''فتنہ'' ہے اور فتنہ سے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے الگ رہنے کا حکم دیا ہے، بلکہ یہاں تک آپ نے فرمایا کہ

> ''اپنے گھر میں چپ چاپ بیٹھ جاؤ اور باہر نکل کر لڑنے والے گروہوں کو دیکھو تک نہیں۔''(۱)

اس لیے کہ فتنہ ایسی چیز ہے کہ اگر تم اس کی طرف دیکھو گے تو وہ فتنہ تمہیں اچک لے گا، اس لیے اس سے دور رہو، ہمارے یہاں بہت سی لڑائیاں، بہت سے جھگڑے، خاص طور پر سیاسی نوعیت کے جھگڑے ایسے ہوتے ہیں کہ ان میں عام طور پر یہی صورتِ حال پیدا ہوجاتی ہے، ایسی صورت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد یہی ہے کہ آدمی اس سے کنارہ کش رہے، اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے فضل وکرم سے ہم سب کو ان احکام اور تعلیمات پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العٰلمین

---

(۱) سنن ابن ماجه ٤٥١/٥ (٣٩٦٢) وقال البوصيري في "مصباح الزجاجه" ص ٥١١: هذا اسناد صحيح ان صح سماع حماد بن سلمة عن ثابت البناني. (طبع دار الكتب العلمية)

رشتہ داروں کے ساتھ اچھا سلوک کیجیے

(اصلاحی خطبات ۸/ ۱۷۲)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

رشتہ داروں کے ساتھ اچھا سلوک کیجیے

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَاهَادِيَ لَهٗ، وَأَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَهٗ وَأَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَنَبِيَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا كَثِيْرًا۔ اَمَّا بَعْدُ!

عن ابی ہریرة رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ ﷺ: «اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى خَلَقَ الْخَلْقَ حَتّٰى اِذَا فَرَغَ مِنْهُ قَامَتِ الرَّحِمُ فَقَالَتْ: هٰذَا مَقَامُ الْعَائِذِ بِكَ مِنَ الْقَطِيْعَةِ؟ قَالَ: نَعَمْ، اَمَا تَرْضَيْنَ اَنْ اَصِلَ مَنْ وَصَلَكِ، وَاَقْطَعَ مَنْ قَطَعَكِ؟ قَالَتْ: بَلٰى، قَالَ: فَذَاكِ لَكِ».

ثم قال رسول الله ﷺ: «اقْرَؤُا اِنْ شِئْتُمْ: فَهَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ تَوَلَّيْتُمْ اَنْ تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ وَ تُقَطِّعُوْٓا اَرْحَامَكُمْ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فَاَصَمَّهُمْ وَاَعْمٰٓى اَبْصَارَهُمْ»(۱)

صلہ رحمی کی تاکید

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب اللہ تبارک وتعالیٰ نے مخلوق کو پیدا فرمایا تو اس سے فراغت کے بعد قرابت داری اور رشتہ داری کھڑی ہوگئی۔ دوسری روایت میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے عرش کا پایہ پکڑ کر کھڑی ہوگئی (۲)۔ اب سوال یہ ہے کہ قرابت داری اور رشتے داری کس طرح کھڑی ہوگئی؟ یہ وہ بات ہے جس کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی جان سکتے ہیں۔ ہم اس بات کی کیفیت نہیں بتلا سکتے اس لیے کہ قرابت داری کوئی ایسی چیز نہیں جس کا جسم ہو، لیکن بعض اوقات اللہ تعالیٰ ایسی چیزوں کو جو جسم نہیں رکھتی ہیں آخرت اور ملاءِ اعلیٰ میں جسم عطا فرمادیتے ہیں۔ بہر حال! وہ رشتہ داری کھڑی ہوگئی اور عرض کیا کہ یا اللہ! یہ ایسی جگہ ہے جہاں پر میں اپنے حقوق کے پامال ہونے کی پناہ مانگتی ہوں۔ یعنی دنیا میں لوگ میرے حقوق کو پامال کریں گے۔ اس سے میں پناہ چاہتی ہوں کہ کوئی میرے حق کو پامال نہ کرے۔ جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: کیا تم اس بات پر راضی

(۱) صحیح البخاری ۱۳۴/۶ (۴۸۳۰) وصحیح مسلم ۱۹۸۰/۴ (۲۵۵۴)۔
(۲) صحیح مسلم ۱۹۸۱/۴ (۲۵۵۵)۔

نہیں ہو کہ میں یہ اعلان کردوں کہ جو شخص تمہارے حقوق کو ضائع کرے گا تو میں اس کو سزا دوں گا اور اس کے حقوق کو ادا نہیں کروں گا؟

جواب میں رشتہ داری نے کہا: یا اللہ! میں اس پر راضی ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میں تمہیں یہ مقام اور درجہ دیتا ہوں اور یہ اعلان کرتا ہوں کہ جو شخص رشتہ داری کے حقوق کا خیال رکھے گا اور رشتہ داروں کے ساتھ اچھا سلوک کرے گا تو میں بھی اس کے ساتھ اچھا سلوک کروں گا اور جو شخص رشتہ داروں کے حقوق کو پامال کرے گا تو میں بھی اس کے حقوق کا خیال نہیں رکھوں گا۔

یہ واقعہ اور حدیث بیان کرنے کے بعد حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اگر چاہو تو قرآنِ کریم کی یہ آیت پڑھ لو جس میں اللہ تعالیٰ نے انسانوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

فَهَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ تَوَلَّيْتُمْ اَنْ تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ وَ تُقَطِّعُوْٓا اَرْحَامَكُمْ ﴿۲۲﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فَاَصَمَّهُمْ وَ اَعْمٰٓى اَبْصَارَهُمْ ﴿۲۳﴾ (۱)

”کیا ایسا ہے کہ تم زمین کے اندر فساد مچاؤ اور رشتہ داریوں کے حقوق کو ضائع کرو، یہ وہ لوگ ہیں جن کے اوپر اللہ تعالیٰ نے لعنت فرمائی ہے اور ان کو بہرا اور اندھا بنا دیا ہے“

قطع رحمی کرنے والے کے لیے اللہ تعالیٰ نے اتنی سخت وعید ارشاد فرمائی۔

---

(۱) سورۂ محمد آیت (۲۲ تا ۲۳)

ایک اور آیت

یہ حدیث درحقیقت ان تمام آیات قرآنی کی تفسیر ہے جن میں بار بار اللہ تعالیٰ نے رشتہ داروں کے حقوق کا خیال رکھنے کا حکم دیا ہے کہ قرابت داروں کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔ چنانچہ خطبہ نکاح (۱) کے موقع پر حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم قرآنِ کریم کی یہ آیت تلاوت کیا کرتے تھے:

وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ (۲)

اس اللہ سے ڈرو جس کے نام کا واسطہ دے کر تم دوسروں سے اپنے حقوق مانگتے ہو اور رشتہ داریوں کے حقوق پامال کرنے سے ڈرو۔

چنانچہ جب کوئی شخص دوسرے سے اپنا حق مانگتا ہے تو اللہ کا واسطہ دے کر مانگتا ہے کہ اللہ کے واسطے میرا یہ حق دے دو اور اس بات سے ڈرو کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہاری طرف سے کسی رشتہ دار کی حق تلفی ہو جائے اور اس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ آخرت میں تمہیں عذاب دے۔ قرآنِ کریم اور حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث رشتہ داریوں کے حقوق صحیح طور پر ادا کرنے کے بیان سے اور اس کی تاکید سے بھری ہوئی ہیں۔

''شریعت'' حقوق کی ادائیگی کا نام ہے

بات دراصل یہ ہے کہ ''شریعت'' حقوق کی ادائیگی کا دوسرا نام ہے۔

---

(۱) سنن أبی داود ۲/۳۳۸ (۲۱۱۸) وسنن النسائی ٤/۱۰٤ (۱٤۰٤).

(۲) سورۃ النساء آیت (۱)۔

شریعت میں اللہ تعالیٰ کا حق ادا کرنا ہے یا اللہ کے بندوں کا حق ادا کرنا ہے۔ پھر اللہ کے بندوں میں بھی مختلف لوگوں کے حقوق ہیں، مثلاً والدین کے حقوق ہیں، اولاد کے حقوق، بیوی کے حقوق، شوہر کے حقوق، رشتہ داروں کے حقوق ہیں، پڑوسیوں کے حقوق ہیں، ہم سفروں کے حقوق ہیں۔ اس طرح پوری شریعت حقوق سے عبارت ہے۔ ان حقوق میں سے کسی ایک کا بھی حق ادائیگی سے رہ جائے تو شریعت پر عمل ناقص ہے۔ اگر کسی نے اللہ تعالیٰ کا حق تو ادا کردیا، لیکن بندوں کا حق ادا نہ کیا تو دین کامل نہ ہوا اور دین پر عمل ادھورا رہ گیا۔ ان میں سے خاص طور پر اللہ تعالیٰ نے رشتہ داروں کے حقوق بھی رکھے ہیں۔

تمام انسان آپس میں رشتہ دار ہیں

یوں اگر دیکھا جائے تو سارے ابن آدم اور انسان آپس میں رشتہ دار ہیں۔ جیسا کہ حضورِ اقدس ﷺ نے حدیث میں بھی اس کا ذکر فرمایا ہے۔ کیونکہ تمام انسانوں کے باپ ایک ہیں یعنی حضرت آدم علیہ السلام، جن سے ہم سب پیدا ہوئے، بعد میں آگے چل کر شاخیں ہوتی چلی گئیں، خاندان اور قبیلے تقسیم ہوتے چلے گئے۔ کوئی کہیں جا کر آباد ہوا اور کوئی کہیں اور دور کی رشتہ داریاں ہوگئیں جس کی وجہ سے آپس میں ایک دوسرے کو رشتہ دار نہیں سمجھتے۔ ورنہ حقیقت میں تو سارے انسان ایک دوسرے کے قرابت دار اور رشتہ دار ہیں۔ البتہ کسی کی رشتہ داری دور کی ہے، لیکن رشتہ داری ضرور ہے۔

حقوق کی ادائیگی سکون کا ذریعہ ہے

جو قریب ترین رشتہ دار ہوتے ہیں جن کو عرف عام میں رشتے دار سمجھا جاتا ہے جیسے بھائی، بہن، چچا، تایا، بیوی، شوہر، خالہ، ماموں، باپ، ماں۔ ان رشتے داروں کے کچھ خاص حقوق اللہ تعالیٰ نے مقرر فرمائے ہیں اور ان حقوق کی ایک بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ اگر ان رشتہ داروں کے حقوق صحیح طور سے ادا کیے جائیں تو اس کے نتیجے میں زندگی پُر امن اور پُر سکون ہو جاتی ہے۔ لڑائی اور جھگڑے یہ نفرتیں اور عداوتیں، یہ مقدمہ بازیاں، یہ سب ان حقوق کو پامال کرنے کا نتیجہ ہوتی ہیں۔ اگر ہر شخص اپنے اپنے رشتہ داروں کے حقوق ادا کرے تو پھر کبھی کوئی جھگڑا اور کوئی لڑائی نہ ہو، کبھی مقدمہ بازی کی نوبت نہ آئے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے خاص طور پر یہ حکم دیا کہ اگر تم ان حقوق کو ادا کروگے تو تمہاری زندگی پر سکون ہوگی۔ خاندان کسی بھی معاشرے کی بنیاد ہوتی ہے اگر خاندان متحد نہیں ہے اور خاندان والوں کے درمیان آپس میں محبتیں نہیں ہیں، آپس کے تعلقات درست نہیں ہیں تو یہ چیز پورے معاشرے کو خراب کرتی ہے اور پورے معاشرے کے اندر اس کا فساد پھیلتا ہے۔ اس کے نتیجے میں پوری قوم خراب ہے۔ اس وجہ سے اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے رشتہ داروں کے حقوق ادا کرنے اور ان کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کا خاص طور پر حکم دیا۔

اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے اچھا سلوک کرو

ویسے تو ہر مذہب میں اور ہر اخلاقی نظام میں رشتہ داروں کے حقوق کی رعایت کا سبق دیا گیا ہے اور ہر مذہب والے یہ کہتے ہیں کہ رشتہ داروں کے

ساتھ اچھا سلوک کرو، لیکن حضورِ اقدس ﷺ نے ان حقوق کے بارے میں ایک ایسا اصول (۱) بیان فرمایا ہے جو تمام دوسرے مذاہب اور اخلاقی نظاموں سے بالکل ممتاز اور الگ ہے۔ اگر وہ اصول ہمارے دلوں میں بیٹھ جائے تو پھر کبھی بھی رشتہ داروں کے حقوق کی خلاف ورزی نہ ہو اور ان کے ساتھ کبھی بھی بدسلوکی نہ کریں۔ وہ اصول یہ ہے کہ جب بھی ان کے ساتھ اچھا برتاؤ یا اچھا سلوک کرو یہ کام ان کو خوش کرنے سے زیادہ اللہ تعالیٰ کو خوش کرنے کے لیے کرو، یعنی رشتہ داروں کے ساتھ اچھا سلوک کرتے وقت یہ نیت ہونی چاہیے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے اور اس عمل سے اللہ تعالیٰ کو راضی کرنا مقصود ہے۔ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کی خاطر اچھا سلوک کرے گا تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ اپنے رشتہ داروں سے کسی بدلے کی توقع نہیں رکھے گا بلکہ اس کے ذہن میں یہ ہوگا کہ میں تو اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے ان کے ساتھ اچھا سلوک کر رہا ہوں، میرے اچھے سلوک کے نتیجے میں رشتہ دار خوش ہو جائیں اور میرا شکریہ ادا کریں اور کوئی بدلہ دیں تو وہ ایک نعمت ہے، لیکن اگر وہ خوش نہ ہوں اور بدلہ نہ دیں تو بھی مجھے ان کے ساتھ اچھا سلوک کرنا ہے، مجھے اپنا وہ فریضہ انجام دینا ہے جو میرے اللہ نے میرے سپرد کیا ہے۔

شکریہ اور بدلے کا انتظار مت کرو

رشتے داروں کے حقوق ادا کرنے کے بارے میں ہر شخص یہ کہتا ہے کہ یہ

---

(۱) وجاء في الحديث "إن من الإيمان أن يحب الرجل رجلا لا يحبه إلا لله من غير مال أعطاه فلذلك الإيمان." رواه الطبراني في الأوسط ۱۸۰/۷ (۷۲۱٤) وقال الهيثمي في "المجمع" ٤٨٥/۱۰ (۱۷۹۸۲) ورجاله ثقات.

حقوق ادا کرنا اچھی بات ہے، یہ حقوق ادا کرنے چاہئیں، لیکن سارے جھگڑے اور سارے فساد یہاں سے پیدا ہوتے ہیں کہ جب رشتہ دار کے ساتھ اچھا سلوک کرلیا تو اب آپ اس امید اور انتظار میں بیٹھے ہیں کہ اس کی طرف سے شکریہ ادا کیا جائے گا، اس کی طرف سے اس حسن سلوک کا بدلہ ملے گا اور اس انتظار میں ہیں کہ وہ میرے حسن سلوک کے بارے میں خاندان والوں میں چرچا کرے گا اور میرے گن گائے گا، لیکن آپ کی یہ امید پوری نہیں ہوئی، اس نے نہ تو شکریہ ادا کیا اور نہ ہی بدلہ دیا تو اب آپ کے دل میں اس کی طرف سے برائی آگئی کہ ہم نے اس کے ساتھ ایسا سلوک کیا، لیکن اس نے پلٹ کر پوچھا تک نہیں، اس کی زبان پر کبھی شکریہ کا لفظ ہی نہیں آیا، اس نے تو کبھی بدلہ ہی نہیں دیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آپ نے اس کے ساتھ جو حسنِ سلوک کیا تھا اس کے ثواب کو ملیامیٹ کردیا۔ آپ اپنے دل میں اس کی طرف سے برائی لے کر بیٹھ گئے اور آئندہ جب کبھی حسنِ سلوک کرنے کا موقع آئے گا تو آپ یہ سوچیں گے کہ اس کے ساتھ حسن سلوک کرنے سے کیا فائدہ! اس کی زبان پر تو کبھی شکریہ کا لفظ بھی نہیں آتا، میں اس کے ساتھ کیا اچھائی کروں؟ چنانچہ آئندہ کے لیے اس کے ساتھ حسنِ سلوک کرنا چھوڑ دیا اور اب تک جو اس کے ساتھ حسن سلوک کیا تھا اس کا ثواب بھی اکارت گیا۔ اس لیے کہ اب تک بھی اس کے ساتھ حسنِ سلوک کیا تھا وہ اللہ کے لیے نہیں کیا تھا بلکہ وہ تو شکریہ اور بدلہ لینے کے لیے کیا تھا۔ اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب کسی کے ساتھ حسنِ سلوک کرو تو صرف اللہ کو راضی کرنے کے لیے کرو۔ اس خیال سے مت کرو کہ میرے ساتھ بھی بدلے میں حسنِ سلوک کرے گا یا میرا شکری ادا کرے گا۔

صلہ رحمی کرنے والا کون ہے؟

ایک حدیث جو ہمیشہ یاد رکھنی چاہیے وہ یہ کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"لَيْسَ الْوَاصِلُ بِالْمُكَافِي، لٰكِنَّ الْوَاصِلَ مَنْ إِذَا قُطِعَتْ رَحِمُهُ وَصَلَهَا"(1)

یعنی وہ شخص صلہ رحمی کرنے والا نہیں ہے جو اپنے کسی رشتہ دار کی صلہ رحمی کا بدلہ دے کہ دوسرا رشتہ دار میرے ساتھ جتنی صلہ رحمی کرے گا میں بھی اتنی ہی صلہ رحمی کروں گا اور اگر وہ صلہ رحمی کرے گا تو میں بھی کروں گا۔ اگر وہ نہیں کرے گا تو میں بھی نہیں کروں گا۔ ایسا شخص صلہ رحمی کرنے والا نہیں ہے۔ اس کو صلہ رحمی کا اجر وثواب نہیں ملے گا، بلکہ صلہ رحمی کرنے والا حقیقت میں وہ شخص ہے کہ دوسرا تو اس کا حق ضائع کر رہا ہے اور اس کے ساتھ قطع تعلق کر رہا ہے، لیکن یہ شخص پھر بھی اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کی خاطر اس کے ساتھ اچھا معاملہ کر رہا ہے۔ یہ شخص حقیقت میں صلہ رحمی کرنے والا ہے اور صلہ رحمی کے اجر وثواب کا مستحق ہے۔

ہمیں رسموں نے جکڑ لیا ہے۔

آج جب کسی شخص سے پوچھا جائے کہ رشتہ داروں کا بھی کچھ حق ہے؟ ہر ایک ہم میں سے یہی جواب دے گا کہ رشتہ داروں کے بہت حقوق ہیں، لیکن کون شخص ان حقوق کو کس درجے میں کس طرح ادا کر رہا ہے؟ اگر جائزہ لیا

---

(1) صحیح البخاری ۶/۸ (۵۹۹۱)۔

جائے تو یہ نظر آئے گا کہ ہمارے سارے معاشرے کو رسموں نے جکڑ لیا ہے اور رشتہ داروں سے جو تعلق ہے وہ صرف رسموں کی ادائیگی کی حد تک ہے اس سے آگے کوئی تعلق نہیں۔ مثلاً اگر کسی کے گھر شادی بیاہ ہے تو اس موقع پر اس کو کوئی تحفہ دینے کو دل نہیں چاہ رہا ہے یا دینے کی طاقت نہیں ہے تو اب یہ سوچ رہے ہیں کہ اگر تقریب میں خالی ہاتھ چلے گئے تو برا معلوم ہوگا۔ چنانچہ اب بادل نخواستہ اس خیال سے تحفہ دیا جا رہا ہے کہ اگر نہ دیا تو ناک کٹ جائے گی اور خاندان والے کیا کہیں گے؟ اور جس کے یہاں شادی ہو رہی ہے وہ یہ کہے گا کہ ہم نے تو اس کی شادی میں یہ تحفہ دیا تھا اور اس نے ہمیں کچھ نہیں دیا۔ چنانچہ یہ تحفہ دل کی محبت سے نہیں دیا جا رہا ہے بلکہ رسم پوری کرنے کے لیے نام ونمود کے لیے دیا جا رہا ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس تحفہ دینے کا ثواب تو ملا نہیں بلکہ نام ونمود کی نیت کی وجہ سے الٹا گناہ ہو گیا۔

تقریبات میں نیوتہ دینا حرام ہے

ایک رسم جو ہمارے معاشرے میں پھیلی ہوئی ہے، کسی علاقے میں کم اور کسی علاقے میں زیادہ ہے، وہ ہے نیوتہ کی رسم۔ تقریبات میں لینے دینے کی رسم کو نیوتہ کہا جاتا ہے۔ ہر ایک کو یہ یاد ہوتا ہے کہ فلاں شخص نے ہماری تقریب کے موقع پر کتنے پیسے دیے تھے اور میں کتنے دے رہا ہوں۔ بعض علاقوں میں تو تقریبات کے موقع پر باقاعدہ فہرست تیار کی جاتی ہے کہ فلاں شخص نے اتنے پیسے دیے، فلاں شخص نے اتنے پیسے دیے۔ پھر اس فہرست کو محفوظ رکھا جاتا ہے اور پھر جس شخص نے پیسے دیے ہیں اس کے گھر جب کوئی شادی بیاہ کی تقریب ہوگی تو اب یہ ضروری ہے کہ جتنے پیسے اس نے دیے تھے اتنے پیسے اس کی

تقریب میں دینا لازم اور ضروری ہے۔ چاہے قرض لے کر دے یا اپنا اور اپنے بچوں کا پیٹ کاٹ کر دے یا چوری اور ڈاکہ ڈال کر دے، لیکن دینا ضرور ہے۔ اگر نہیں دے گا تو یہ اس معاشرے کا بدترین مجرم کہلائے گا۔ اسے نیوتہ کہا جاتا ہے۔ دیکھیے اس میں یہ پیسے صرف اس لیے دیے جا رہے ہیں کہ میرے گھر میں جب تقریب کا موقع آئے گا تو وہ بھی دے گا۔ لہٰذا بدلہ کے خیال سے جو پیسے دیے جا رہے ہیں یہ حرامِ قطعی ہیں۔ قرآنِ کریم نے اس کے لیے ''ربا'' کا لفظ استعمال فرمایا ہے۔ چنانچہ فرمایا:

وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ رِّبًا لِّيَرْبُوَاۡ فِيْٓ اَمْوَالِ النَّاسِ فَلَا يَرْبُوْا عِنْدَ اللّٰهِ وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ زَكٰوةٍ تُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُضْعِفُوْنَ (۱)

تم لوگوں کو نیوتہ کے طور پر جو کچھ ہدیہ یا تحفہ دیتے ہو (لیکن اس خیال سے دیا کہ وہ میری تقریب پر یا تو اتنا ہی دے گا یا اس سے زیادہ دے گا) تاکہ اس سے مال کے اندر اضافہ ہو، تو یاد رکھو اللہ کے نزدیک اس میں کوئی اضافہ نہیں ہوگا اور جو زکوٰۃ یا صدقہ تم اللہ کی رضامندی کی نیت سے دیتے ہو تو اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کے مال میں چند در چند اضافہ فرماتے ہیں۔

(۱) سورۃ الروم آیت (۳۹)۔

تحفہ کس مقصد کے تحت دیا جائے؟

لہٰذا اگر کسی شخص کے دل میں خیال آیا کہ میرے ایک عزیز کے ہاں خوشی کا موقع ہے میرا دل چاہتا ہے کہ میں اس کو کوئی ہدیہ پیش کروں اور اس کی خوشی میں میں بھی شریک ہو جاؤں اور ہدیہ دینے سے بدلہ اور نام ونمود اور دکھاوا پیش نظر نہیں ہے، بلکہ اپنی رشتہ داری کا حق ادا کرنا ہے اور اللہ کو راضی کرنا ہے تو اس صورت میں تحفہ دینا اور پیسہ دینا اجر وثواب کا باعث ہوگا اور یہ تحفے اور پیسے صلہ رحمی میں لکھے جائیں گے۔

مقصد جانچنے کا طریقہ

اس کی پہچان کیا ہے کہ ہدیہ دینے سے اللہ کو راضی کرنا مقصود ہے یا بدلہ لینا مقصود ہے؟ اس کی پہچان یہ ہے کہ اگر ہدیہ دینے کے بعد اس بات کا انتظار لگا ہوا ہے کہ سامنے والا شخص اس کا شکریہ ادا کرے اور کم از کم پلٹ کر اتنا تو کہہ دے آپ کا بہت بہت شکریہ یا اس بات کا انتظار ہے کہ جب میرے گھر کوئی تقریب ہوگی تو یہ تقریب کے موقع پر کوئی ہدیہ پیش کرے گا یا اگر بالفرض تمہارے ہاں کوئی تقریب ہو تو وہ کوئی ہدیہ تحفہ نہ لائے تو اس وقت تمہارے دل میں میل آجائے اور اس کی طرف سے تمہیں شکایت ہو کہ ہم نے تو اتنا دیا تھا اور اس نے تو کچھ بھی نہیں دیا یا ہم نے زیادہ دیا تھا اور اس نے ہمیں کم دیا۔ یہ سب اس بات کی علامت ہیں کہ اس دینے میں اللہ تعالیٰ کی خوشنودی مقصود نہیں تھی۔ لہٰذا دیا بھی اور اس کو ضائع بھی کر دیا، لیکن اگر ہدیہ دینے کے بعد ذہن کو فارغ کر دیا کہ چاہے یہ میرا شکریہ ادا کرے یا نہ کرے، میرے یہاں تقریب

کے موقع پر چاہے دے یا نہ دے، لیکن مجھے اللہ تعالیٰ نے دینے کی توفیق دی تو میں نے اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے اپنے رشتہ داروں کی خوشی کے موقع پر اس کی خدمت میں ہدیہ پیش کردیا، نہ تو مجھے شکریہ کا انتظار ہے اور نہ بدلے کا انتظار ہے۔ اگر میرے گھر میں تقریب کے موقع پر یہ کچھ نہ دے تو بھی میرے دل پر میل نہیں آئے گا، میرے دل میں شکایت پیدا نہیں ہوگی تو یہ اس بات کی علامت ہے کہ یہ ہدیہ اللہ تعالیٰ کی رضامندی کی خاطر دیا گیا ہے۔ یہ ہدیہ دینے والے اور لینے والے دونوں کے لیے مبارک ہے۔

ہدیہ حلال طیب مال ہے

میرے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ کسی مسلمان کا وہ ہدیہ جو خوش دلی اور محبت سے دیا گیا ہو، نام و نمود کے لیے نہ دیا گیا ہو وہ ہدیہ کائنات میں سب سے زیادہ حلال اور طیب مال ہے۔ اس لیے کہ جو پیسہ تم نے خود کمایا ہے اس میں اس بات کا امکان ہے کہ کہیں اس مال کے کمانے میں تم سے کوئی زیادتی ہوگئی ہو یا کوئی کوتاہی ہوگئی ہو جس کے نتیجے میں اس کے حلال ہونے میں کمی رہ گئی ہو، لیکن اگر ایک مسلمان تمہارے پاس اخلاص و محبت کے ساتھ اور محض اللہ کی خاطر کوئی ہدیہ لے کر آیا ہے اس کے حلال ہونے میں کوئی شک نہیں ہے۔ چنانچہ حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہدیہ کی بہت قدر فرمایا کرتے تھے۔ اسی وجہ سے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں ہدیہ دینے کے اصول مقرر تھے اور ہدیہ کی آپ بہت قدر فرمایا کرتے تھے اور باقاعدہ اہتمام کر کے اس کو اپنے کسی مصرف میں خرچ کرنے کی کوشش کرتے تھے کہ یہ مسلمان کا حلال طیب مال ہے جو اس نے اللہ تعالیٰ کی خاطر دیا ہے، اس لیے یہ

مال بڑی برکت والا ہے۔ بہرحال! جو ہدیہ اللہ تعالیٰ کے لیے دیا جائے وہ دینے والے کے لیے بھی مبارک، لینے والے کے لیے بھی مبارک اور جس ہدیہ کا مقصد حرص ہو اور نام ونمود ہو اس میں نہ دینے والے کے لیے برکت اور نہ لینے والے کے لیے برکت ہے۔

انتظار کے بعد ملنے والا ہدیہ بابرکت نہیں

حتیٰ کہ حدیث شریف میں یہاں تک بیان فرمایا گیا ہے کہ اگر آپ کا کسی شخص کی طرف دھیان لگا ہوا ہے کہ فلاں شخص میرے پاس ملاقات کے لیے آئے گا مجھے ہدیہ پیش کرے گا۔ اب آپ کو اس کے آنے کا اشتیاق اور انتظار ہورہا ہے تو اس صورت میں اس ہدیہ کے اندر برکت نہیں ہوگی [1] اور جو ہدیہ طلب کے بغیر اور انتظار کے بغیر اس طرح آپ کو ملا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی بندے کے دل میں یہ خیال ڈالا کہ وہ تمہیں ہدیہ پیش کرے، اس نے وہ ہدیہ لاکر پیش کردیا وہ ہدیہ بڑی برکت والا ہے۔ گویا کہ اشتیاق اور انتظار سے اس ہدیہ کی برکت میں کمی آجاتی ہے۔ اس لیے کہ ہدیہ آنے سے پہلے ہی اس میں اپنی نفسانی غرض بھی شامل ہوگئی، اس لیے اس میں اتنی برکت نہیں ہوگی۔

ایک بزرگ کا واقعہ

ایک بزرگ کا واقعہ لکھا ہے جو بڑے اللہ والے درویش بزرگ تھے اور اللہ والوں پر بڑے بڑے کٹھن حالات پیش آتے ہیں۔ ایک مرتبہ ان پر فاقوں کی نوبت آگئی۔ کئی دن سے فاقہ تھا اور مریدین اور معتقدین کی مجلس میں وعظ

(۱) صحیح البخاری ۱۲۳/۲ (۱۴۷۲)۔

فرمارہے تھے، آواز میں بہت کمزوری تھی، آہستہ اور پست آواز سے بیان فرما رہے تھے۔ مجلس میں ایک مرید نے جب یہ حالت دیکھی تو سمجھ گئے کہ بھوک کی شدت کی وجہ سے یہ کمزوری ہے، شاید ان پر فاقے گزر رہے ہیں۔ چنانچہ وہ اس خیال سے مجلس سے اٹھ کر چلے گئے کہ میں شیخ کے لیے کھانے کا انتظام کروں۔ تھوڑی دیر کے بعد کھانا لے کر اور ایک تھال میں لگا کر شیخ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ کھانا دیکھ کر شیخ نے تھوڑی دیر تامل کر کے فرمایا کہ نہیں، یہ کھانا لے جاؤ، میں اس کو قبول نہیں کرتا۔ چنانچہ وہ مرید کھانا لے کر واپس چلے گئے۔ آج کل کے مریدوں کی طرح کوئی ہوتا تو وہ اصرار کرتا کہ نہیں جی آپ یہ کھانا ضرور کھائیں۔ مگر وہ مرید جانتا تھا کہ شیخ کامل ہیں اور شیخ کامل کا حکم بے چوں وچراں ماننا چاہیے اور وہ کھانے سے انکار تکلفاً نہیں کر رہے بلکہ کوئی اور وجہ ہی ہوگی جس کی وجہ سے کھانے سے انکار کر رہے ہیں۔ اس وجہ سے وہ کھانا لے کر واپس چلا گیا۔ پھر کچھ وقت گذرنے کے بعد مرید دوبارہ کھانا لے کر آیا اور ان کی خدمت میں پیش کرتے ہوئے کہا کہ حضرت اب قبول فرمالیجیے۔ شیخ نے فرمایا کہ ہاں اب میں قبول کرتا ہوں۔

بعد میں مرید نے بتایا کہ جب میں پہلی مرتبہ کھانا لے کر آیا اور حضرت نے کھانے سے انکار کردیا تو میرے ذہن میں یہ بات آئی کہ حضرت والا کھانے سے جو انکار کر رہے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ جب میں کھانا لینے کے لیے مجلس سے اٹھ کر گیا تو حضرت والا کے دل میں یہ خیال آیا کہ شاید یہ میری کمزوری دیکھ کر سمجھ گیا اور شاید یہ میرے کھانے کا بندوبست کرنے گیا ہو جس کی وجہ سے کھانے کا انتظار لگ گیا۔ لہٰذا جب میں کھانا لے کر آیا تو وہ کھانا انتظار اور اشتیاق کے عالم میں لایا اور یہ حدیث سامنے تھی کہ جو ہدیہ انتظار اور اشتیاق کے

عالم میں ملے اس ہدیہ میں برکت نہیں ہوتی، اس لیے انہوں نے وہ کھانا قبول کرنے سے انکار کردیا۔ چنانچہ وہ کھانا لے کر میں واپس چلا گیا تاکہ ان کا انتظار اور اشتیاق ختم ہو جائے پھر تھوڑی دیر کے بعد میں وہی کھانا لے کر دوبارہ حاضر ہوگیا تو اب ہدیہ قبول کرنے میں رکاوٹ تھی وہ ختم ہوگئی تھی اس لیے شیخ نے اس کو قبول فرمالیا۔ بہرحال! اگر ہدیہ میں انتظار لگ جائے یا اس کے دینے میں نام ونمود اور شہرت کی نیت کرلی جائے یا اس کے بدلے میں طمع اور لالچ پیدا ہو جائے تو یہ چیزیں ہدیہ کی برکت اور نور کو زائل کردیتی ہیں۔

ہدیہ دو، محبت بڑھاؤ

حدیث شریف میں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

تَهَادَوْا تَحَابُّوا [1]

ایک دوسرے کو ہدیہ دیا کرو تو تمہارے درمیان آپس میں محبت پیدا ہوگی۔

لیکن یہ محبت اس وقت پیدا ہوگی جب اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے یہ ہدیہ دیا جا رہا ہو۔ قرابت داری کا حق ادا کرنے کے لیے، اپنی آخرت سنوارنے کے لیے اور اللہ تعالیٰ کے سامنے سرخ رو ہونے کے لیے وہ ہدیہ دیا جا رہا ہو، لیکن آج ہم لوگ ان مقاصد کے لیے ہدیہ نہیں دیتے۔ چنانچہ شادیوں کے موقع

---

(۱) موطا امام مالك ١٣٣٤/٥ (٣٣٦٨) طبع موسسه زيد۔ والادب المفرد للبخاری ٢٠٨ (٥٩٤) ومسند ابی یعلی ٩/١١ (٦١٤٨)۔ وراجع جامع العلوم والحكم لابن رجب ١٧٢/٢ طبع مؤسسة الرسالة.

پر دیکھ لیں کہ کس نیت سے تحفہ دیا جا رہا ہے۔ صرف رسم پوری کرنے کے لیے تحفہ دیدیں گے، لیکن رسم کے علاوہ کبھی کوئی تحفہ کسی رشتہ دار کو دینے کی توفیق نہیں ہوتی۔ چنانچہ بعض اوقات مردوں کے دل میں خیال بھی آتا ہے کہ فلاں عزیز کو فلاں تحفہ دیدیں تو اکثر خواتین اپنے شوہر کو یہ کہہ کر روک دیتی ہیں کہ اس وقت تحفہ دینے سے کیا فائدہ؟ ان کے ہاں فلاں تقریب ہونے والی ہے اس موقع پر تحفہ پیش کریں گے تو ذرا نام بھی ہوجائے گا اور اس وقت اپنا بوجھ بھی اترے گا، اس وقت دینے کا کیا فائدہ؟ حالانکہ سارا فائدہ تو اس وقت دینے میں ہے۔ اس لیے کہ جس وقت دل میں کسی تصنع اور تکلف اور رکاوٹ کے بغیر محض اللہ تعالیٰ کی خاطر اپنے کسی عزیز یا دوست کو خوش کرنے کے لیے تحفہ دینے کا داعیہ پیدا ہوا۔ بس تحفہ دینے کا وہی صحیح موقع ہے۔ اسی وقت تحفہ اور ہدیہ دے دو۔

نیکی کے تقاضے پر جلد عمل کرلو

بزرگوں نے فرمایا کہ جب دل میں کسی نیک کام کرنے کا شوق اور جذبہ پیدا ہوا کہ فلاں نیک کام کرلوں تو اس نیک کام کو جتنا جلد ہو سکے کر ڈالو، اس کام کو ٹلاؤ نہیں، آئندہ کے لیے اس کو مؤخر اور ملتوی نہ کرو۔ اس لیے کہ نیک کام کرنے کا یہ شوق جس اخلاص اور جذبے کے ساتھ پیدا ہوا ہے خدا جانے وہ شوق کل کو باقی رہے یا نہ رہے، کل کو حالات سازگار رہیں یا نہ رہیں، کل کو موقع ملے یا نہ ملے اس لیے فوراً اس شوق پر عمل کرلو۔

نیکی کا تقاضا اللہ کا مہمان ہے

ہمارے حضرت مولانا مسیح اللہ خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ نیکی

کا داعیہ اللہ تعالیٰ کا مہمان ہے اور صوفیاءِ کرام اس کو ''وارد'' کہتے ہیں۔ یہ وارد اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنے والا مہمان ہے۔ اگر تم نے اس مہمان کی عزت اور اکرام کیا تو یہ مہمان دوبارہ آئے گا اور بار بار آئے گا اور اگر تم نے اس مہمان کو دھتکار دیا اور اس کا اکرام نہیں کیا، مثلاً دل میں نیک کام کرنے کا خیال پیدا ہوا، لیکن اس خیال کو یہ سوچ کر جھٹک دیا کہ میاں چھوڑو بعد میں دیکھا جائے گا۔ تو تم نے اللہ کے مہمان کی ناقدری کی اور بے عزتی کی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ مہمان ناراض ہو جائے گا اور آنا چھوڑ دے گا اور اگر تم نے اس خیال پر عمل کرتے ہوئے وہ نیک کام کرلیا تو اللہ تعالیٰ پھر دوبارہ اس مہمان کو تمہارے پاس بھیجیں گے اور وہ داعیہ کسی اور موقع پر کوئی نیک کام تم سے کرالے گا۔ اس لیے جس وقت کسی عزیز یا دوست کو ہدیہ اور تحفہ دینے کا داعیہ دل میں پیدا ہوا بس اسی وقت اس داعیہ پر عمل کر ڈالو۔

ہدیہ کی چیز مت دیکھو بلکہ جذبہ دیکھو

پھر حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ایک تعلیم یہ دی کہ یہ مت دیکھو کہ ہدیہ اور تحفے کے طور پر کیا چیز دی جا رہی ہے، بلکہ یہ دیکھو کہ کس جذبے کے ساتھ وہ ہدیہ اور تحفہ دیا جا رہا ہے۔ اگر چھوٹی سی چیز بھی محبت سے پیش کی جائے یقیناً وہ اس بڑی چیز سے ہزار درجہ بہتر ہے جو صرف دکھاوے اور نام ونمود کے لیے دی جائے۔ اس لیے ایک حدیث میں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا:

لَا تَحْقِرَنَّ جَارَةٌ لِجَارَتِهَا وَلَوْ فِرْسِنَ شَاةٍ[1]

---

(۱) صحیح البخاری ۳/۱۵۳ (۲۵٦٦)۔

یعنی اگر کوئی پڑوسن کوئی ہدیہ بھیجے تو اس کو کبھی حقیر مت سمجھو،
چاہے وہ ہدیہ ایک بکری کا پایہ ہی کیوں نہ ہو۔

اس لیے کہ اس چیز کو مت دیکھو جو پیش کی جا رہی ہے بلکہ اس جذبے کو دیکھو جس جذبے کے ساتھ وہ چیز پیش کی جا رہی ہے۔ اگر محبت کے جذبے سے پیش کی گئی ہے تو اس کی قدر کرو۔ وہ ہدیہ تمہارے لیے مبارک ہے، لیکن اگر بہت قیمتی چیز تمہیں ہدیہ میں دی گئی مگر دکھاوے کے خاطر دی گئی تو اس میں برکت نہیں ہوگی۔ اس لیے اللہ کا کوئی بندہ تمہیں کوئی چھوٹی سی چیز ہدیہ میں دے تو اس کو مبارک سمجھ کر قبول کرلو، دیکھا یہ گیا ہے کہ عموماً چھوٹی چیز ہدیہ میں دینے میں دکھاوا نہیں ہوتا اس لیے کہ وہ چیز ہی معمولی سی ہے، اس میں کیا دکھاوا کریں؟ اور قیمتی چیز ہدیہ میں دینے میں دکھاوا آجاتا ہے۔ اس لیے ہدیہ میں اگر کوئی شخص چھوٹی چیز دے تو اس کی زیادہ قدر کرنی چاہیے۔

ایک بزرگ کی حلال آمدنی کی دعوت

میرے والد ماجد حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ یہ واقعہ سنایا کرتے تھے کہ دیوبند میں ایک بزرگ گھاس کاٹا کرتے تھے اور گھاس بیچ کر اپنا گزارہ کرتے تھے۔ یومیہ ان کی آمدنی چھ پیسے ہوتی تھی، ان کی تقسیم اس طرح کر رکھی تھی کہ دو پیسے تو اپنے استعمال میں لاتے اور دو پیسے صدقہ خیرات کرتے اور دو پیسے جو بچتے ان کو دارالعلوم دیوبند کے بڑے بڑے اکابر اور علماء کی دعوت کے لیے جمع کرتے۔ جب کچھ پیسے جمع ہو جاتے تو علماء اور اکابر دیوبند کی دعوت کرتے۔ جن میں شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا

رشید احمد گنگوہی صاحب رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ ہوتے۔ یہ حضرات فرماتے تھے کہ ہمیں سارے مہینے ان بزرگ کی دعوت کا انتظار رہتا ہے، جبکہ بڑے بڑے دولت مند اور رؤساء بھی دعوت کرتے تھے، ان کا انتظار نہیں رہتا تھا۔ اس لیے کہ یہ ایک اللہ کے بندے کی حلال طیب کمائی سے اور خالص محبت فی اللہ کی خاطر یہ دعوت کی جاتی تھی اور اس میں جو نورانیت محسوس ہوتی وہ کسی اور دعوت میں نہیں محسوس ہوتی تھی۔ فرماتے تھے جب اللہ کے نیک بندے کی دعوت کھا لیتے ہیں تو کئی دن تک دل میں نور محسوس ہوتا ہے اور عبادت کرنے اور ذکر واذکار میں مشغول رہنے کی خواہش رہتی ہے۔ بہرحال! چھوٹی اور معمولی چیز ہدیہ میں دینے میں اخلاص کی زیادہ توقع ہے بڑی چیز کے مقابلے میں۔ اس لیے معمولی ہدیے کی زیادہ قدر کرنی چاہیے۔

ہدیہ میں رسمی چیز مت دو

پھر ہدیہ دینے میں اس بات کا خیال رہنا چاہیے کہ ہدیہ اور تحفہ کا مقصد راحت پہنچانا اور خوش کرنا ہے۔ لہٰذا جو ہدیہ رسم پوری کرنے کے لیے دیا جاتا ہے اس میں راحت کا یا خوشی کا خیال نہیں رکھا جاتا، بلکہ اس میں رسم پوری کرنا مقصود ہوتا ہے۔ اس لیے ایسے ہدیہ میں صرف وہ رسمی چیز ہی دی جاتی ہے، مثلاً یا تو مٹھائی کا ڈبہ دے دیا یا کپڑے کا جوڑا دے دیا وغیرہ۔ اگر اس مخصوص چیز کے علاوہ کوئی دوسری چیز لے جائیں گے تو یہ رسم کے خلاف ہوگئی اور اس کو بطور ہدیہ دیتے ہوئے شرم آئے گی کہ یہ بھی کوئی ہدیہ ہے، لیکن جو شخص اللہ کے لیے اخلاص کے ساتھ کوئی ہدیہ دے گا تو وہ تو یہ دیکھے گا کہ اس شخص کی ضرورت کی کیا

چیز ہے؟ میں وہ چیز اس کو ہدیہ میں دوں تاکہ اس کے ذریعے اس کو فائدہ اور راحت پہنچے۔

ایک بزرگ کے عجیب ہدایا

ایک بزرگ گزرے ہیں حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ۔ یہ تبلیغی جماعت کے معروف حضرات میں سے تھے۔ حضرت والد صاحب قدس اللہ سرہٗ سے بڑی محبت فرماتے اور بکثرت ان کے پاس آیا کرتے تھے۔ ہمیں یاد ہے کہ جب یہ بزرگ حضرت والد صاحب سے ملنے کے لیے دارالعلوم تشریف لاتے تو وہ ایسے عجیب وغریب چیزیں ہدیہ میں لاتے کہ ہم نے ایسے ہدیے کہیں اور نہیں دیکھے۔ مثلاً کبھی کاغذ کا ایک دستہ لے آئے اور حضرت والد صاحب کی خدمت میں پیش کر دیا۔ اب دیکھیے کاغذ کا دستہ آج تک کسی نے ہدیہ میں پیش نہیں کیا، مگر وہ اللہ کے بندے جانتے تھے کہ حضرت مفتی صاحب کا ہر وقت لکھنے کا کام ہوتا ہے۔ یہ کاغذ ان کے کام آئے گا اور لکھنے کا جو نیک کام کریں گے اس میں میرا بھی حصہ لگ جائے گا اور مجھے بھی ثواب مل جائے گا۔ کبھی روشنائی کی دوات لا کر حضرت والد صاحب کی خدمت میں پیش کر دیتے۔ اب بتائیے جو شخص دکھاوا کرے گا وہ کبھی روشنائی کی دوات پیش کرے گا؟ لیکن جس شخص کے پیشِ نظر ہدیہ کے ذریعے اللہ کو راضی کرنا ہے اور جس شخص کے پیش نظر سامنے والے کو راحت اور آرام پہنچانا ہے اسی شخص کے دل میں یہ خیال آسکتا ہے کہ ایسا ہدیہ بھی پیش کیا جاسکتا ہے۔ اب اگر مٹھائی کا ڈبہ ہدیہ میں پیش کر دیتے تو حضرت والد صاحب مٹھائی تو کھاتے نہیں تھے وہ دوسروں کے کھانے میں آتی۔

ہدیہ دینے کے لیے عقل چاہیے

بہر حال! ہدیہ اور تحفہ دینے کے لیے بھی عقل چاہیے اور یہ عقل بھی اللہ کی توفیق سے اور اللہ کی رضاجوئی اور اخلاص سے ملتی ہے، لیکن جہاں ہدیہ دینے کا مقصد ریا اور نام و نمود ہو وہاں یہ عقل کام نہیں آتی۔ وہاں تو انسان رسموں کے پیچھے پڑا رہتا ہے، وہ تو یہ سوچے گا کہ اگر میں ہدیہ میں روشنائی کی دوات لے کر جاؤں گا تو بڑی شرم معلوم ہوگی، اگر مٹھائی کا ڈبہ لے جاتا تو ذرا دیکھنے میں بھی اچھا لگتا۔ آج ہمارے پورے معاشرے کو رسموں نے جکڑ لیا ہے اور اس طرح جکڑ لیا ہے کہ عزیز اور رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی کا جو معاملہ کرتے ہیں اس کو بھی ان رسموں نے تباہ کر دیا ہے۔ چنانچہ ہدیہ اور تحفہ دینا بڑی اچھی چیز ہے اور حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیم ہے، لیکن ہم نے اس کو رسموں کی جکڑ بندی میں لا کر اس کا ثواب غارت کیا، اس کا نور غارت کیا اور اس کی برکت بھی غارت کی اور الٹا اپنے ذمہ گناہ لے لیا۔ خوب یاد رکھیے یہ ''نیوتہ'' وغیرہ حرام قطعی ہے۔ ہاں اگر کوئی شخص خوش دلی سے بدلے اور شکریے کی توقع کے بغیر اگر دے گا تو ان شاء اللہ اس پر اجر وثواب ملے گا۔

ہر کام اللہ کے لیے کرو

یہ تو ہدیہ اور تحفے کی بات تھی۔ اس کے علاوہ بھی عزیز و رشتہ داروں کے حقوق ہیں، مثلاً کسی کے دکھ درد میں شریک ہو گئے، کسی کی ضرورت کے موقع پر اس کے کام آ گئے وغیرہ۔ اس میں بھی حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں یہ تعلیم دی کہ جب کسی عزیز رشتہ دار کا کوئی کام کرو تو صرف اللہ کے لیے کرو اور اس خیال

سے مت کرو کہ یہ میرے گن گائے گا یا میرا شکریہ ادا کرے گا یا مجھے بدلہ دے گا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اس کا کام بھی کروگے اور پھر بھی دنیا میں خوشی حاصل نہیں ہوگی۔

رشتے دار بچھو کے مانند ہیں

ہمارے معاشرے کی غلط فکر کی وجہ سے عربی زبان میں ایک مثل مشہور ہے کہ

"الاقارب کالعقارب"(۱)

اقارب کے معنی ہیں رشتہ دار اور عقارب عقرب کی جمع ہے، اس کا معنی ہیں بچھو۔ معنی یہ ہوئے کہ رشتہ دار بچھو جیسے ہیں، ہر وقت ڈنک مارنے کی فکر میں رہتے ہیں، کبھی راضی نہیں ہوتے۔ یہ مثل اس لیے مشہور ہوئی کہ رشتہ داروں کے ساتھ جب بھی حسن سلوک کیا تو اس امید کے ساتھ کیا کہ ان کی طرف سے جواب ملے گا، لیکن جب توقع کے مطابق جواب نہیں ملا تو اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ بچھو ہوگئے۔ اگر یہ حسنِ سلوک اس نیت سے کیا جاتا کہ میرے اللہ نے حسن سلوک کا حکم دیا ہے اور یہ حضورِ اقدس ﷺ کی سنت ہے، اس وقت انسان یہ سوچتا ہے کہ یہ رشتہ دار جواب دے نہ دے، لیکن اللہ تو جواب دینے والا موجود ہے۔ اس لیے کہ میں نے یہ کام اللہ تعالیٰ کے لیے کیا ہے۔ مزہ تو اسی وقت ہے کہ تم رشتہ داروں کے ساتھ احسان اور حسنِ سلوک کرتے رہو اور ان کی طرف سے جواب ملے نہ ملے، بلکہ الٹا جواب ملے گا، مگر پھر بھی ان کے ساتھ

(۱) یتمۃ الدھر فی محاسن اھل العصر للثعالبی ۲۱۱/۳ طبع دار الکتب العلمیۃ۔

حسن سلوک اس نیت سے کیے جاؤ کہ جس کے لیے کر رہے ہیں وہ جواب دینے والا موجود ہے۔ اس لیے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمادیا کہ صلہ رحمی کرنے والا وہ شخص نہیں ہے جو بدلے کا انتظار کرے، بلکہ صلہ رحمی کرنے والا وہ شخص ہے کہ دوسرے تو قطع رحمی کریں، لیکن اس کے باوجود صلہ رحمی کرے(۱)۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا رشتہ داروں سے سلوک

حضورِ اقدس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھیے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رشتہ داروں کے ساتھ کیسا سلوک کیا؟ چند رشتہ داروں کے علاوہ باقی سب رشتہ دار آپ کی جان کے دشمن اور خون کے پیاسے تھے اور آپ کو تکلیفیں پہنچانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ یہاں تک کہ آپ کے چچا اور چچا کے بیٹے جو قریب ترین عزیز تھے مگر آپ کو تکلیف پہنچانے کی کوشش میں لگے ہوئے تھے، لیکن حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی طرف سے رشتہ داری کا حق ادا کرنے میں کوئی کوتاہی نہیں کی۔ چنانچہ فتحِ مکہ کے موقع پر جب بدلہ لینے کا وقت آیا تو آپ نے سب کو معاف کردیا اور یہ اعلان فرمادیا کہ جو شخص حرم میں داخل ہوجائے گا وہ بھی مامون ہے، جو شخص ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو جائے گا وہ بھی مامون ہے (۲) اور کسی سے بدلہ نہیں لیا اور نہ کسی سے یہ توقع رکھی کہ وہ میرے حسن سلوک کا بدلہ دے گا۔ لہٰذا رشتہ داروں کی بدسلوکی پر حسنِ سلوک کرنا بھی سنت ہے اور اچھائی کے ساتھ بدلہ دینا بھی سنت ہے۔

---

(۱) صحیح البخاری ۸/۶ (۵۹۹۱)۔
(۲) صحیح مسلم ۱۴۰۵/۳ (۱۷۸۰)۔

مخلوق سے اچھی توقعات ختم کردو

اسی لیے حکیم الامت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے مواعظ میں بڑے تجربے کی بات فرمائی ہے۔ فرمایا کہ دنیا میں راحت سے رہنے کا صرف ایک ہی نسخہ ہے۔ وہ یہ کہ مخلوق سے توقعات ختم کردو، مثلاً یہ توقع رکھنا کہ فلاں شخص میرے ساتھ اچھائی کرے گا، فلاں شخص میرے کام آئے گا، فلاں شخص میرے دکھ درد میں شریک ہوگا۔ یہ تمام توقعات ختم کر کے صرف ایک ذات یعنی اللہ جل شانہٗ سے توقع رکھو۔ اس لیے کہ مخلوقات سے توقع ختم کرنے کے بعد اگر ان کی طرف سے کوئی اچھائی ملے گی تو وہ خلافِ توقّع ملے گی۔ اس کے نتیجے میں خوشی بہت ہوگی، کیونکہ خلافِ توقع ملی ہے اور اگر مخلوق کی طرف سے کوئی تکلیف پہنچے گی تو پھر رنج زیادہ نہیں ہوگا۔ اس لیے کہ اچھائی کی توقع تو تھی نہیں تکلیف ہی کی توقع تھی، وہ تکلیف توقع کے مطابق ملی اس لیے صدمہ اور رنج زیادہ نہیں ہوگا۔ اس لیے کہ اچھائی کی توقع کے بعد تکلیف پہنچے تو صدمہ اور رنج بہت زیادہ ہوتا ہے کہ توقع تو یہ تھی اور یہ ملا۔ لہٰذا توقع کے بغیر جو اچھائی مل رہی ہے وہ سب بونس ہے۔

دنیا دکھ ہی پہنچاتی ہے

دنیا کی حقیقت یہ ہے کہ انسان کو دکھ ہی پہنچاتی ہے۔ اگر کبھی خوشی اور منفعت حاصل ہو جائے تو سمجھ لو کہ یہ اللہ تعالیٰ کا خاص انعام ہے اور اگر دکھ آئے تو سمجھ لو کہ یہ تو آنا ہی تھا، اس لیے اس پر زیادہ صدمہ کرنے کی ضرورت نہیں۔ یہ بات بالکل سو فیصد درست ہے۔ اگر ہم اس بات کو پلے باندھ لیں اور اس پر عمل کرلیں تو پھر

سارے شکوے اور شکایتیں ختم ہو جائیں۔ اس لیے کہ یہ شکوے اور شکایتیں توقعات کے بعد ہی پیدا ہوتے ہیں، جو توقع رکھنی ہے اللہ سے رکھو، مخلوقات سے توقع رکھنا چھوڑ دو گے تو ان شاء اللہ راحت اور آرام میں آ جاؤ گے۔

اللہ والوں کا حال

ہمارے بڑے یہ نسخہ بتا گئے اور میں نے آپ کے سامنے یہ نسخہ بتا دیا اور آپ نے سن لیا، لیکن محض کہنے اور سننے سے بات نہیں بنتی ہے، بلکہ اس بات کو دل میں بٹھائیں اور اس کی مشق کریں۔ بار بار اپنا جائزہ لیں کہ ہم نے دوسروں سے کون کون سی توقعات باندھ رکھی ہیں اور کیوں باندھ رکھی ہیں؟ اللہ سے توقعات کیوں نہیں باندھیں؟ آپ نے اللہ والوں کو دیکھا ہوگا کہ وہ ہمیشہ خوش رہتے ہیں، ان کے اوپر بڑے سے بڑا غم بھی آ جائے گا تو تھوڑا بہت رنج ہوگا، لیکن وہ غم ان کے اوپر مسلط نہیں ہوگا اور وہ غم ان کو بے چین اور بے تاب نہیں کرے گا۔ کیونکہ انہوں نے اپنے مالک سے اپنا تعلق جوڑا ہوا ہے، مخلوق کی طرف نگاہ نہیں ہے، مخلوق سے توقعات نہیں، مخلوق سے کچھ نہیں مانگتے، جو کچھ مانگتے ہیں اللہ سے مانگتے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ وہ ہمیشہ سکون اور اطمینان سے رہتے ہیں۔

ایک بزرگ کا واقعہ

حکیم الامت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک بزرگ کے بارے میں لکھا ہے کہ ان سے کسی نے پوچھا کہ حضرت کیا حال ہے؟ کیسے مزاج ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ الحمد للہ بہت اچھا حال ہے۔ پھر فرمایا کہ میاں اس

شخص کا کیا حال پوچھتے ہو کہ اس کائنات میں کوئی کام اس کی مرضی کے خلاف نہیں ہوتا۔ یعنی میں وہ شخص ہوں کہ کائنات میں کوئی کام میری مرضی کے خلاف نہیں ہوتا، بلکہ ہر کام میرے مرضی کے مطابق ہوتا ہے اور اس کائنات کے سب کام جس کی مرضی کے مطابق ہو رہے ہوں اس سے زیادہ خوش اور اس سے زیادہ عیش میں کون ہو سکتا ہے؟ سوال کرنے والے کو بڑا تعجب ہوا۔ اس نے کہا کہ یہ بات تو انبیاء علیہم السلام کو بھی حاصل نہیں ہوئی تھی کہ اس کائنات کا ہر کام ان کی مرضی کے مطابق ہوتا ہو، بلکہ ان کی مرضی کے خلاف بھی کام ہوتے تھے، آپ کا ہر کام آپ کی مرضی کے مطابق کیسے ہو جاتا ہے؟ ان بزرگ نے جواب دیا کہ میں نے اپنی مرضی کو اللہ کی مرضی کے تابع بنا دیا ہے، بس جو میرے اللہ کی مرضی وہ میری مرضی، جو میرے اللہ کی مشیت وہی میری مشیت اور اس کائنات میں ہر کام اللہ کی مرضی اور اللہ کی مشیت کے مطابق ہو رہا ہے اور میں نے اپنی انا کو مٹا دیا ہے اس لیے ہر کام میری مرضی کے مطابق ہو رہا ہے، کیونکہ وہ اللہ کی مرضی سے ہو رہا ہے۔ اس لیے میں بڑا خوش ہوں اور عیش و عشرت میں ہوں۔

بزرگوں کا سکون اور اطمینان

بہرحال! اللہ والوں کو جو سکون اور آرام اور راحت میسر ہے، جس کے بارے میں حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر دنیا کے بادشاہوں کو ہماری عافیت اور سکون اور راحت کا پتہ چل جائے تو وہ بادشاہ تلواریں لے کر ہمارا مقابلہ کرنے کے لیے آجائیں کہ یہ راحت اور سکون ہمیں دے دو۔ یہ سکون مخلوق سے نگاہیں ہٹانے سے اور مخلوق سے توقعات ختم کرنے سے حاصل ہوتا ہے۔ جب مخلوق سے توقعات ختم ہو جاتی ہیں تو پھر دیکھو کیسا سکون حاصل ہوتا

ہے، لیکن یہ چیزیں صرف کہنے سننے سے نہیں حاصل ہوتیں، صحبت کے نتیجے میں یہ چیزیں رفتہ رفتہ منتقل ہو جاتی ہیں اور انسان کی دنیا اور آخرت سنور جاتی ہیں۔

خلاصہ

خلاصہ یہ ہے کہ عزیز و اقارب کے حقوق کی ادائیگی اور ان کے ساتھ حسن سلوک اللہ کو راضی کرنے کے لیے ہو اور محض دکھاوے کے لیے اور رسم پوری کرنے کے لیے نہ ہو۔ اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے فضل وکرم سے مجھے اور آپ سب کو اس حقیقت کو سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ اور اس پر عمل کرنے کی بھی توفیق عطا فرمائے آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

معاف کرنے کی فضیلت

(درسِ شعب الایمان ۳/ ۱۷۳)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

معاف کرنے کی فضیلت

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَاهَادِىَ لَهٗ، وَأَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَهٗ وَأَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَنَبِيَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا كَثِيْرًا۔

أَمَّابَعْدُ!

عن ابن عباس رضي الله عنهما قال: قال رسول الله ﷺ: «ثَلَاثٌ مَنْ كُنَّ فِيهِ آوَاهُ اللّٰهُ فِي كَنَفِهِ، وَسَتَرَ عَلَيْهِ بِرَحْمَتِهِ، وَاَدْخَلَهُ فِي مَحَبَّتِهِ»، قِيلَ: وَمَاهُنَّ يَا رَسُولَ اللّٰهِ؟ قَالَ: «مَنْ إِذَا أُعْطِيَ شَكَرَ، وَإِذَا قَدَرَ

غَفَرَ، وَإِذَا غَضِبَ فَتَرَ»(۱)

تین قیمتی اعمال

حدیث کا تھوڑا سا بیان پچھلی دو مجلسوں میں ہو چکا ہے۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں کہ جس شخص میں تین باتیں پائی جائیں تو اللہ تبارک وتعالیٰ اس کو اپنی گود میں پناہ دیتے ہیں، اس کے اوپر اپنی رحمت کا پردہ ڈال دیتے ہیں، اس کو اپنی رحمت میں چھپا لیتے ہیں اور اس کو اپنی محبت میں داخل فرما لیتے ہیں یعنی اس سے محبت فرماتے ہیں۔ تو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے پوچھا: "وماهن یارسول الله؟" وہ تین چیزیں کیا ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ پہلی خصلت یہ ہے

من اذا اعطی شکر

جب کوئی نعمت ملے، کوئی اچھائی، کوئی راحت، کوئی مسرت حاصل ہو تو بندہ شکر ادا کرے۔ دوسری خصلت یہ ہے

واذا قدر غفر

اور جب اس کو کسی پر قدرت حاصل ہو جائے یعنی انتقام لینے کا موقع مل جائے، پہلے اس کو کسی سے کوئی تکلیف پہنچی تھی کسی سے کوئی صدمہ پہنچا تھا اور اب

---

(۱) شعب الایمان للبیهقی ۲۴۹/۶ (٤١١٩) والمستدرک للحاکم ۲۱٤/۱ (٤٣٣) وقال هذا حدیث صحیح الاسناد، فان عمر بن راشد شیخ من اهل الحجاز من ناحية المدينة، قد روى عنه اکابر المحدثين. وقال الذهبی فی "التلخيص": بل واه، فان عمر -يعني عمر بن راشد الجاري- قال فيه ابوحاتم: وجدت حديثه كذبا. وشعب الايمان ۲۴۹/۶ (٤١١٨) من حديث ابي هريرة، وقال البيهقي وهذا الاسناد ايضا ضعيف.

اس سے بدلہ لینے کا موقع مل گیا، قدرت حاصل ہوگئی تو بدلہ لینے کے بجائے اس کو معاف کردے۔

تیسری خصلت یہ بیان فرمائی:

"واذا غضب فتر"

اور جب اس کو غصہ آئے تو غصہ کے تقاضے پر عمل کرنے کے بجائے وہ ڈھیلا پڑجائے۔ ان تین باتوں کی عظیم فضیلت ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے فضل وکرم سے ہم سب کو عمل کی توفیق عطا فرمائے۔

دن رات کی نعمتوں پر شکر

ان میں سے پہلی بات یہ ہے کہ جب کوئی نعمت ملے تو شکر ادا کرے۔ میں بار بار عرض کرتا رہتا ہوں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی نعمتوں پر شکر ادا کرنے کی عادت ڈالنے کی ضرورت ہے اور شکور بننے کی ضرورت ہے کہ ہر وقت اللہ جل جلالہ کی جو بے شمار نعمتیں انسان کے اوپر مبذول ہیں ان نعمتوں کا تصور کر کے اللہ تبارک وتعالیٰ کا شکر ادا کرنے کی عادت ڈالیں اور وہ حدیث بھی سنائی تھی کہ رسولِ کریم سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کم از کم اتنا ہی کرلو کہ صبح کو یہ کہہ دیا کرو:

"اَللّٰھُمَّ مَا اَصْبَحَ بِیْ مِنْ نِعْمَةٍ، اَوْ بِاَحَدٍ مِنْ خَلْقِكَ، فَمِنْكَ وَحْدَكَ، لَا شَرِيكَ لَكَ، فَلَكَ الْحَمْدُ وَلَكَ الشُّكْرُ"(۱)

---

(۱) سنن أبی داود ۳۱۸/٤ (۵۰۷۳) وذكره النووی فی "الاذكار" ۷۹ (۲۱٦) وقال باسناد جيد طبع دار الفكر، بيروت.

یا اللہ! آج کے دن مجھے جتنی نعمتیں حاصل ہوں گی، آپ سے براہ راست ملی ہوں یا آپ کی کسی مخلوق کے ذریعے مجھے حاصل ہوئی ہوں وہ تنہا آپ ہی کی طرف سے ہیں، اس نعمت کے دینے میں آپ کا کوئی شریک نہیں ہے آپ ہی کی تعریف ہے اور آپ ہی کا شکر ہے۔

جس نے یہ کلمات صبح کو کہے اس نے دن کی نعمتوں کا شکر یہ ادا کر دیا اور جس نے شام کو کہے اس نے رات کی نعمتوں کا شکریہ ادا کر دیا۔ (شام کو جب مذکورہ دعا پڑھیں تو مَا أَصْبَحَ کی جگہ مَا أَمْسیٰ پڑھیں باقی دعا اسی طرح رہے گی) اللہ تعالیٰ اس کی توفیق عطا فرمائے۔

شکر ایک آسان ترین عمل

شکر ادا کرنے میں تو صرف توجہ اور دھیان کی ضرورت ہے۔ یہ کوئی مشکل کام نہیں، کوئی وقت نہیں لگتا، کوئی محنت نہیں لگتی کوئی اپنے جذبات کو قربان نہیں کرنا پڑتا، کوئی تکلیف اٹھانی نہیں پڑتی۔ اس طرف دھیان ہو جائے تو شکر ادا ہوجائے گا۔ یہاں تک کہ اگر آدمی زبان سے بھی نہیں کہہ رہا، دل ہی دل میں شکر ادا کر لے تو بھی یہ خصلت حاصل ہو جائے گی، ایک حدیث میں آتا ہے کہ اگر کوئی شخص لفظ شکر بھی نہ کہے، لیکن دل میں یہ سوچ لے کہ یہ جو نعمت مجھے ملی ہے، یہ اللہ جل جلالہ کی عطاء ہے، یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا فضل و کرم ہے۔ اتنا سوچ لینے سے بھی شکر کی عبادت ادا ہو جاتی ہے[1]۔ یہ تو اتنی آسان چیز ہے کہ

(۱) مسند احمد ۳۹۰/۳۰ (۱۸۴۴۹) ومسند البزار ۲۲٦/۸ (۳۲۸۲) والحدیث ذکرہ للمنذری فی "الترغیب والترھیب" ۴٦/۲ وقال: رواہ عبداللہ بن احمد فی زوائدہ باسناد لا باس بہ۔

کہ عملاً کچھ مشکل نہیں ہے۔ اسی لیے بزرگوں نے اس کی عادت ڈالنے کی تلقین فرمائی ہے اور یہ ہم جیسوں کے لیے بڑا ہی آسان عمل ہے۔

معاف کرنا ہمت کا کام ہے

دوسری خصلت یہ بیان فرمائی واذا قدر غفر یہ انسان کے جذبات کی قربانی چاہتی ہے کہ ایک شخص سے تکلیف پہنچی ہے، صدمہ پہنچا ہے اس نے کوئی زیادتی کی ہے اور اب موقع مل گیا ہے کہ اس سے بدلہ لے، اس کو بھی تکلیف پہنچائی جائے۔ اس موقع پر انسان کے دل میں انتقام کا جذبہ امنڈتا ہے اور اس جذبہ کو دبانا ذرا مشکل کام ہوتا ہے۔ یہ آسان کام نہیں ہے۔ خود قرآنِ کریم نے فرمایا:

وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ اِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ (۱)

اور یہ حقیقت ہے کہ جو کوئی آدمی تکلیفوں پر صبر کر لے اور لوگوں کو معاف کر دے تو یہ بڑی ہمت کی بات ہے۔

قرآنِ کریم خود فرما رہا ہے کہ یہ بڑی ہمت کی بات ہے یہ تھوڑا سا مشکل کام ہے، لیکن آدمی اس مشکل کو عبور کر جائے اور اپنے جذبات کی قربانی دے دے تو اس کو اتنا بڑا انعام دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو اپنی آغوش میں لے لیں گے اپنی رحمت کے پردے اس کے اوپر ڈال دیں گے اور اس سے محبت فرمائیں گے۔ تو اتنی بڑی نعمت اور اتنا بڑا انعام اس کے اوپر فرمایا گیا۔

---

(۱) سورۃ الشوریٰ آیت (٤٣)۔

بدلہ لینے کی اجازت ہے، لیکن

اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہر انسان کے دل میں بدلہ لینے کا ایک داعیہ رکھا ہے، کسی نے تکلیف پہنچائی ہے تو بدلہ لینے کا شوق دل میں پیدا ہوتا ہے، امنگ پیدا ہوتی ہے اور اس کے خلاف جذبات امنڈتے ہیں اور اس بات کی شریعت نے بھی اجازت دی ہے کہ جتنی تکلیف اس نے تمہیں ناحق پہنچائی ہے اتنی ہی تم اس کو بھی پہنچا دو تو یہ جائز ہے، اس میں کوئی گناہ نہیں۔

وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا (۱)

اور کسی برائی کا بدلہ اس جیسی برائی ہے۔

جتنی برائی اس نے کی ہے اتنی برائی تم بھی کر سکتے ہو اگر اس نے تمہیں کوئی برا لفظ کہا ہے وہی برا لفظ تم اس کو بھی کہہ سکتے ہو، لیکن بشرطیکہ وہ فعل یا الفاظ بذاتِ خود کوئی گناہ نہ ہو۔ اس نے اگر تمہیں کوئی ہاتھ سے تکلیف پہنچائی ہے اتنی ہی تکلیف تم بھی پہنچا سکتے ہو اور یہ بھی شرط ہے کہ بدلہ لینا برابری کی بنیاد پر ہو اور زیادتی نہ ہو تو شریعت نے اس کو جائز قرار دیا ہے۔

وَلَمَنِ انْتَصَرَ بَعْدَ ظُلْمِهٖ فَاُولٰٓئِكَ مَا عَلَيْهِمْ مِّنْ سَبِيْلٍ (۲)

اور جو شخص اپنے اوپر ظلم ہونے کے بعد (برابر کا) بدلہ لے تو ایسے لوگوں پر کوئی الزام نہیں ہے۔

(۱) سورۃ الشوریٰ آیت (۴۰)۔
(۲) سورۃ الشوریٰ آیت (۴۱)۔

جتنا کسی نے تم سے کوئی زیادتی کی ہے، اتنی زیادتی تم بھی کر سکتے ہو۔ اس کی شریعت نے اجازت دی ہے۔ تو دل امنڈ رہا ہے اور بدلہ لینے کو دل چاہ رہا ہے تو بدلہ لے بھی سکتے ہو۔ پھر بھی اگر معاف کر دو تو یہ بڑی ہمت کا کام ہے اور جب یہ کام کر لوگے تو اس سے اللہ تعالیٰ کے قرب کے درجات حاصل ہوں گے۔ اس لیے کہ یہ درحقیقت بندہ کے لیے اللہ تعالیٰ سے قریب ہونے کا ایک راستہ ہے۔

تم پسند نہیں کرتے کہ اللہ تمہیں معاف کرے؟

دوسروں کو معاف کرنا تھوڑا مشکل ہے۔ اس لیے کہ اس کام میں جذبات کی قربانی دینی پڑتی ہے، اپنے دل کے تقاضوں کو دبانا پڑتا ہے، لیکن اس کو آسان کرنے کے لیے اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآنِ کریم میں ایک بہت ہی عجیب نسخہ بیان فرمایا:

اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ یَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ (۱)

کیا تم یہ پسند نہیں کرتے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ تمہیں معاف کر دے؟

کتنی زیادتیاں ہیں جو تم دن رات کر رہے ہو، کتنے گناہ ہیں جو تم سے سرزد ہوتے ہیں کتنی خطائیں ہیں جن کا تم ارتکاب کر رہے ہو؟ اللہ تبارک وتعالیٰ کی بارگاہ کا اور اللہ تبارک وتعالیٰ کی بندگی کا جو حق ہے وہ تم سے کہاں ادا ہو رہا ہے؟ تم رات دن کتنی غلطیاں کرتے ہو؟

---

(۱) سورة النور آیت (۲۲)۔

صرف نماز ہی کو دیکھ لو

تم نماز ہی کو دیکھ لو، چار رکعتیں نماز پڑھ کے آئے ہو، ان چار رکعت نماز کے اندر کیا کچھ غلطیاں ہوئیں۔ خشوع کامل ہوا؟ اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف توجہ ہوئی؟ انابت اور رجوع کی توفیق ہوئی؟ یہ نماز جو تم پڑھ کے آئے ہو اس نماز کا حق ادا ہوا؟ حالانکہ نماز نیکی کا کام ہے، مگر اس میں بھی کتنی خطائیں سرزد ہوئی ہیں۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ فرمارہے ہیں کیا تم یہ پسند نہیں کرتے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ تمہیں معاف کردے؟ کیا تم یہ نہیں چاہتے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ تمہیں معاف کرے؟ یعنی جب کسی اور شخص کی غلطی سامنے آئے اور اس غلطی کا بدلہ اور انتقام لینے کی دل میں خواہش پیدا ہو تو ذرا یہ تصور کرو کہ تم نے اللہ تبارک وتعالیٰ کی کتنی غلطیاں کررکھی ہیں اور اب تمہاری خواہش یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ تمہیں معاف کردے تو جب اپنے لیے معافی چاہ رہے ہو، اپنے لیے معافی پسند کررہے ہو تو دوسرے کے لیے بھی معافی پسند کرو، دوسرے کو بھی معاف کردو اور اس کے نتیجے میں اللہ تبارک وتعالیٰ ان شاء اللہ تمہاری مغفرت فرمائیں گے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر تہمت

أَلَا تُحِبُّونَ أَنْ يَغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ (1)

کیا تم پسند نہیں کرتے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں معاف کرے؟

---

(1) سورۃ النور آیت (۲۲)۔

یہ آیت ایک عجیب واقعہ میں نازل ہوئی ہے۔ آپ حضرات نے سنا ہوگا کہ ایک موقع پر حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں منافقین نے ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اوپر تہمت لگائی تھی۔ ایسی عفت مآب خاتون جن کی عفت اور عصمت پر ملائکہ بھی رشک کریں۔ ان کے اوپر منافقین کی طرف سے جھوٹی اور بے بنیاد تہمت لگا کر دنیا میں پھیلائی جارہی ہے۔

براءت میں دو رکوع کا نزول

بعد میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی براءت کے سلسلے میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے قرآنِ کریم کے دو رکوع نازل فرمائے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں تو اپنے آپ کو اس قابل نہیں سمجھتی تھی کہ میرے بارے میں قرآنِ کریم کی کوئی ایک آیت نازل ہو۔ البتہ یہ ضرور خیال تھا کہ کسی وقت اللہ تبارک وتعالیٰ میری براءت نبی کریم سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کے کسی اور طریقے سے ظاہر فرما دیں گے، مثلاً نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی خواب نظر آجائے گا اور انبیاء کرام کا خواب بھی وحی ہوتا ہے یا کوئی اور طریقے سے وحی آجائے گی جیسے وحیِ غیر متلو آجائے گی اور اس کے ذریعے براءت نازل فرما دیں گے، لیکن یہ تو میرے تصور میں بھی نہیں تھا کہ میری براءت کے لیے اللہ تبارک و تعالیٰ دو رکوع نازل فرمائیں گے۔ تو قرآنِ کریم کے دو رکوع نازل ہوئے اور براءت آگئی۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت

جن لوگوں نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے خلاف اتنی گھناؤنی اور قابلِ نفرت تہمت عائد کی تھی، انہوں نے کتنی بڑی زیادتی کی تھی۔ ایک روایت

میں کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے آکر درخواست کی کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو میرا اسلام پہنچادینا[1]۔ اس خاتون کے بارے میں اتنی بڑی تہمت اور اتنا بڑا الزام عائد کیا گیا۔ ظاہر ہے کہ اس کی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دل بھی زخمی تھا اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جن کی بیٹی ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں یہ بات کہی جارہی ہے تو ان کا خون نہیں کھولے گا؟ تو حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کا بھی دل جگر زخمی تھا۔ حضرت مسطح بن اثاثہ رضی اللہ عنہ جو مخلص صحابی تھے، کوئی منافق نہیں تھے، لیکن جب پروپیگنڈا ہوتا ہے اور ایک بات بہت شد و مد کے ساتھ پھیلائی جاتی ہے تو بعض مخلص اور سادہ لوح لوگ بھی اس کا شکار ہو جاتے ہیں، اس لیے وہ بھی اس سازش کا شکار ہو گئے تھے اور اس پروپیگنڈے میں آکر انہوں نے بھی کچھ کلمات ایسے کہہ دیے تھے۔

امداد روکنے کی قسم کیوں کھائی؟

جب صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کو پتہ لگا کہ انہوں نے میری بیٹی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں ایسی بات کہی ہے تو انہوں نے قسم کھالی کہ آئندہ میں ان پر ایک پیسہ بھی خرچ نہیں کروں گا۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ان کا سارا خرچہ برداشت کرتے تھے۔ ان کو پیسے دیا کرتے تھے اور گھر کے کھانے پینے کا انتظام کرتے تھے، تو جب یہ بات سنی تو قسم کھالی کہ میں بھی قسم کھاتا ہوں کہ اس شخص کو اب آگے ایک پیسہ نہیں دوں گا۔ اس پر خرچہ نہیں کروں گا اور ایسا کرنا کوئی بری

---

(۱) صحیح البخاری ۱۱۲/٤ (۳۲۱۷)۔

بات بھی نہیں تھی، اتنی بڑی سنگین زیادتی کے بعد کچھ اور نہیں کیا، کوئی بدلہ نہیں لیا، صرف یہ کہ جو نیکی کر رہے تھے اسے ملتوی کرنے ارادہ کر لیا اور ان کے ذمے یہ نیکی کرنا فرض تو تھا نہیں کہ ان کا خرچہ اٹھائیں۔

معافی اور درگزر کا حکم

لیکن جب قسم کھائی کہ ان کو خرچہ نہیں دوں گا تو یہ آیت نازل ہوئی:

وَلَا يَأْتَلِ أُولُو الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ أَنْ يُؤْتُوا أُولِي الْقُرْبَىٰ وَالْمَسَاكِينَ وَالْمُهَاجِرِينَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلْيَعْفُوا وَلْيَصْفَحُوا أَلَا تُحِبُّونَ أَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَكُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ (۱)

اور تم میں سے جو لوگ اہل خیر ہیں اور مالی وسعت رکھتے ہیں، وہ ایسی قسم نہ کھائیں کہ وہ رشتہ داروں، مسکینوں اور اللہ کے راستے میں ہجرت کرنے والوں کو کچھ نہیں دیں گے اور انہیں چاہیے کہ معافی اور درگزر سے کام لیں۔ کیا تمہیں یہ پسند نہیں ہے کہ اللہ تمہاری خطائیں بخش دے؟ اور اللہ بہت بخشنے والا بڑا مہربان ہے۔

صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کا مقام

اس آیت میں یہ جو فرمایا کہ ''اولو الفضل'' یعنی جو لوگ فضل والے ہیں، اہلِ خیر ہیں اور جن کو اللہ تعالیٰ نے مال میں وسعت عطا فرمائی۔ یہاں

(۱) سورۃ النور آیت (۲۲)۔

اولو الفضل سے مراد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں۔ قرآنِ کریم نے حضرت صدیق اکبر کے لیے اولو الفضل کا لفظ استعمال فرمایا کہ فضیلت والے لوگ۔ تو حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی فضیلت خود قرآنِ کریم سے ثابت ہے۔ پھر فرمایا کہ وہ قسم نہ کھائیں کہ کسی رشتے داروں، مسکینوں اور مہاجرین کی مدد نہیں کریں گے، ان کو پیسے نہیں دیں گے۔ آگے ارشاد فرمایا: کیا تم یہ پسند نہیں کرتے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں معاف کرے، اللہ تبارک تعالیٰ تمہاری مغفرت کرے اور تمہاری خطاؤں سے درگزر کرے۔

صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ نے معاف کردیا

آپ اندازہ لگائیے کہ ایسے موقع پر جبکہ انہوں نے اتنی بڑی سنگین غلطی کی تھی تو حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ نے نیکی کرنے کا ارادہ ملتوی کیا تھا، تو اس کے جواب میں قرآنِ کریم کی یہ آیت نازل ہوگئی کہ تمہیں یہ زیب نہیں دیتا کہ قسم کھا کر بیٹھ جاؤ ان کو کچھ نہیں دو گے اور کیا تم پسند نہیں کرتے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں معاف کرے؟ تو یہ آیت سنتے ہی حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ رو پڑے اور پھر فرمایا: کیوں نہیں؟ میں تو یقینا یہ پسند کرتا ہوں کہ اللہ تبارک و تعالیٰ میرے گناہوں کی مغفرت فرمائے اور پھر اس وقت سے ان کا نفقہ جاری کردیا اور ساری زندگی ان کا نفقہ ادا کرتے رہے۔ (۱)

انتقام کے جذبے کا علاج

جب کسی نے تکلیفیں پہنچائی ہوں تو اس وقت انتقام کا جذبہ طبیعت میں پیدا

(۱) صحیح البخاری ۱۷۳/۳ (۲۶۶۱) وصحیح مسلم ۲۱۲۹/٤ (۲۷۷۰).

ہوتا ہے۔ یہ ایک طبعی جذبہ ہے، ایسے موقع پر دل چاہتا ہے کہ اس کا منہ نوچ لوں، دل چاہتا ہے کہ اس کی برائی کردوں، دل چاہتا ہے کہ اسے ماروں یا کوئی اور انتقام کی کاروائی کروں، یہ جو دل میں جذبہ پیدا ہو رہا ہے اس کا علاج اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ فرمایا کہ ایسے موقع پر یہ سوچ لو"کیا تمہیں یہ پسند نہیں ہے کہ اللہ تمہاری خطائیں بخش دے"۔

بدلہ لے کر کیا ملے گا؟

اور پھر اس طرف بھی توجہ دلائی گئی ہے کہ اگر تم نے بدلہ لے لیا اور اس کو تکلیف پہنچادی تو بتاؤ کہ تمہیں کیا فائدہ پہنچا؟ ٹھیک ہے، تمہارے لیے بدلہ لے لینا جائز تھا اب تم نے بدلہ لے لیا، تم نے اس جواز پر عمل کرلیا تو فائدہ کیا پہنچا سوائے اس کے کہ بس ذرا سا دل ٹھنڈا ہوا، ذرا سا دل کو یہ سکون ملا کہ اس نے میرے ساتھ برائی کی تھی، میں نے بھی اس کے ساتھ ویسا ہی کردیا، لیکن تمہیں کوئی پیسہ مل گیا؟ تمہیں کوئی دولت مل گئی؟ تمہیں کوئی جنت مل گئی؟ دنیا کا کوئی اور فائدہ تمہیں حاصل نہیں ہوا۔

معاف کرنے کا دنیا میں صلہ

اس کے برخلاف اگر معاف کردو، بدلہ نہ لو تو اس کا فائدہ دنیا اور آخرت میں اللہ تبارک وتعالیٰ یہ عطا فرماتے ہیں جس کو معاف کیا گیا تھا، جس کی زیادتی کو معاف کیا تھا اگر وہ تمہارا بد سے بدترین دشمن بھی ہوگا تو وہ اس معافی کے نتیجے میں تمہارا جگری دوست بن جائے گا۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشادِ مبارک ہے:

اِدۡفَعۡ بِالَّتِیۡ ہِیَ اَحۡسَنُ فَاِذَا الَّذِیۡ بَیۡنَکَ وَ بَیۡنَہٗ عَدَاوَۃٌ کَاَنَّہٗ وَلِیٌّ حَمِیۡمٌ (۱)

کسی نے تمہارے ساتھ برائی کی ہے تو اس برائی کا بدلہ اچھائی کے ساتھ کرو تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ جس کے ساتھ دشمنی تھی (معاف کرنے کے نتیجے میں) وہ دیکھتے ہی دیکھتے تمہارا جگری دوست بن جائے گا۔

معاف کرنے کی توفیق کسے ملتی ہے؟

اس کے ساتھ ساتھ قرآنِ کریم نے یہ بھی فرمایا:

وَ مَا یُلَقّٰہَاۤ اِلَّا الَّذِیۡنَ صَبَرُوۡا ۚ وَ مَا یُلَقّٰہَاۤ اِلَّا ذُوۡ حَظٍّ عَظِیۡمٍ ﴿۳۵﴾ (۲)

(یہ معاف کردینے کی خصلت) انہی کو عطا ہوتی ہے جنہوں نے صبر کی مشق کر رکھی ہو (یعنی بڑے صابر لوگ ہوں) اور یہ خصلت اسی کو عطا ہوتی ہے جو بڑے نصیب والا ہو۔

دشمنی ختم ہونا بھی نعمت ہے

معاف کرنا کوئی معمولی بات نہیں ہے۔ معاف کرنے کا دنیا میں فائدہ تو یہ

(۱) سورۃ حم السجدۃ آیت (۳٤)۔
(۲) سورۃ حم السجدۃ آیت (۳۵)۔

ہوا کہ دنیا میں تمہاری دشمنیاں ختم ہوگئیں اور جو پرلے درجے کا دشمن تھا، کم از کم اس کی دشمنی ختم ہوگئی اور وہ تمہارا دوست بن گیا یا دوست تو نہیں بنا، لیکن دشمنی ختم ہوگئی تو یہ بھی ایک بہت بڑی نعمت ہے اور آخرت میں جو اجر ہے اس کی طرف قرآنِ کریم نے اشارہ کیا کہ جس طرح تم نے کسی دوسرے کی غلطی معاف کی تو اللہ تعالیٰ تمہاری غلطیاں معاف کر دے گا اور تمہاری مغفرت فرمائے گا۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دورِ حکومت کا واقعہ

روایت میں آتا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ جو مشہور صحابی ہیں اور امیر بھی تھے۔ ایک مرتبہ ایک آدمی ان کے پاس دوسرے آدمی کو پکڑ کے لایا اور کہا کہ دیکھیے! اس شخص نے مجھے مکا مار کر میرا دانت توڑ دیا۔ اس نے اتنا مجھے مارا کہ میرا دانت ٹوٹ گیا اور قرآن نے فرمایا:

وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ (۱)

''دانت کے بدلے دانت''

اگر کسی نے دوسرے کا دانت توڑا تو دوسرے کو بھی یہ حق حاصل ہے کہ اس کا بھی دانت توڑے، لہٰذا مجھے بدلہ دلوایئے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حالات کی تحقیق کر کے کہا کہ شریعت کا حکم تو یہی ہے کہ بے شک تم اس کا دانت توڑ دو، اس وقت ایک اور صحابی وہاں بیٹھے ہوئے تھے۔ انہوں نے کہا کہ تمہارے حق میں فیصلہ ہو گیا اور تم اس کا دانت توڑ سکتے ہو، لیکن میں تمہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث سناتا ہوں۔

(۱) سورۃ المائدۃ آیت (٤٥).

اپنا حق معاف کرنے کی فضیلت

میں نے نبی کریم ﷺ سے یہ سنا کہ اگر کسی شخص کا دوسرے کے خلاف کوئی حق ہو اور وہ اس حق کو معاف کردے تو اللہ تبارک وتعالیٰ اس کو آخرت میں معاف فرمادیں گے، تو اب چاہو تو بدلہ لے لو، تمہیں حق ہے اور چاہو تو اس حدیث کے اوپر عمل کرتے ہوئے اس کو معاف کر دو تو اللہ تبارک و تعالیٰ تمہارے گناہوں کو معاف کر دیں گے۔ تو وہ صاحب جو غصہ میں بھرے ہوئے آئے تھے اور دانت توڑنے پر مصر تھے، انہوں نے جب یہ حدیث سنی تو کہا کہ آپ مجھے بتایئے کہ آپ نے واقعی رسول اللہ ﷺ سے یہ بات سنی ہے؟ انہوں کہا کہ ہاں! تو فرمایا کہ میں نے معاف کردیا[1]۔ سبحان اللہ! اللہ تبارک وتعالیٰ نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے دل میں جو آخرت کی فکر عطا فرمائی تھی، اس کے نتیجے میں ان کو جہاں یہ بات معلوم ہوتی کہ یہ میری مغفرت کا راستہ ہے، جنت کا راستہ ہے، اللہ تبارک و تعالیٰ اس کے ذریعے مجھے نوازیں گے۔ تو کتنے ہی بڑے سے بڑے جذبات پیدا ہو رہے ہوں وہ اس کو حدیث کے آگے قربان کر دیتے تھے۔

جھگڑا چھوڑنے کی فضیلت

دوسری جگہ حدیث میں آتا ہے کہ رسولِ کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

---

(۱) سنن الترمذی ۶۷/۳ (۱۳۹۳) وقال ھذا حدیث غریب لا نعرفه الا من ھذا الوجه ولا اعرف لابی السفر سماعا من ابی الدرداء... الخ وقال المنذری فی "الترغیب" ۲۰۹/۳ واسناده حسن لولا الانقطاع.

اَنَا زَعِیمٌ بِبَیْتٍ فِی وَسَطِ الْجَنَّةِ لِمَنْ تَرَكَ الْمِرَآءَ وَهُوَ مُحِقٌّ (۱)

میں اس شخص کے لیے جنت کے بیچوں بیچ گھر دلوانے کی ضمانت لیتا ہوں جو شخص حق پر ہونے کے باوجود جھگڑا چھوڑ دے۔

وہ شخص حق پر تھا جھگڑا کرتا مقابلہ کرتا، مقدمہ بازی کرتا اور سزا دلواتا تو برحق تھا، لیکن برحق ہونے کے باوجود صرف جھگڑا چھوڑنے کے خاطر جو شخص اپنا حق چھوڑ دے تو فرمایا کہ میں اس کو جنت کے بیچوں بیچ گھر دلوانے کا ذمے دار ہوں نبی کریم سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اتنی بڑی فضیلت بیان فرمائی۔

ایک میاں بیوی کے جھگڑے کا قصہ

مجھے یاد ہے کہ میرے والد ماجد قدس اللہ تعالی سرہ کے زمانے میں ایک میاں بیوی کے درمیان ایک جھگڑا تھا اس میں بہت طول کھینچا ہوا تھا اور اس میں تفریق کی نوبت آ گئی تھی جھگڑا جائیداد کے اوپر تھا، شوہر کہتا ہے کہ یہ جائیداد میری ہے، بیوی کہتی ہے کہ میری ہے، کافی دنوں سے یہ چل رہا تھا، ایک دن یہ لوگ اپنا جھگڑا اور تنازع لے کر حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آ گئے کہ آپ فیصلہ کریں، تو حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے خاتون کے حق میں فیصلہ

---

(۱) سنن ابی داود ۵۳/٤ (٤٨٠٠) وسنن الترمذی ۳۰/۳ه (۱۹۹۳) وقال وهذا الحديث حديث حسن لا نعرفه الا من حديث سلمة بن وردان عن انس بن مالك. ومسند الرویانی ۲۷۹/۲ (۱۲۰۰) طبع مؤسسة الرسالة والتاريخ الكبير لابن أبي خيثمة ۹۲۳/۲ (۳۹٤٦) طبع الفاروق الحديثة.

کر دیا، لیکن ساتھ ہی خاتون کو یہ حدیث سنائی کہ بھئی فیصلہ تو تمہارے حق میں ہے، لیکن میں تمہیں ایک حدیث سناتا ہوں اور اس لیے سناتا ہوں کہ اگر فرض کرو کہ میں نے تمہارے حق میں فیصلہ کر بھی دیا تو مجھے تامل ہے کہ شوہر مانے گا یا نہیں مانے گا پھر بھی شاید جھگڑا چلتا رہے گا۔ حدیث یہ ہے کہ نبی کریم سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بشارت سنائی کہ جو شخص حق پر ہونے کے باوجود جھگڑا چھوڑ دے تو اس کو میں جنت میں گھر دلوانے کا ذمے دار ہوں۔ تو حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ دیکھو یہ جائیداد کا جھگڑا ہے تمہاری یہ جائیداد کب تک کی ہے، لیکن ایک جائیداد کی ذمہ داری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لے رکھی ہے وہ جائیداد جنت میں ملے گی، اس خاتون کے دل میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ بات ڈال دی۔ اس نے کہا کہ اگر یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہے تو میں سب جائیداد چھوڑتی ہوں۔ وہ چھوڑ کے الگ ہوگئی۔

کبھی تعلیم حجاب بن جاتی ہے

ایسا ہی ایک جھگڑا کچھ عرصے کے بعد دو اچھے خاصے پڑھے لکھے تعلیم یافتہ لوگوں کے درمیان پیش آیا تو ان کو بھی والد صاحب نے یہ حدیث سنائی تو حدیث سننے کے باوجود ان بے چاروں کو اس حدیث پر عمل کرنے کی ہمت نہ ہوئی۔ حضرت والد صاحب نے فرمایا یہی حدیث میں نے ایک عورت کو سنائی تھی وہ تو پسیج گئی اور اس کے نتیجے میں اس نے اپنا حق چھوڑ دیا، لیکن اِن پڑھے لکھے اور اعلیٰ تعلیم یافتہ لوگوں کے لیے اس حدیث کا سنانا کارآمد نہیں ہوا۔ تو بعض اوقات یہ علم حجاب بن جاتا ہے، بعض اوقات اَن پڑھ جاہل اور دیہاتی آدمی کا ایمان اتنا مضبوط ہوتا ہے اور اس کو آخرت کی اتنی فکر ہوتی ہے کہ ہم جیسے لوگ اس کو دیکھتے ہی رہ جائیں۔

معاف کرنے کا انعام

تو بھائی اصل بات یہ ہے کہ جو اللہ تبارک وتعالی نے ارشاد فرمایا:

اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ یَّغْفِرَ اللّٰہُ لَکُمْ (۱)

کیا تم یہ پسند نہیں کرتے کہ اللہ تبارک وتعالی تمہیں معاف کردے؟

اگر اللہ تبارک وتعالی کی مغفرت کے طلب گار ہو تو تم بھی معاف کرنے کی عادت ڈالو تو اللہ تبارک وتعالی تمہیں معاف کرے گا اور تمہاری خطاؤں سے درگزر کرے گا، ارے تم نے بدلہ بھی لے لیا تو کیا حاصل ہوا؟ لیکن

اِنَّ ذٰلِکَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ (۲)

معاف کرنا بڑی ہمت کی بات ہے۔

بظاہر یہ بڑا مشکل کام لگتا ہے، بدلہ لینے کے جذبے کو کچلنے میں بڑی دقت محسوس ہوتی ہے، لیکن اگر کوئی شخص اپنے اوپر زبردستی کرکے اس پر عمل کرلے تو یقین رکھو کہ اللہ تبارک وتعالی کی طرف سے اس کی مدد بھی ہوتی ہے اور اس کو ایک حلاوت ایمانی ایسی عطا ہوتی ہے کہ جس کے آگے انتقام کی لذت ہیچ در ہیچ ہے اللہ تبارک وتعالی اس کے بدلے میں اس کو امن وعافیت، سکون واطمینان دنیا کے اندر بھی عطا فرماتے ہیں تو جب کبھی ایسا موقع آئے تو اس آیتِ کریمہ اور اس حدیث کو مستحضر رکھنا چاہیے اور یہ سوچنا چاہیے کہ بدلہ لے بھی لوں گا تو کیا

---

(۱) سورۃ النور آیت (۲۲)۔

(۲) سورۃ الشوری آیت (۴۳)۔

ہوگا اور اللہ تبارک وتعالیٰ کے ہاں اس کا جو اجر ملے گا وہ اس سے کروڑوں گنا زیادہ ہے اللہ تعالیٰ ہم سب کو عمل کی توفیق عطا فرمائے اور عادت ڈالنے سے رفتہ رفتہ یہ بات پیدا ہوجاتی ہے۔

بدلہ لینے کا جذبہ اور غصہ

اسی لیے تیسری صفت یہ بیان فرمائی:

واذا غضب فتر

"اور جب اس کو غصہ آئے تو غصہ کے تقاضے پر عمل کرنے کے بجائے وہ ڈھیلا پڑ جائے"۔

کیونکہ معاف کرنے کے مقام تک پہنچنے کا راستہ یہ ہے کہ جب غصہ آئے تو اس کو قابو میں رکھے، اس لیے کہ بدلہ لینے کا جذبہ غصہ سے پیدا ہوتا ہے جتنا غصہ زیادہ تیز ہوگا اتنا ہی آدمی بدلہ لینے کہ فکر میں پڑے گا۔ اگر غصہ کو قابو کرنے کی عادت پڑگئی تو ان شاء اللہ وہ منزل آسان ہے یعنی معاف کرنا مشکل کام نہیں، اسی لیے فرمایا کہ جس میں یہ صفت ہو کہ غصہ آیا تو سہی، لیکن اس نے غصہ کو دبالیا، پی گیا، ڈھیلا پڑگیا، غصہ کے تقاضے پر عمل نہیں کیا تو اس کو بھی اللہ تبارک وتعالیٰ اپنی آغوشِ رحمت میں لے لیں گے۔

قرآنِ کریم میں بھی فرمایا:

وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعٰفِيْنَ عَنِ النَّاسِ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ (۱)

---

(۱) سورۃ آل عمران آیت (۱۳٤)۔

اور جو لوگ غصے کو پی جانے اور لوگوں کو معاف کر دینے کے
عادی ہیں اللہ ایسے نیک لوگوں سے محبت کرتا ہے۔

تو یہ اس مقام تک پہنچنے کی پہلی سیڑھی ہے اسی لیے اس کی بڑی تاکید بھی فرمائی گئی ہے۔

غصہ نہ کیا کرو

ایک حدیث میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ ایک صحابی نے نبی کریم ﷺ سے عرض کیا یا رسول اللہ! مجھے کوئی نصیحت فرمایئے اور مختصر نصیحت فرمایئے۔ یہ بھی اپنی طرف سے قید لگادی کہ لمبی چوڑی نہیں چاہیے مختصر نصیحت فرمایئے۔ سرکار دو عالم ﷺ نے بھی جواب میں یہ نہیں فرمایا کہ نصیحت بھی مانگ رہے ہو اور مجھ پر یہ قید بھی لگا رہے ہو کہ مختصر کروں لمبی نہ کروں۔ اس بات پر آپ نے ان کی پکڑ نہیں فرمائی۔ فرمایا کہ مجھ سے مختصر نصیحت سننی ہے تو مختصر سن لو اور فرمایا:

لَا تَغْضَبْ (۱)

غصہ نہ کرو۔

یہ مختصر نصیحت فرمادی ان کا نصیحت کی طلب کا مقصد یہ تھا کہ ایسی مختصر نصیحت چاہیے تھی جس کے نتیجے میں بہت سے بھلائیاں حاصل ہو جائیں اور بہت سی برائیوں سے آدمی بچ جائے۔ اس لیے فرمایا وہ نصیحت یہ ہے کہ غصہ نہ کرو۔

---

(۱) سنن الترمذی ۵۴۶/۳ (۲۰۲۰) وقال هذا حديث حسن صحيح غريب من هذا الوجه۔ واصله في صحيح البخاری ۲۸/۸ (۶۱۱۶) مختصرا۔

غصہ برائیوں کا سرچشمہ ہے

تو اس حدیث سے معلوم ہوا کہ یہ غصہ ایسی چیز ہے جو کہ بہت سی برائیوں کا سرچشمہ ہے غصے سے زیادتیاں پیدا ہوتی ہیں، غصے سے گالم گلوچ ہوتی ہے، غصے سے لڑائیاں جھگڑے ہوتے ہیں، غصے سے تکبر پیدا ہوتا ہے، غصے سے دوسرے کی تحقیر ہوتی ہے اور خدا جانے کیا کیا برائیاں اس میں جمع ہیں اور اس کو پی جانے میں درجات کی بلندی ہے اور اللہ تبارک وتعالیٰ کا قرب ہے، غصے کو پی جانا صبر ہے، اس سے مقامِ صبر حاصل ہوتا ہے۔

اِنَّمَا يُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ (۱)

جو لوگ صبر سے کام لیتے ہیں ان کا ثواب انہیں بے حساب دیا جائے گا۔

صابروں کا اجر بے حساب ہے کوئی گنتی نہیں کوئی شمار نہیں کوئی حساب کتاب نہیں، اتنا اجر ہے تو غصے کو پی جانے سے کتنا قرب حاصل ہوتا ہے اس لیے مختصر نصیحت یہ فرمائی کہ غصہ نہ کرنا۔

شروع میں بالکل غصہ نہ کرو

ہمارے مشائخ کے پاس جو لوگ اصلاح نفس کے لیے جاتے تو ان سے شروع میں یہ فرماتے تھے کہ غصے کے تقاضے پر عمل نہ کرنا حضرت مولانا مسیح اللہ خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ (اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے) کے ہاں جب

(۱) سورۃ الزمر آیت (۱۰)۔

حاضری ہوئی تو انہوں نے بھی نصیحت یہ فرمائی کہ غصہ نہ کرو اور جائز جگہوں پر بھی نہ کرو۔ شریعت نے بعض جگہ غصہ کرنے کی اجازت دی ہے، لیکن غصہ کے داعیہ کو اور غصہ کے جذبہ کو دبانے کے لیے مشق ضروری ہے، اس لیے شروع میں جائز جگہوں پر بھی غصہ نہ کرو۔ جب جائز جگہوں پر بھی نہیں کرو گے تو پھر ناجائز جگہوں پر غصہ خود بخود قابو میں آجائے گا۔ اس کے لیے مشق کی ضرورت ہوتی ہے۔

غصہ آئے تو اعوذ باللہ پڑھیں

غصہ آیا ہے، ٹھیک ہے، آ گیا، ہمارے حضرت والا حکیم الامت قدس اللہ سرہ فرماتے ہیں کہ غصہ آنا غیر اختیاری ہے، یہ انسان کے اختیار سے باہر ہے کہ غصہ آ گیا، لیکن غصہ کے نتیجے میں کوئی عمل کرنا، یہ انسان کے اپنے اختیار میں ہے، لہٰذا اس اختیار کو استعمال کریں، غصہ آیا، لیکن اس کو اپنے اختیار سے پی لیا، بزرگوں نے اس کی تدبیریں بھی لکھی ہیں، خود قرآنِ کریم نے بیان فرمایا:

وَاِمَّا یَنۡزَغَنَّکَ مِنَ الشَّیۡطٰنِ نَزۡغٌ فَاسۡتَعِذۡ بِاللّٰہِ (۱)

اور اگر تمہیں شیطان کی طرف سے کبھی کوئی کچوکا لگے تو شیطان مردود سے اللہ کی پناہ مانگ لیا کرو۔

غصہ کو قابو کرنے کے طریقے

حدیث میں آتا ہے کہ ”جب آدمی کو غصہ آئے تو ایسی صورت میں آدمی

(۱) سورۃ حم السجدۃ آیت (۳۶).

کھڑا ہو تو بیٹھ جائے، بیٹھا ہو تو لیٹ جائے“[۱]۔ جہاں غصہ آرہا ہے اس جگہ سے ہٹ جائے، اپنے آپ کو اس جگہ سے ہٹالے غصے کی خاصیت یہ ہے کہ یہ آدمی کو اچھالتا ہے، غصہ جب آتا ہے تو لیٹے لیٹے آدمی کھڑا ہو جاتا ہے، بیٹھا ہے تو کھڑا ہو جائیگا، تو سرکار دو عالم ﷺ نے اس کے برعکس تلقین فرمائی کہ کھڑا ہے تو بیٹھ جائے اور بیٹھا ہے تو لیٹ جائے اور اس کا سب سے بہتر راستہ یہ ہے کہ جو غصہ کی جگہ ہے جہاں پر غصہ آیا ہے وہاں سے اپنے آپ کو ہٹالے تو اس کے نتیجے میں غصہ کچھ ٹھنڈا پڑ جائے گا اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف رجوع کرے کہ یا اللہ! مجھے غصہ آرہا ہے، کوئی غلط کام مجھ سے سرزد نہ ہو، اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگے اور اللہ تعالیٰ سے مدد چاہے کہ یا اللہ! مجھے اس غصے کے برے نتائج سے محفوظ رکھیں۔ اس کے لیے مشق کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ بیماری آسانی سے نہیں جاتی، یہ بہت محنت اور مجاہدے سے جاتی ہے، محنت اور مجاہدہ کرتے رہنے سے اللہ تبارک وتعالیٰ کے فضل وکرم سے ایسی حالت ہو جاتی ہے کہ غصہ آتا ہی نہیں۔

فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ اور غصہ

دیکھو! حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ جیسا آدمی کہ اللہ تعالیٰ نے قوت بھی دی تھی، طاقت بھی دی تھی اور غصے میں آجائیں تو زمین آسمان ایک کردیں، لیکن جب نبی کریم سرورِ دو عالم ﷺ کی صحبت حاصل ہوئی، تربیت حاصل ہوئی،

---

(۱) سنن ابی داود ۲۴۹/۴ (٤٧٨٢) والحدیث سکت عنه ابو داود والمنذری فی مختصره۔ ومسند احمد ۳۵/ ۲۷۸ (۲۱۳٤۸) وقال الهيثمی فی ”مجمع الزوائد“ ۱۳۶/۸ (۱۲۹۹۵) رواه احمد ورجاله رجال الصحيح۔

مجاہدہ ہوا تو اس کے نتیجے میں ایسے ہوگئے کہ جیسے کہ غصہ آتا ہی نہیں، کوئی کچھ بھی کہتا رہے۔ حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ مسجدِ نبوی کی اندر خطبہ دے رہے ہیں تو ایک شخص کھڑے ہوکر کہتا ہے کہ اے خطاب کے بیٹے! اگر تم نے غلط راستہ اختیار کیا تو ہم تلوار سے تمہیں سیدھا کردیں گے، وہ امیر المؤمنین جو آدھی دنیا کا حکمران ہے جس سے قیصر و کسریٰ تھرا رہے ہیں ان سے ایک عام آدمی کھڑے ہوکر کہہ رہا ہے۔

فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کا عجیب جواب

حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یا اللہ! آپ کا شکر ہے کہ ایسے لوگ میری قوم میں موجود ہیں کہ اگر ابن الخطاب غلطی کرے تو سیدھا کردیں[1]، تو غصہ آنا تو درکنار اللہ تبارک وتعالیٰ کا شکر ادا فرما رہے ہیں وہ فاروقِ اعظم جس کا غصہ دنیا میں مشہور تھا، ان کا اب یہ حال ہوگیا، لہٰذا معلوم ہوا کہ اگر مجاہدہ کیا جائے، محنت کی جائے تو اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے اس سے نجات عطا فرمادیتے ہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ مجھے اور آپ سب کو عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

---

(۱) ملاحظہ ہو نضرۃ النعیم فی مکارم اخلاق الرسول الکریم ۸/۳۴۰۶ طبع دار الوسیلہ۔ والفقہ الاسلامی وادلتہ ۸/۶۲۱۱ طبع دار الفکر۔ اور اس طرح کا واقعہ امام ابن المبارک نے اپنی کتاب الزہد ۱/۷۹ (۵۱۲) امام بخاری نے التاریخ الکبیر ۲/۹۸ (۱۸۲۵) (طبع دائرۃ المعارف العثمانیۃ) پر بھی ذکر کیا ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔ عنایت۔

آدابِ معاشرت

(خطباتِ دورۂ ہند ص۲۶۱)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

آدابِ معاشرت

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَاھَادِیَ لَہٗ، وَأَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ وَأَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَنَبِیَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا کَثِیْرًا۔ أَمَّا بَعْدُ!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہَ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمٰٓؤُا (۱)

(۱) سورۃ فاطر آیت (۲۸)۔

امنت بالله صدق الله مولانا العظیم، وصدق رسوله النبی الکریم، ونحن علی ذالك من الشاهدین والشاکرین، والحمد لله رب العالمین۔

تمہید

حضرات علماء کرام اور میرے بزرگو اور دوستو!

الحمد للہ! تقریباً گیارہ دن سے اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے دوستوں، محبین اور اعزہ کے درمیان ہندوستان کے مختلف شہروں اور علاقوں میں جانے کی توفیق عطا فرمائی، حضرات علماء کرام کی زیارت بھی نصیب ہوئی اور مسلمان بھائیوں سے ملاقات بھی ہوئی، ہر جگہ جس محبت اور اخلاص کا مجھ ناکارہ کے ساتھ معاملہ کیا گیا میرے پاس اس کا شکریہ ادا کرنے کے لیے الفاظ نہیں ہیں۔ صرف اتنا کہتا ہوں کہ یہ بات بالکل واضح ہے کہ یہ محبت، محبت فی اللہ ہے اور مجھے جو نسبت اللہ تبارک تعالیٰ نے اپنے بزرگوں سے عطا فرمائی ہے، اسی بنا پر یہ والہانہ محبت اور حب فی اللہ کا اظہار کیا جارہا ہے، میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اس حب فی اللہ کے انوار وبرکات سے ہم سب کو مستفیض فرمائے۔

اس محبت کے اظہار میں میرے ذاتی نقطۂ نظر سے بڑا مبالغہ بھی کیا گیا ہے اور بعض ایسی باتیں بھی کہی گئی ہیں جو واقع کے مطابق نہیں ہیں جیسا کہ میرے نام کے ساتھ چیف جسٹس لکھا جارہا ہے حالانکہ میں چیف جسٹس نہیں رہا، البتہ پاکستان میں ایک عدالت ہے جس کو سپریم کورٹ کی اپیلیٹ بینچ کہتے ہیں، وہ سپریم کورٹ کا ایک حصہ ہے، اس کا میں جج رہا ہوں۔ اسی وجہ سے لوگ مجھے جسٹس محمد تقی عثمانی لکھتے ہیں۔

دوسری بات یہ کہ جگہ جگہ یہاں بھی، پاکستان میں بھی لوگوں نے مجھے شیخ الاسلام لکھنا شروع کردیا ہے، میں سمجھتا ہوں کہ میرے نام کے ساتھ یہ لفظ لکھنا اس لفظ کی توہین ہے۔ یہ لقب تو علامہ شبیر احمد عثمانیؒ اور حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنیؒ وغیرہ کے لیے موزوں ہے۔ اس کے علاوہ جس حسنِ ظن کا اظہار فرمایا گیا، نثر میں بھی، نظم میں بھی، یہ ان حضرات کی محبت اور حسنِ ظن ہے۔ اس کے لیے میں تہِ دل سے ان کا شکر گزار ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اس حسنِ ظن کو میرے حق میں سچا فرمادے۔

امام زہری رحمۃ اللہ علیہ کا قول

اس موقع پر امام زہری رحمۃ اللہ علیہ کا ایک مقولہ یاد آگیا، اس میں ہم سب کے لیے ایک عظیم سبق موجود ہے اور وہ مقولہ ہمارے لیے مشعلِ راہ بھی ہے، نیز نفس وشیطان کے حملوں سے بچنے کا ایک بہت اعلیٰ طریقہ بھی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ جب کوئی اللہ کا بندہ میری تعریف کرتا ہے تو میں فوراً اپنے دل میں یہ کہتا ہوں کہ یا اللہ! میں اپنی ذات کو ان صاحب سے زیادہ جانتا ہوں اور اپنے عیوب کو میں اچھی طرح جانتا ہوں اور آپ بھی مجھ سے زیادہ واقف ہیں۔ لہٰذا یا اللہ! ان حضرات نے جو حسنِ ظن قائم فرمایا ہے اس کی وجہ سے مجھے کسی دھوکہ میں پڑنے اور عجب و کبر میں مبتلا ہونے سے بچالیجیے[1]۔ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ تقریر ہو

---

(۱) اس طرح کا واقعہ حافظ ابن ابی الدنیا نے کتاب الصمت ص۲۷۲ (۵۹۷)(طبع دار الکتاب العربی) اور حافظ ابونعیم رحمہ اللہ نے حلیہ الاولیاء ۶/۳۲۵ پر جعفر بن زید العبدی کا ذکر کیا ہے۔اور حافظ ابن ابی الدنیا نے کتاب الصمت ص ۲۷۲ (۵۹۸) پر کسی اور بزرگ کے حوالے بھی سے بیان کیا ہے۔ واللہ اعلم۔عنایت۔

یا تحریر، وعظ ہو یا خطابت، جب آدمی اس سے فارغ ہوتا ہے تو لوگ اس کی تعریفیں کرتے ہیں کہ آپ نے بہت اچھا بیان کیا، کتاب یا مقالہ بہت اچھا لکھا ہے تو یہ چیز بعض اوقات ہمارے اندر عجب پیدا کر دیتی ہے جس کے نتیجہ میں آدمی دھوکے میں پڑ جاتا ہے۔

ہماری مثال اشعب طماع کی سی ہے

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس اللہ سرہ کی ایک بات مجھے یاد آئی وہ فرماتے ہیں کہ ہماری مثال اشعب طماع کی سی ہے۔

اشعب ایک صاحب کا نام تھا اور طماع یعنی لالچی ان کا لقب تھا۔ وہ لالچ میں بہت مشہور تھے۔ خطیب بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے تاریخ بغداد[1] میں ان کے بہت سے واقعات تحریر فرمائے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ شاید وہ حقیقی شخصیت تھی، ان کے لالچ کے واقعات میں لکھا ہے کہ ایک مرتبہ ان کا گزر کسی برتن بنانے والے کے پاس سے ہوا تو وہ تھال بنا رہا تھا۔ تو اشعب نے دیکھ کر اس سے کہا ارے بھائی یہ تھال چھوٹے چھوٹے کیوں بنا رہے ہو بڑے بڑے بناؤ تو اس نے وجہ پوچھی تو کہنے لگے اس لیے کہ ہوسکتا ہے کوئی اللہ کا بندہ اس میں میرے لیے کوئی ہدیہ لے کر آئے تو یہ تھال کچھ بڑا ہوگا تو کچھ زیادہ ملے گا تو اس لحاظ سے ان کو طماع کہا جاتا ہے، یعنی لالچی۔

حضرت فرماتے ہیں کہ بسا اوقات ہم اشعب طماع بن جاتے ہیں کہ لوگ ہمارے کسی ظاہری عمل کو دیکھ کر سمجھنے لگتے ہیں کہ یہ بڑے عالم ہیں، متقی ہیں،

---

(۱) تاریخ بغداد ۵۰۱/۷، طبع دار الغرب الإسلامي.

علامہ ہیں اور جب لوگ تعریف کرنے لگیں تو سوچتے ہیں کہ میرے اندر کچھ نہ کچھ ہوگا جس کی وجہ سے اتنی ساری مخلوق میری طرف رجوع کررہی ہے اور میری تعریف کررہی تو اس دھوکہ میں آدمی بسا اوقات مبتلا ہوجاتا ہے، اسی لیے حضورِ اکرم ﷺ نے منہ پر تعریف کرنے کو پسند نہیں فرمایا(۱) اس لیے کہ انسان لوگوں کی تعریف کے دھوکہ میں پڑ کر عجب وکبر میں مبتلا ہوجاتا ہے۔ اللہ ہم سب کو اس سے محفوظ رکھے۔

علماءِ کرام کی کاوشوں پر مسرّت واطمینان کا اظہار

ایک اور بات سے بھی میں بہت مسرور اور باغ باغ ہوا ہوں جس کا اظہار نہ کرنا ناسپاسی ہوگی وہ یہ کہ مسلمانوں کی جو کیفیت یہاں پر نظر آئی الحمد للہ ثم الحمدللہ اس سے بڑا اطمینان ہوا کہ مسلمان اپنے دین وایمان اور اسلامی طرز زندگی کو مضبوطی کے ساتھ تھامے ہوئے ہیں۔اس میں بہت بڑا حصہ میرے نزدیک ان علماء کرام کا ہے جنہوں نے اس ملک کے اندر اسلام کی روشنی پھیلانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی ہے۔ میں نے محسوس کیا کہ حضرات علماءِ کرام نے اقلیت میں ہونے کے باوجود دین کی خدمت کرنے میں بڑی کوششیں کی ہیں اور دینِ متین پر جو مختلف فتنے حملہ آور ہیں ان کے دفاع میں بھی کوئی کسر نہیں چھوڑی ہے۔

ایک اور بات کا میں اظہار کردوں کہ الحمدللہ! ہندوستان کے علماء میں علمی تحقیقی ذوق پروان چڑھتا نظر آرہا ہے اور یہ محسوس ہورہا ہے کہ اللہ کے فضل

(۱) صحیح مسلم ٤/٢٢٩٧(٣٠٠٢)۔

وکرم سے علماء کرام اپنی معروف درس وتدریس کی حد تک ہی محدود نہیں ہیں بلکہ ان کی تعلیم اور تصنیف کا دائرہ عالم اسلام کی تمام ضروریات تک وسیع ہورہا ہے اور ایسے ادارے قائم ہورہے ہیں جہاں درس وتدریس کے ساتھ ساتھ تحقیق اور باطل کی تردید کا اہتمام کیا جارہا ہے۔یہ ساری باتیں دیکھ کر آپ حضرات کو مبارک باد پیش کرتا ہوں کہ اللہ کے فضل سے آپ نے یہاں پر دین کی شمعیں روشن کرنے کے لیے بڑی عظیم جدوجہد فرمائی ہے، اللہ تعالیٰ اپنی بارگاہ میں اس کو شرف قبول عطا فرمائے اور اس میں پیہم ترقی عطا فرمائے۔آمین۔

علماء کرام معاشرے کے لیے نمونہ ہوتے ہیں

حقیقت یہ ہے کہ علماء کرام کہیں بھی ہوں وہ مسلمانوں کے معاشرے میں ایک رہنما کی حیثیت رکھتے ہیں، علماء کو دیکھ کر لوگ اپنی زندگیاں مرتب کرتے ہیں، ان کی زندگیاں ایک مثال اور نمونہ ہوتی ہیں، وہ صرف اپنے قول ہی سے نہیں بلکہ اپنے عمل سے بھی عام مسلمانوں کے لیے اسوہ پیش کرتے ہیں۔ اس وقت میں آپ حضرات سے کیا عرض کروں اور کس بات کا انتخاب کروں البتہ میرے ذہن میں یہ بات آئی ہے کہ ہم سب دین کے طالب علم ہیں لوگ تو ہمیں عالم کہہ دیتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ عالم تو درکنار صحیح معنیٰ میں طالب علم بن جائیں تو یہ بھی بڑی بات ہے۔

حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کی شان

مجھے اس وقت حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کا ایک قول یاد آیا، آپ فرماتے تھے کہ اگر ساری دنیا کے عقلاء مل کر شریعت کے کسی بھی مسئلے

پر کوئی بڑا سے بڑا اشکال لے کر آجائیں تو یہ ناکارہ دومنٹ میں ان کو لاجواب کرسکتا ہے اور میں تو ایک ادنیٰ طالب علم ہوں، علماء کی تو بڑی شان ہے، حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ساری زندگی اپنے آپ کو طالب علم قرار دیا۔

فقیہ کون ہے؟

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کو کسی نے ''یا فقیہ'' کہہ کر پکارا تو آپ نے جواب میں فرمایا ''اَوَ هَلْ رَأَيْتَ فَقِيهًا قَطُّ'' کبھی کسی فقیہ کی شکل بھی دیکھی ہے؟ اور فرمایا

''اِنَّمَا الْفَقِيهُ الزَّاهِدُ فِي الدُّنْيَا وَالرَّاغِبُ فِي الْآخِرَةِ''

''فقیہ تو وہ ہوتا ہے جو دنیا سے بے رغبت ہو اور آخرت کا طالب ہو۔''(۱)

جب انہوں نے اپنے آپ کو فقیہ کہلانے سے منع کیا تو ہماری اور آپ کی کیا حیثیت ہے؟ اللہ ہم سب کو صحیح معنوں میں طالبِ علم بننے کی توفیق عطا فرمائے۔

ہم سب ایک کشتی کے سوار ہیں

طالبِ علم ہونے کے ناطے ہم سب ایک ہی کشتی کے سوار ہیں، ایک ہی منزل کے راہ رو ہیں۔ لہٰذا جو کچھ باتیں ہمیں اپنے اندر قابلِ توجہ یا قابل

(۱) الزهد لابن المبارك ۸/۲ والزهد لاحمد بن حنبل ص۲۱۶ (۱۵۱۳) طبع دارالكتب العلمية۔

اصلاح نظر آتی ہیں ان کا کچھ ذکر ہوجائے تو شاید اس محفل کا کچھ فائدہ ہوجائے۔ جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ حضرات علماء کرام نے بڑی محنت اور جد و جہد کرکے اس ملک کو ایمان کی روشنی سے جگمگایا ہے، لیکن کسی بھی منزل پر ترقی کے امکانات ختم نہیں ہوا کرتے۔ علم ایک ایسی درگاہ ہے جس کی کوئی انتہا نہیں، جب کسی مقام پر پہنچ جاؤ تو وہاں پر کھڑے ہونا نہیں ہے بلکہ ترقی کرنی ہے، آگے چلنا ہے۔ اپنے آپ کو مزید بہتر بنانا ہے، اس کے لیے میں مذاکرہ کے طور پر چند باتیں عرض کرتا ہوں، اللہ تبارک وتعالیٰ مجھے اور آپ کو اس پر عمل کی توفیق عطا فرمائے۔

شریعت کے پانچ شعبے ہیں

ایک بات تو یہ ہے کہ آپ حضرات جانتے ہیں کہ شریعت کے پانچ شعبے ہیں۔

① عقائد ② عبادات ③ معاملات ④ معاشرت ⑤ اخلاقیات۔

یہ پانچ شعبے مل کر دین مکمل ہوتا ہے۔ ان میں کسی ایک کو بھی آدمی لے کر بیٹھ جائے اور بقیہ کو چھوڑ دے تو دین کی صحیح تصویر پیش نہیں کرسکتا۔ کچھ عرصہ سے یہ رجحان پیدا ہوا ہے کہ دین کے اندر سب سے زیادہ اہمیت دین کی تعلیم، تبلیغ، دعوت، تربیت اور اسی طرح اللہ کے فضل سے عقائد وعبادت کو بڑی اہمیت دی جارہی ہے، لیکن باقی شعبے ①معاملات ② معاشرت ③ اخلاقیات ان کی طرف توجہ نہ ہونے کے برابر ہے۔ اب معاملات کی طرف بھی کچھ توجہ ہونے لگی تاکہ حلال وحرام کا فرق سمجھ میں آئے اور مسلمان حلال وحرام کو سمجھ کر اپنی زندگی گزاریں، اس پر الحمد للہ کام ہورہا ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ اس میں مزید

ترقی عطا فرمائے، لیکن دو شعبے معاشرت و اخلاق یہ ایسے ہیں کہ ان میں ہماری توجہ نہ ہونے کے برابر ہے، حالانکہ معاشرت دین کا اہم اور افضل حصہ ہے، یہ وہ حصہ ہے جو عملی طور پر لوگوں کو اسلام کی طرف دعوت دینے کے لیے بھی بڑی اہمیت رکھتا ہے، یعنی معاشرت اگر اچھی ہوگی، اس میں کشش ہوگی، نظم وضبط ہوگا، ترتیب ہوگی تو اس سے دوسرے لوگوں کی بھی اسلام کی طرف رغبت بڑھے گی اور ایسا ہوا بھی ہے، ماضی کی تاریخ اس بات کی شاہد ہے۔

معاشرتی خرابیاں اسلام سے دوری کا ذریعہ

لیکن اگر معاشرت میں خرابیاں ہوں تو نہ صرف یہ کہ وہ بسا اوقات گناہ ہیں، گناہ ہونے کے ساتھ ساتھ لوگوں کو اسلام سے دور کرنے کا ایک ذریعہ بھی ہیں، ایک مثال میں عرض کرتا ہوں کہ شریعت مطہرہ نے یہ حکم دیا ہے کہ کسی بھی مسلمان سے کسی دوسرے مسلمان کو تکلیف نہ ہو۔ حدیث میں نبی کریم سرورِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے

"اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِسَانِهٖ وَيَدِهٖ"(۱)

یہ ساری معاشرت کا لبِ لباب ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی اس بات کا بہت اہتمام فرمایا ہے، شریعت نے معاشرت کا کتنا اہتمام فرمایا ہے کہ مسجد میں جا کر جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا کتنی فضیلت کی بات ہے اور اس کی کتنی تاکید فرمائی گئی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جو لوگ مسجد میں جماعت سے

(۱) صحیح البخاری ۱/۱۱ (۱۰)۔

نماز نہیں پڑھتے میرا دل چاہتا ہے کہ ان کے گھر جلا دوں[1]، لیکن ساتھ ساتھ یہ بھی فرمایا کہ اگر کوئی بیمار ہو کہ اس سے بدبو آتی ہو اور لوگوں کو اس بدبو سے تکلیف ہوتی ہے تو اس کا جماعت میں شریک ہونا جائز نہیں، لہٰذا اس کے لیے جائز ہے کہ جماعت کی فضیلت کو چھوڑ دے کیوں؟ اس لیے کہ اس کی ذات سے کسی دوسرے کو تکلیف نہ پہنچ جائے۔

اپنا ایک واقعہ

میرے والد ماجد قدس اللہ سرہ، اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے، ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ ہمارے بچپن کا زمانہ تھا۔ ہم بیت الخلاء میں گئے اور وہاں سے گندگی کو بہائے بغیر باہر آ گئے، حضرت والد ماجد نے فرمایا کہ تم سمجھتے ہو کہ تم سے غلطی ہوگئی، یہ تو تم نے گناہِ کبیرہ کا ارتکاب کیا ہے۔ اس لیے کہ دوسرا آدمی جب وہاں جائے گا تو اس کو نفرت ہوگی اور اس کو تکلیف پہنچے گی اور کسی کو بلا وجہ ناحق تکلیف پہنچانا گناہِ کبیرہ ہے۔ اس وقت احساس ہوا کہ ہمارا دھیان بھی ان باتوں کی طرف نہیں جاتا کہ ہم گناہِ کبیرہ کا ارتکاب کر رہے ہیں۔

نظافت بھی ضروری ہے

یہ تو طہارت ہے جو کہ شرائط نماز میں سے ہے اور عبادت اور فرائض میں سے ہے، لیکن ایک چیز نظافت بھی ہے یعنی صفائی ستھرائی، طہارت کے ساتھ ساتھ نظافت بھی مطلوب ہے اور وہ اس لیے مطلوب ہے کہ اگر اس کا اہتمام نہ

---

(۱) صحیح البخاری ۱/۱۳۱ (٦٤٤)۔

کیا جائے تو اس کی وجہ سے دوسروں کو تکلیف ہوتی ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بعض اوقات ہم لوگ دوسروں کے لیے باعث نفرت بن جاتے ہیں۔ بلا تکلف یہ بات عرض کرتا ہوں کہ مغربی اقوام میں طہارت کا کوئی تصور تو ہے نہیں، لیکن نظافت کا اہتمام انہوں نے کیا اور اس کا نتیجہ یہ ہے کہ وہاں غسل خانوں میں جائیں جو عام بازاروں میں بنے ہوئے ہیں۔ وہاں بھی پانی کی ایک بوند فرش پر پڑی ہوئی آپ کو نہیں ملے گی۔ اسی مغربی ملک میں مسجد میں اگر جائیں اور وہاں کے غسل خانے دیکھیں تو وہاں گندگی نظر آئے گی، جب ایک عام آدمی اس منظر کو دیکھے گا تو کیا وہ اسلام کی طرف راغب ہوگا یا اسلام سے دور بھاگے گا؟ بہرحال! یہ ایک ایسا پہلو ہے جس کی طرف ہماری توجہ کم ہے اور عام جگہوں کے مقابلہ میں دین کے تعلیمی مراکز جہاں دین کی تعلیم وتربیت دی جارہی ہے وہاں اگر گندگی ہو تو اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں لوگوں کا غلط تصور قائم ہوگا۔ اس لیے معاشرت کا ایک اہم پہلو یہ ہے کہ کسی کو کسی سے تکلیف نہ پہنچے۔

بہشت آں جا کہ آزارے نباشد
کسے را باکسے کارے نہ باشد

یعنی بہشت اک ایسی جگہ ہے جہاں تکلیف نام کی کوئی چیز نہیں ہے۔ وہاں کسی کو کسی سے کوئی کام نہیں ہوگا۔

باطل قوموں کی ترقی کی وجہ

میرے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ ایک قاعدہ بیان فرماتے تھے کہ باطل قوم محض باطل کی وجہ سے کبھی ترقی نہیں کرسکتی۔

اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا (۱)

اگر کسی باطل کو ترقی کرتے ہوئے دیکھو تو سمجھ لو کہ اس کے ساتھ حق لگا ہوا ہے، جس کی وجہ سے وہ ترقی پذیر ہے، باطل اقوام جو ترقی کرتی نظر آرہی ہیں وہ اپنے فسق وفجور، فحاشی، عیاشی اور بے دینی کی وجہ سے نہیں بلکہ ان کو تو ترقی اس لیے مل رہی ہے کہ کچھ حق باتیں ان کے ساتھ لگی ہوئی ہیں جو درحقیقت دین اسلام کی تعلیم اور اس کا ایک حصہ ہیں اور اللہ تعالیٰ نے دنیا کا یہ قاعدہ بنا رکھا ہے کہ یہاں آدمی جیسی محنت کرے گا چاہے وہ کافر ہو یا مسلم ویسا بدلہ ضرور پائے گا۔ آخرت کا معاملہ اور ہے، آخرت میں تو عمل کا ثواب ملنے کے لیے ایمان شرط ہے۔

برطانیہ کا ایک واقعہ

ایک مرتبہ میں برطانیہ میں ٹرین میں سفر کررہا تھا، مجھے ضرورت پیش آئی تو میں استنجا خانے گیا، تو دیکھا کہ اندر کوئی ہے، میں آکر بیٹھ گیا پھر تھوڑی دیر بعد میں وہاں گیا تو دیکھا کہ ایک خاتون وہاں کھڑی ہوئی ہے۔ میں نے کہا کہ اگر آپ جانا چاہیں تو چلی جائیں، وہ کہنے لگی کہ میں ایک اور وجہ سے کھڑی ہوئی ہوں۔ دراصل بات یہ ہے کہ میں نے یہ استنجاء خانہ استعمال کیا ہے اور جب فارغ ہوئی تو گاڑی پلیٹ فارم پر رک گئی جس کی وجہ سے میں اس کو فلش نہیں کرسکی اور وہاں کا قاعدہ یہ تھا کہ گاڑی جب پلیٹ فارم پر رک جائے تو فلش نہ کیا جائے تاکہ پلیٹ فارم گندا نہ ہو۔

اب آپ اندازہ لگائیں کہ اس صفائی کے بارے میں وہاں بھی لکھا ہوا ہے

---

(۱) سورۃ الاسراء آیت (۸۱)۔

اور ہمارے ہاں بھی لکھا ہوتا ہے، لیکن کتنے لوگ ہیں جو یہاں اس پر عمل کرتے ہیں اور وہاں اس کا اتنا اہتمام کہ وہ عورت گاڑی نکلنے تک وہیں کھڑی ہوئی ہے، یہ سب طریقے انہوں نے اپنے اندر اس طرح سے رچا اور بسا لیے ہیں کہ ساری دنیا ان کو قابل تقلید سمجھتی ہے، حالانکہ یہ سب ہمارے دین اسلام کی تعلیمات ہیں۔ ان کی تجارتوں کو دیکھیے ان کے ہاں آخرت کا تصور ہو یا نہ ہو، لیکن اپنی تجارتوں کے فروغ کے لیے ہماری شریعت کا حصہ امانت و دیانت کو انہوں نے اختیار کرلیا ہے۔ اور نظم وضبط کا یہ عالم ہے کہ آپ دیکھیں گے کہ کہیں بھی اگر تین چار آدمی ہوں تو وہ خودبخود لائن بنالیں گے، چاہے اس کے لیے انہیں کتنا ہی انتظار کرنا پڑے، دیکھا جائے تو اب یہ حکم بھی ہماری شریعت کا تھا، صفیں بنانے والوں کی اللہ نے تعریف فرمائی ہے[1]، اب ہمارے یہاں ایسا کوئی معاملہ پیش آجائے تو الامان والحفیظ۔

مصافحہ کو فرض کا درجہ دے دیا گیا

میرا ایک جگہ بیان ہوا۔ بیان کے بعد لوگوں نے مصافحہ کرنا چاہا اور اس کی وجہ سے انہوں نے ایک دوسرے کو دھکے دیے اور ایک دوسرے کو تکلیف پہنچائی، یہ کیوں ہوا اس لیے کہ آج کل تو مصافحہ کو فرض کا درجہ دیا جارہا ہے اور سمجھا جارہا ہے کہ اس کے بغیر نجات ممکن نہیں، حالانکہ مصافحہ کوئی واجب یا فرض نہیں، اس کو فرض کا درجہ دینا تو بدعت ہے اور اس کی وجہ سے کسی کو تکلیف پہنچانا جائز نہیں، یہاں تک کہ حجرِ اسود کے بارے میں بھی کہا گیا ہے کہ کسی کو دھکا

(۱) سورۃ الصافات آیت (۱)۔

دے کر حجرِ اسود کا بوسہ نہ لو۔ اتنی زیادہ معاشرت کی طرف شریعت مطہرہ نے توجہ دلائی ہے، لیکن افسوس کہ ہم نے معاشرت کے احکام کو تقریباً دین سے خارج ہی سمجھ لیا ہے۔

علماء معاشرے میں موجود زیادتیوں پر نظر رکھیں

میری گزارش یہ ہے کہ ہمارے دینی مدارس میں معاشرت کے احکام کی بہت زیادہ اہمیت اور توجہ کے ساتھ تعلیم وتربیت کی ضرورت ہے اور اس کے لیے ایک اچھا اور عمدہ طریقہ یہ ہے کہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک رسالہ ہے ''آداب المعاشرت''۔ حضرت نے اس رسالہ میں بہت ہی عمدہ طریقہ پر معاشرت کے احکام کو بیان فرمایا ہے، مدرسہ کے کسی بھی وقت میں ایک ادب طلباء کو سنایا جائے یا اس رسالہ کو نصاب میں شامل کیا جائے تو ان شاء اللہ اس کا بہت فائدہ محسوس ہوگا۔

دوسری بات یہ کہ معاشرے کی کچھ ضرورتیں ہوتی ہیں جن سے معاشرے کے ہر فرد کا تعلق ہوتا ہے اور بعض مرتبہ ان میں حق تلفیاں یا زیادتیاں ہوتی ہیں تو علماء کو چاہیے کہ اس طرح کی ضروریات واحتیاجات پر گہری نظر رکھیں اور ان کو بھی ختم کرنے کی کوشش کریں مثلاً آپ نے سنا ہوگا کہ ہندوستان میں ایک وقت وہ بھی تھا کہ بیواؤں کے نکاح کرنے کو بہت ہی معیوب سمجھا جاتا تھا اور یہ غیر اسلامی تصور تھا، ہمارے اکابر نے معاشرے میں موجود اس خرابی کو محسوس کیا اور اس کے خلاف اس طرح جہاد کیا کہ نکاحِ بیوگاں کی تحریک چلائی، لوگوں کو متوجہ کیا کہ اس طرح کا تصور حرام اور ناجائز ہے اور عملاً بیواؤں کے نکاح کرائے۔

حضرت شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ اور شریعت کا حکم

حضرت شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ نے ایک جگہ بیان فرمایا اور بیوگان کے نکاح کرانے کی ترغیب دی تو کسی نے مجمع میں سے یہ کہہ دیا کہ آپ کے گھر میں بھی تو آپ کی بیوہ بہن بیٹھی ہے حالانکہ ان کی عمر ۷۰ سال تھی۔ تو جب حضرت نے یہ طعنہ سنا تو فرمایا کہ بھائی تم ٹھیک کہتے ہو فوراً گھر تشریف لائے اور اپنی بہن کے پاؤں پکڑ لیے کہ میں شریعت کا ایک حکم لوگوں کو سمجھانا چاہتا ہوں۔ لہٰذا آپ نکاح کرلو، اس طرح ہمارے اکابرین نے معاشرے کی ایک ایک زیادتی کو اپنی نگاہ میں رکھ کر اس کے خلاف آواز اُٹھائی، لیکن ہم لوگوں سے اس سلسلہ میں بعض اوقات بڑی غفلت ہوجاتی ہے۔ میں ایک جگہ اہلِ مغرب کے آزادی نسواں کے پرفریب نعرہ کے خلاف بیان کررہا تھا کہ اس نعرہ کی آڑ میں عورتوں کے ساتھ جو حشر کیا گیا اور ان کو جو برسرِ بازار لاگیا ہے درحقیقت یہ ان کے ساتھ بہت بڑا دھوکہ کیا گیا ہے۔ اہلِ مغرب کا یہ عجیب فلسفہ ہے کہ ایک عورت اپنے گھر میں کھانا بنائے تو وہ رجعت پسندی اور دقیانوسی اور وہی عورت ہوائی جہاز میں ایرہوسٹس بن کر لوگوں کو کھانا سروکرے اور ان کی ہوس ناک نگاہوں کا نشانہ بنے تو یہ آزادی ہے۔

ایک خاتون کا خط

اس مضمون پر میں بیان کررہا تھا بعد میں مجھے ایک مسلمان خاتون کا خط آیا، اس میں اس نے لکھا تھا کہ آپ نے ماشاء اللہ آزادیٔ نسواں کے بارے میں بہت اچھا بیان کیا، سچی بات یہ ہے کہ آدمی اگر اس پر غور کرے تو آزادیٔ نسواں کی

آڑ میں جو دھوکہ ہے اسے سمجھ میں آجائے، لیکن ایک بات میں آپ سے پوچھتی ہوں وہ یہ کہ اسلام نے جتنے حقوق عورت کو دیے ہیں ان میں بہت سارے حقوق ہمارے معاشرے میں پامال ہورہے ہیں کبھی آپ نے ان کے خلاف بھی آواز اٹھائی ہے؟ کیا کبھی آپ نے اس پر بھی تنقید کی ہے؟ اس کے خلاف بھی کوئی تحریر لکھی ہے؟ سچی بات تو یہ ہے کہ اس عورت نے مجھے شرمندہ کردیا۔

خواتین کے ساتھ ہونے والی ناانصافیاں

واقعۃً ہمارے معاشرے میں خواتین کے ساتھ ایسی ناانصافیاں ہوتی ہیں جو شریعت کے بالکل خلاف ہیں مثلاً اللہ تعالیٰ نے عورت کو وارث بنایا ہے، لیکن اکثر ایسا دیکھا گیا ہے کہ شریعت نے جو میراث میں ان کے لیے حصہ رکھا ہے وہ انہیں نہیں دیا جاتا، اسی طرح شریعت نے یہ حکم دیا ہے کہ کسی عورت کا نکاح اس کی مرضی کے خلاف نہیں ہونا چاہیے۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا واضح ارشاد ہے

اَلْبِكْرُ تُسْتَأْذَنُ فِیْ نَفْسِهَا(۱)

لیکن افسوس کہ ہمارے معاشرے میں عورت کی رائے لینے کا کوئی تصور ہی نہیں ہے۔ باپ نے جس جگہ نکاح کردیا سو کردیا، عورت سے پوچھا بھی نہیں جاتا، اس کے بہت ہی بدترین نتائج ہمارے سامنے آتے ہیں، لیکن اس برائی کے خلاف بھی ہم نے کبھی آواز نہیں اٹھائی، اسی طرح ایسے بہت سارے اسلامی احکام ہیں جن کی وجہ سے لوگوں کے حقوق پامال ہورہے ہیں۔ ان چیزوں سے ہماری نگاہیں بہت دور ہیں۔ جب سے اس خاتون نے مجھے متنبہ کیا اس کے بعد

(۱) صحیح مسلم ۲/۱۰۳۷(۱۴۲۱)۔

سے الحمدللہ مجھے بھی اس کی توفیق ہوئی اور میں نے علماءِ کرام کو بھی اس کی جانب متوجہ کیا۔

علماءِ کرام امت کے حکیم ہیں

عرض کرنے کا منشاء یہ ہے کہ علماءِ کرام امت کے حکیم ہیں ان کا ہاتھ امت کی نبض پر ہونا چاہیے اور جہاں جہاں خرابیاں ہوں چاہے کسی بھی ماحول میں ہوں، ان کی طرف توجہ دینے اور ان کی اصلاح کی طرف علماء کو متوجہ ہونا چاہیے۔

اخلاق کا صحیح مفہوم اسلام نے سمجھایا ہے

آخری بات یہ ہے کہ یہ مذہبِ اسلام کا طرۂ امتیاز ہے کہ اس نے ہمیں اخلاق کا صحیح مفہوم سمجھایا۔ اخلاق کا لفظ ارسطو اور افلاطون کے زمانے سے استعمال ہورہا ہے اور آج مغربی دنیا میں بھی اس پر بڑی بڑی کتابیں لکھی گئی ہیں۔ اخلاق کا مطلب آج جو سمجھا جاتا ہے اصل میں وہ صرف ظاہر داری کی حد تک محدود ہے، مسکرا کر ملو، چاہے دل میں کتنی ہی عداوتیں چھپی ہوئی ہوں۔ لوگوں کو کس طرح گرویدہ بنایا جائے اس پر بہت ساری کتابیں اہلِ مغرب نے لکھی ہیں، جن میں متعدد کتابوں کا اردو میں ترجمہ بھی ہوا ہے، لیکن اگر غور سے دیکھا جائے تو یہ ساری تعلیم حبِ جاہ کی ہے، تو اخلاق کا مطلب ان کے ہاں حبِ جاہ ہوا، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اخلاق کی تعلیم دی ہے وہ حبِ جاہ کی جڑ کاٹ رہی ہے۔ فرمایا کہ "دو بھوکے بھیڑیے اگر بکریوں کے گلے میں چھوڑ دیے جائیں تو وہ اتنی تباہی نہیں مچاتے جتنی حبِ جاہ اور حبِ مال کے فتنے انسان کے

دین میں تباہی مچاتے ہیں"[1]۔

اخلاق چند ظاہری رسوم کا نام نہیں

آج اخلاق چند ظاہری رسموں کا نام ہوگیا ہے اور اس کا مقصد محض لوگوں میں مقبولیت حاصل کرنا اور اثر ورسوخ پیدا کرنا رہ گیا ہے، لیکن جو اخلاق نبی کریم سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے سکھائے ہیں ان کی بنیاد پر علم طریقت وجود میں آیا ہے، آج لوگوں نے تصوف صرف چند اوراد وظائف اور مراقبات، الہام وغیرہ کا نام رکھ لیا ہے تصوف درحقیقت اخلاق کے تزکیہ کا نام ہے جس میں حسد، تکبر، ریاکاری، حبِ جاہ، حبِ مال وغیرہ نہ ہو بلکہ اس میں تواضع، فنائیت، صبر وشکر، اخلاص وللّٰہیت ہو، لیکن افسوس کہ اس میدان کو بھی اب چند اوراد وظائف مراقبات والہامات تک محدود کر دیا گیا ہے، لیکن تزکیۂ اخلاق جو اس کا اصل مقصد ہے وہ پیچھے جارہا ہے۔ حالانکہ پہلے تو باقاعدہ شیخ کے پاس جاکر تربیت ہوتی تھی۔ عجب، تکبر، ریاکاری وغیرہ کا علاج ہوتا تھا۔ اخلاص وللّٰہیت وغیرہ کیسے پیدا ہو اس کی تربیت دی جاتی تھی ؎

قال را بگذار مردِ حال شو
پیش مردِ کاملے پا مال شو

تو وہاں پامال ہونا پڑتا تھا وہ راستہ بھی اب رفتہ رفتہ چھوٹ رہا ہے۔ حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ سے لے کر حضرت مدنی ومفتی شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ تک

---

(۱) سنن الترمذی: ۱۸۵/۴ (۲۳۷۶) وقال: هذا حديث حسن صحيح.

ان میں سے کوئی ایسا نہیں ہے جس نے فارغ ہونے کے بعد کسی اللہ والے سے رجوع کر کے اخلاقِ باطنہ کا تزکیہ نہ کیا ہو۔ حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ جیسے جبالِ علم حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس جا رہے ہیں جو ضابطہ میں درس نظامی کے فارغ التحصیل بھی نہیں تھے۔ ان سے اپنے اخلاق کا تزکیہ کرایا، یہ ساری باتیں ہمارے ماحول میں رفتہ رفتہ کم ہو رہی ہیں ان پر ہمیں توجہ کی ضرورت ہے، اور جب تک کہ دل سے حب جاہ وحب مال نہ مٹے، تکبر وعجب بھی نہ مٹے اس وقت تک بات میں تاثیر بھی پیدا نہیں ہوتی۔ جس اللہ کے بندے نے کسی اللہ والے سے اپنے اخلاق کو مزکی ومحلی کرالیا ہو وہ دو جملے بھی بول دے تو وہ دل میں اتر جاتے ہیں اور اگر اس کے برعکس شہرت، ریاکاری اور نام ونمود مقصود ہو تو لمبی چوڑی تقریریں بھی اس کان سے داخل ہو کر دوسرے کان سے نکل جاتی ہیں، درحقیقت ہمیں اپنے کام میں مزید پختگی اور بہتری لانے کے لیے ان باتوں کی طرف توجہ کی ضرورت ہے۔

اس لیے میں یہ گزارش کرتا ہوں کہ ہم اپنے اکابر کی سیرتیں، ان کے حالات اور سوانح کو اپنے لیے حرز جان بنائیں جیسے ''تذکرۃ الرشید'' ہے، ''تذکرۃ الخلیل'' ہے، ''سوانح قاسمی'' ہے، ''اشرف السوانح'' ہے، حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ''آپ بیتی'' ہے، اس کو پڑھیں ان کے تذکروں اور باتوں میں نور ہے، ان کو پڑھنے سے معلوم ہوگا کہ اسلامی اخلاق وکردار کیا چیزیں ہیں، اگر ہم ان پر عمل کریں گے تو ہوسکتا ہے اللہ تعالیٰ ان کے کردار واخلاق کا کوئی عکس ہماری زندگیوں میں پیدا فرما دے کیونکہ اس کے بغیر علم کا نام منور نہیں ہوتا ہے۔

اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا[1]

مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

خشیت اللہ را نشان علم دان
آیت یخشی در قرآن بخوان

میرے بھائیو! خشیت ان ہی تمام مراحل سے گزرنے کے بعد پیدا ہوتی ہے اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی رضائے کامل کے مطابق صحیح معنیٰ میں طالب علم بننے کی توفیق عطا فرمائے اور اس کے حقوق ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

(۱) سورۃ الفاطر آیت (۲۸)۔

وعدہ خلافی سے بچیں

(درس شعب الایمان ۳/۹۵)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وعدہ خلافی سے بچیں

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَاھَادِیَ لَہٗ، وَاَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ وَاَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَنَبِیَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا کَثِیْرًا۔ اَمَّا بَعْدُ!

وَعَنْ اَنَسٍ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَلَّمَا خَطَبَنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اِلَّا قَالَ: «لَا اِیْمَانَ لِمَنْ لَّا اَمَانَۃَ لَہٗ، وَلَا دِیْنَ لِمَنْ لَّا عَھْدَ لَہٗ»(۱)

(۱) شعب الایمان ۱۹۶/۶ (۴۰۴۵) ومسند احمد ۳۷۵/۱۹ (۱۲۳۸۳) وقال المناوی فی "التیسیر" ۴۸۸/۲۸ وإسناده قوی.

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا خطبہ کم دیا ہوگا جس میں یہ نہ فرمایا ہو کہ؛ جس شخص میں امانت نہ ہو اس میں ایمان (کامل) نہیں اور جس شخص میں عہد کا پاس نہ ہو اس کا دین (کامل) نہیں۔

ایک اہم حدیث

یہ ایک اہم حدیث ہے جس میں نبی کریم سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے امانت کو ٹھیک ٹھیک پہنچانے اور عزم کو پورا کرنے کی تاکید فرمائی ہے اس حدیث کا پہلے ترجمہ سن لیں اور پھر ان کی تشریح بیان کی جائے گی۔ ترجمہ اس کا یہ ہے:

لَا اِیْمَانَ لِمَنْ لَا اَمَانَةَ لَهٗ

جس میں امانت نہیں اس میں ایمان نہیں۔

یعنی امانت میں خیانت کرنا، امانت کا پاس نہ رکھنا اتنی بری بات ہے کہ گویا جس شخص کے اندر امانت نہیں اس میں ایمان نہیں یعنی ایمان کامل نہیں ہے۔ کیونکہ اگر ایمان کامل ہوتا تو کسی کی امانت میں خیانت نہ کرتا اور آگے فرمایا:

لَا دِیْنَ لِمَنْ لَا عَهْدَ لَهٗ

جس شخص میں عہد کا پاس نہیں، وعدہ کا پاس نہیں، اس کا گویا دین نہیں، وہ بے دین ہے یعنی اس کا دین مکمل نہیں۔

عہد اور وعدہ پورا کرنے کی تاکید

یہ کتاب جو میرے سامنے ہے یہ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ کی ''شعب الایمان''

ہے۔ اس میں انہوں نے عہد اور وعدے کی پاسداری کے باب کا ذکر کیا ہے اور عہد اور وعدہ کی پاسداری کی تاکید جو قرآن وسنت سے معلوم ہوتی ہے وہ اسے بیان فرمانا چاہتے ہیں۔

اللہ تبارک و تعالیٰ نے قرآنِ کریم میں بھی جگہ جگہ عہد اور وعدے کی پاسداری کی تاکید بیان فرمائی ہے؛

وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ ۚ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُوْلًا (۱)

اور عہد کو پورا کرو، عہد کے بارے میں (تمہاری) باز پرس ہونے والی ہے۔

تم نے جو عہد کسی سے کیا ہے قیامت کے دن اس کے بارے میں پوچھا جائے گا کہ تم نے وہ عہد پورا کیا یا نہیں کیا؟ اور اسی طرح فرمایا:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ (۲)

ترجمہ: اے ایمان والو! معاہدوں کو پورا کرو۔

ہمیں وعدہ کا احساس نہیں

جو عہد اور وعدے تم نے کسی سے کر رکھے ہوں ان کو پورا کرو۔ قرآنِ کریم نے جگہ جگہ اس بات کی تاکید کی ہے کہ جو وعدہ کیا ہو اُس کو پورا کرو۔ کہنے کو تو ہم سب ہی کہتے ہیں کہ عہد پورا کرنا چاہیے، وعدہ پورا کرنا چاہیے۔ عہد کی خلاف ورزی بری بات ہے۔ وعدے کی خلاف ورزی بری بات ہے، لیکن جب

---

(۱) سورۃ الاسراء آیت (۳٤)۔
(۲) سورۃ المائدۃ آیت (۱)۔

عملی زندگی میں آتے ہیں تو اس وقت بسا اوقات یاد نہیں رہتا، خیال نہیں رہتا کہ ہم کہاں کہاں بدعہدی اور وعدہ خلافی کے مرتکب ہو رہے ہیں۔

بچہ سے وعدہ کرنے کا مسئلہ

حدیث میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ نبی کریم سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک شخص نے بچے کو بلانا چاہا، وہ بچہ نہیں آ رہا تھا تو اس شخص نے اس کو بلانے کی خاطر اس سے کہا، بیٹا آ جاؤ! ہم تمہیں ایک چیز دیں گے۔ بچہ چیز کے لالچ میں آگے بڑھ کر آ گیا۔ تو حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا اور فرمایا کہ بتاؤ کہ تم نے جو کہا تھا کہ چیز دیں گے تو واقعی تمہاری دینے کی نیت تھی یا نہیں؟ یا ویسے ہی بچے کو بہلانے کے خاطر، ٹرخانے کے لیے اس طرح کہہ دیا تھا؟ تو انہوں نے کہا کہ یا رسول اللہ! میرے پاس ایک کھجور تھی، میرا خیال تھا کہ اس کو کھجور دے دوں گا۔ فرمایا کہ اب تو ٹھیک ہے، لیکن اگر تمہاری نیت دینے کی نہ ہوتی تو تمہارے سر پر وعدہ خلافی کا گناہ ہوتا[1]۔ کیونکہ تم نے بچے سے وعدہ کر لیا کہ آؤ تمہیں کوئی چیز دیں گے اور دی ہے نہیں، تو یہ وعدے کی خلاف ورزی ہوتی۔

وعدہ خلافی کی دو صورتیں

ویسے تو وعدہ خلافی ہر حالت میں بری ہے، لیکن وعدے کی خلاف ورزی کی دو صورتیں ہیں۔ جن میں سے ایک صورت یہ ہے کہ جب وعدہ کر رہا ہے تو اس وقت یہ ارادہ ہے کہ وعدہ پورا کروں گا کیونکہ وعدے کی خلاف ورزی ناجائز ہے،

---

(۱) سنن ابی داود ٤/٢٩٨ (٤٩٩١) والحدیث ذکرہ السخاوی فی "المقاصد الحسنة" ص ٥٣٤ وقال وسندہ حسن۔ طبع دار الکتاب العربی۔

لیکن اس نے کسی وجہ سے وعدہ خلافی کرلی تو یہ بھی گناہ ہے اور دوسری صورت یہ کہ جس وقت وعدہ کررہا ہے اسی وقت پتہ ہے کہ میں یہ کام نہیں کروں گا، وعدہ کرتے وقت سرے سے نیت ہی نہیں ہے۔ اس کو رسولِ کریم ﷺ نے نفاق کا شعبہ قرار دیا[1] ۔ یہ منافقت ہے کہ وعدہ پورا کرنے کی نیت ہے نہیں اور وعدہ کررہا ہے۔ اگر بچے کو دینے کی نیت نہیں تھی تو یہ بھی نفاق والی بات ہوئی۔

بچے پر برے اثرات

اور پھر اس کا دوسرا نقصان یہ ہے کہ بچے کو بھی یہ احساس ہوگا کہ وعدہ خلافی کوئی بُری بات نہیں۔ میرے باپ نے یا فلاں بڑے نے بھی فلاں وقت میں مجھ سے وعدہ کر کے پورا نہیں کیا تھا۔ اس لیے یہ بری چیز نہیں۔ لہٰذا میں جب کبھی وعدہ خلافی کروں تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ تم نے بچے کو وعدہ کی پاسداری کے بجائے وعدہ کی خلاف ورزی سکھادی اور وہ آئندہ جہاں کہیں وعدہ کی خلاف ورزی کرے گا تو اس کا گناہ تمہارے اوپر بھی ہوگا۔

دین صرف نماز روز نہیں

دیکھیے! نبیِ کریم سرورِ دو عالم ﷺ نے اتنی باریک بینی سے یہ احکام دیے ہیں۔ آج ہم نے بس نماز، روزے اور عبادتوں کی حد تک دین کو محدود سمجھ لیا کہ دین نماز، روزے ہی کی حد تک ہے۔ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ایک ایک چیز سکھائی ہے۔ زندگی کے آداب بتائے ہیں۔ زندگی گذارنے کے طریقے تلقین

(۱) صحیح البخاری ۱۶/۱ (۳۳)۔

فرمائے ہیں اور ہم لوگ اس سے دور ہٹتے جارہے ہیں، جس کے نتیجے میں گناہ کرتے ہیں اور گناہ کا احساس نہیں ہوتا۔

شادی کارڈ پر غلط ٹائم لکھنا وعدہ خلافی کی بدترین قسم

اب دیکھ لیجیے کہ ہمارے یہاں شادی بیاہ کی دعوتیں ہوتی ہیں۔ ولیمہ مسنونہ ہوتا ہے۔ولیمہ بے شک سنت ہے، لیکن جب ولیمہ کی دعوت کی گئی تو عشائیہ اور کھانے کا وقت نو بجے لکھ دیا کہ نو بجے کھانے کا وقت ہے۔ حالانکہ جس وقت لکھ رہے ہیں، لکھتے وقت بھی یہ بالکل صاف پتہ ہے کہ ہم نو بجے کھانا نہیں کھلائیں گے اور دل میں دور دور تک کوئی ارادہ نہیں ہے۔تو یہ وعدہ خلافی کی وہ قسم ہے جس کو نبی کریم سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے نفاق سے تعبیر فرمایا۔ اب کارڈ پر لکھ دیا کہ نو بجے کھانا کھلایا جائے گا، نوتو درکنار، نہ دس بجے، نہ گیارہ بجے بلکہ بارہ بجے کے قریب کھانا کھلے گا۔ پہلے تو بارہ بجے کے بعد ایک بجے باراتیں آتی تھیں۔ ایک ایک بجے لوگ کھانا کھاتے تھے۔ خدا حکومت کا بھلا کرے کہ اب اس نے بارہ بجے کے بعد بجلی بند کرنے کا اعلان کر دیا۔ یہ اچھا ہوا کہ بارہ بجے کے بعد کوئی گنجائش نہیں رہتی۔

تو بھائی جب تمہیں نو بجے کھانا کھولنا ہی نہیں ہے تو کارڈ کے اوپر نو بجے کیوں لکھا؟ یہ وعدہ خلافی ہے جس کے اندر ہم مبتلا ہیں اور یہ وعدہ خلافی کی بدترین قسم ہے۔ یہ منافقت والی وعدہ خلافی ہے۔ اگر گیارہ بجے کھانا کھلایا تو جو بے چارہ وقت کی پابندی کے لحاظ سے یہ سوچ کر آ گیا کہ نو بجے لکھا ہے تو چلو نو بجے ہی چلے جائیں تو وہ جلدی آ کر کس خطا میں پکڑا گیا، وہ بے چارہ عذاب

میں مبتلا ہے، انتظار میں بیٹھا ہے اس کا وقت برباد ہو رہا ہے، گھنٹے گذر رہے ہیں اور ہمیں احساس ہی نہیں۔

ایک غلط بہانہ

اگر کہو کہ بھئی یہ ایک ناجائز کام ہے، ایسا نہیں کرو۔ اجی کیا کریں آج کل تو سب ہی کا یہ حال ہے، سب ایسا ہی کرتے ہیں۔ تو جب سب ایسا کرتے ہیں تو اگر سب آگ میں چھلانگ لگا رہے ہیں تو تم بھی پیچھے پیچھے آگ میں چھلانگ لگالو۔ خود ایسا نہیں کریں گے، لیکن بس ایک بہانہ ہے کہ سب لوگ ایسا کر رہے ہیں، لہٰذا ہم نے بھی کرلیا۔ تو ہمارے معاشرے میں بہت سی چیزیں ایسی ہیں جس میں وعدہ خلافی ہو رہی ہے اور احساس نہیں۔

طالب علموں کی کوتاہیاں

اب یہاں طلباء بیٹھے ہوئے ہیں۔ جب یہ دارالعلوم میں یا مدرسے میں داخل ہوتے ہیں تو ایک عہد نامہ پُر کرتے ہیں۔ اس عہد نامہ میں یہ لکھا ہوتا ہے کہ بلا وجہ غیر حاضری نہیں کریں گے، مدرسے کے قوانین اور ضوابط کی پابندی کریں گے، بغیر اجازت کہیں نہیں جائیں گے اور سال پورا کریں گے، یعنی سارے سال اس میں ہم تعلیم حاصل کریں گے۔ اس عہد نامہ میں یہ ساری باتیں لکھی ہیں، لیکن اچانک دل میں خیال آ گیا کہ یہاں مدرسے کے اندر میرا دل نہیں لگ رہا، لہٰذا درخواست دے دی کہ بس ہم جا رہے ہیں۔ ارے بھئی! اتنے دنوں تک تمہارے اوپر مدرسہ نے کتنے پیسے خرچ کیے، اس نے تمہارے اوپر جان لگائی، اساتذہ نے تم پر محنت کی اور اچانک آپ کے دل میں خیال

آ گیا کہ میرا دل نہیں لگ رہا اور بعض اوقات تو بغیر بتائے ہوئے مدرسہ سے روانہ ہوگئے، بتانے کی بھی حاجت نہیں سمجھی۔ یہ عہد کی خلاف ورزی ہے یا نہیں؟

بڑے عذاب کا اندیشہ

یہ عہد کی خلاف ورزی ایسی ہے کہ اس کے نتیجے میں بہت بڑے عذاب کا اندیشہ ہے۔ یہ وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ[1] کی خلاف ورزی ہے، لیکن ہم کررہے ہیں۔ خیال ہی نہیں آتا کہ ہم کوئی گناہ کررہے ہیں۔ کیونکہ یہ سمجھتے ہیں کہ دین نماز کا نام ہے، روزے کا نام ہے، مسجد میں بیٹھنے کا نام ہے، مسجد کے اندر عبادت کرنے کا نام ہے، باقی اپنی زندگی کے اندر جو ہم کام کررہے ہیں وہ تو دنیاداری کے کام ہیں۔ اُن کا دین سے کیا تعلق؟ لہٰذا وعدہ اور عہد کی پاسداری کا کوئی اہتمام ہی نہیں، کوئی فکر ہی نہیں۔

نیت کا جائزہ لیں

اگر بلاوجہ غیر حاضری کرلی تو یہ عہد کی خلاف ورزی ہوئی اور اس کے ذمے عہد کی خلاف ورزی کا گناہ عائد ہوا ہے۔ اگر فارم پر دستخط کرتے وقت ہی یہ نیت تھی کہ ہم ان پابندیوں کو قبول نہیں کریں گے، اصول اور ضوابط کے مطابق عمل نہیں کریں گے تو رسولِ کریم سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد کے مطابق یہ عہد کی خلاف ورزی منافقت میں داخل ہے اور نفاق کا ایک شعبہ ہے اور اگر اس وقت تو نیت تھی، لیکن بعد میں شیطان نے بہکا دیا تو یہ پھر بھی گناہ ہے اس لیے کہ تم نے یہ عہد کی خلاف ورزی کی ہے۔

---

(۱) سورۃ الاسراء آیت (۳۴)۔

یہ کام غیر مسلموں کے ساتھ بھی ناجائز ہیں

خوب یاد رکھیے کہ عہد کی خلاف ورزی مسلمان سے ہو یا غیر مسلم سے، دونوں صورتوں میں ناجائز ہے۔ ایک حدیث حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ رسول کریم سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ثَلَاثٌ لَيْسَ لِاَحَدٍ مِنَ النَّاسِ فِيْهِنَّ رُخْصَةٌ، بِرُّالْوَالِدَيْنِ مُسْلِمًا كَانَ اَوْ كَافِرًا، اَلْوَفَاءُ بِالْعَهْدِ لِمُسْلِمٍ كَانَ اَوْ كَافِرًا، وَاَدَاءُ الْاَمَانَةِ اِلٰى مُسْلِمٍ كَانَ اَوْ كَافِرًا[1]

تین چیزیں ایسی ہیں جن میں اللہ تعالیٰ کے ہاں رخصت نہیں ہے، چاہے وہ معاملات مسلمان سے ہوں یا غیر مسلم سے ہو۔ والدین سے حسن سلوک کرو، چاہے والدین مسلمان ہوں یا کافر ہوں۔ عہد کی پاسداری کرو، چاہے مسلمان سے کیا ہوا عہد ہو یا کافر سے کیا ہوا عہد ہو۔ امانت ادا کرو، چاہے مسلمان کی ہو یا کافر کی ہو۔

والدین کے ساتھ حسنِ سلوک

پہلی بات یہ فرمائی کہ

بِرُّالْوَالِدَيْنِ مُسْلِمًا كَانَ اَوْ كَافِرًا

(۱) شعب الایمان للبیہقی ۲۰۳/۶ (٤٠٥٤) قال البیہقی: باسناد ضعیف بمرة۔

''والدین کے ساتھ حسن سلوک کرو چاہے والدین مسلمان ہوں یا کافر ہوں۔''

والدین چاہے کافر ہی کیوں نہ ہوں، لیکن ان کے ساتھ حسنِ سلوک لازمی ہے۔

وَاِنْ جٰهَدٰكَ عَلٰٓى اَنْ تُشْرِكَ بِىْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ۙ فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبْهُمَا فِى الدُّنْيَا مَعْرُوْفًا (۱)

اور اگر وہ تم پر یہ زور ڈالیں کہ تم میرے ساتھ کسی کو (خدائی میں) شریک قرار دو تو ان کی بات مت مانو اور دنیا میں ان کے ساتھ بھلائی سے رہو۔

اگر تمہیں والدین شرک کرنے پر یا کفر کرنے پر مجبور کریں تو اس میں ان کی اطاعت نہ کرنا، کیونکہ کسی معصیت میں کسی مخلوق کی اطاعت نہیں ہوتی۔ والدین اگر گناہ کا کام کرنے کو کہیں تو والدین کی اطاعت واجب نہیں ہے۔ اس میں والدین کا کہنا نہیں ماننا چاہیے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا کہنا ماننا زیادہ مقدم ہے بنسبت والدین کا کہنا ماننے کے۔ آگے فرمایا

فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبْهُمَا فِى الدُّنْيَا مَعْرُوْفًا

یعنی تم اس میں ان کا کہنا نہیں مان رہے تو بھی ان سے غصہ سے بات نہیں کرنا، بلکہ اس صورت میں بھی ان سے نرمی سے، محبت سے اور پیار سے بات کرو کہ میں کفر کرنے سے معذور ہوں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے منع کیا ہے اور پھر اُن کے

(۱) سورۃ لقمان آیت (۱۵)۔

ساتھ معروف کا معاملہ کرو، نیک سلوک کرو، فرمایا کہ اگر کفر کرنے کا کہہ رہے ہیں تب بھی ان کے ساتھ سختی نہیں کرو۔

غیر مسلم سے وعدہ خلافی اور خیانت

دوسری بات یہ فرمائی:

اَلْوَفَاءُ بِالْعَهْدِ لِمُسْلِمٍ كَانَ اَوْ كَافِرًا

"کہ عہد کی پاسداری کرو، چاہے مسلمان سے کیا ہوا عہد ہو یا کافر سے کیا ہوا عہد ہو"۔

اور تیسری بات یہ فرمائی:

وَاَدَاءُ الْاَمَانَةِ اِلٰى مُسْلِمٍ كَانَ اَوْ كَافِرًا

"امانت ادا کرو، چاہے مسلمان کی ہو یا کافر کی ہو"۔

تو یہ چیزیں ایسی ہیں جو مسلمانوں کے ساتھ جس طرح مسلمانوں کے ساتھ عہد شکنی ناجائز ہے اسی طرح غیر مسلموں کے ساتھ بھی ناجائز ہے۔

دو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا کافروں سے وعدہ

حضرت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے تو ایسی ایسی مثالیں قائم فرمائی ہیں کہ جن کی مثال نہیں ملتی۔ حضرت حذیفہ ابن یمان رضی اللہ عنہ بڑے درجے کے صحابہ کرام میں سے ہیں۔ یہ خود بھی صحابی ہیں اور ان کے والد حضرت یمان رضی اللہ عنہ بھی صحابی ہیں۔ یہ دونوں مدینہ منورہ سے کہیں دور رہتے تھے اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان

لا چکے تھے اور چاہتے تھے کہ حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوں تو باپ بیٹے رسول کریم ﷺ کی زیارت کرنے کے لیے اپنے وطن سے چلے تھے۔ یہ اتفاق سے وہ وقت تھا جب ابوجہل کا لشکر بدر کی طرف روانہ ہو رہا تھا اور غزوہ بدر ہونے والی تھی تو جب یہ راستے میں سے گزر رہے تھے تو ابوجہل کے لشکر نے ان کو پکڑ لیا اور پوچھا کہ کہاں جارہے ہو؟ تو کہا کہ مدینہ شریف جارہے ہیں۔ اُن کے لشکر والوں نے کہا کہ ہم تمہیں آگے جانے نہیں دیں گے۔ ہم خود اُن سے لڑنے کے لیے جارہے ہیں۔ ہمیں یہ منظور نہیں ہے کہ تم ان کے لشکر میں اور اُن کی قوت میں اضافہ کرو۔ انہوں نے کہا کہ نہ ہمیں جنگ کا پتہ ہے اور نہ کوئی اور ارادہ ہے۔ ہم تو محمد رسول اللہ ﷺ کی زیارت کی غرض سے روانہ ہوئے ہیں۔ ہم لڑائی کے ارادہ سے روانہ نہیں ہوئے۔ تو آخر کار اُس نے کہا کہ اچھا! وعدہ کرو کہ تم جنگ میں محمد (رسول اللہ ﷺ) کا ساتھ نہیں دو گے تو ہم تمہیں چھوڑ دیں گے۔ ورنہ قتل کردیں گے یا گرفتار رکھیں گے۔ اب اُن کے پاس کوئی اور راستہ نہیں تھا۔ انہیں رسول کریم ﷺ کی خدمت میں جانا تھا۔ تو انہوں نے کہا کہ ہم وعدہ کرتے ہیں کہ ہم صرف رسول اللہ ﷺ کی زیارت کر کے واپس آجائیں گے اور لڑائی میں شریک نہیں ہوں گے۔ اس پر انہوں نے ان دونوں کو چھوڑ دیا۔

غزوۂ بدر میں شرکت سے محرومی

تو یہ حضرات وعدہ کر کے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں پہنچے۔ اب ذرا اندازہ لگائیں کہ یہ وہ وقت ہے جب غزوۂ بدر پیش آنے والا ہے۔ وہ غزوہ جس

کو قرآنِ کریم میں یوم الفرقان[(۱)] فرمایا۔ جس میں شریک ہونے والے ایک ایک صحابی کو اللہ تبارک و تعالیٰ نے یہ مقام عطا فرمایا کہ آج اُن کا نام لے کر دعائیں کی جاتی ہیں، اسماء البدرین کے نام کے وسیلے سے دعا کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ قبول فرماتے ہیں۔ یہ مقام ہے اُن کا۔ جن کے بارے میں یہ فرمادیا کہ جو جنگ بدر میں شریک ہوگیا تو وہ بعد میں جو چاہے کرے۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کی مغفرت فرمادی[(۲)]۔ جنگ بدر کے شرکاء کے لیے حدیث میں یہ الفاظ آتے ہیں۔ تو وہ جنگ ہونے والی ہے۔

تم وعدہ کر کے آئے ہو

اور حضرت حذیفہ ابن یمان رضی اللہ عنہ اپنا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! اس جنگ میں ہم بھی شریک ہوں گے کیونکہ یہ پہلی جنگ ہے جو حق و باطل کے درمیان اور اسلام و کفر کے درمیان لڑی جارہی ہے۔ ہم سے ابوجہل نے درحقیقت زبردستی عہد لیا ہے۔ ہم دل سے اس بات پر راضی نہیں تھے۔ اس لیے ہم تو آپ کے ساتھ لڑیں گے اور سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کا حال یہ ہے کہ کل تین سو تیرہ نہتے افراد ہیں، جن کے پاس تلواریں بھی پوری نہیں، ستر اونٹ ہیں، دو گھوڑے ہیں، آٹھ تلواریں ہیں، باقی ڈنڈے اٹھائے ہوئے ہیں۔ تو اس وقت ایک ایک آدمی کی قدر و قیمت ہے، لیکن سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ تم وعدہ کر کے آئے ہو، کافر اور دشمن سے وعدہ کر کے آئے ہو،

---

(۱) سورۃ الانفال آیت (٤١).

(۲) صحیح البخاری ٥٩/٤ (٣٠٠٧) و ٧٦/٤ (٣٠٨١).

جو لوگ ہمارے خون کے پیاسے ہیں اُن سے وعدہ کیا ہے۔ چونکہ وعدہ کیا ہے تو مسلمان کا کام وعدہ سے پھرنا نہیں ہوتا لہٰذا تمہیں غزوۂ بدر میں شریک ہونے کی اجازت نہیں ہے[1]۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے غزوۂ بدر کی شرکت سے محروم کر دیا۔ کیوں؟ اس لیے کہ مسلمان کی ایک زبان ہوتی ہے، مسلمان کا ایک وعدہ ایک عہد ہوتا ہے، چاہے وہ مسلمان سے کیا ہو یا غیر مسلم سے کیا ہو، اس کی پاسداری لازمی ہے۔

بے روزگاری الاؤنس اور وعدہ خلافی

آج حال یہ ہے کہ شروع شروع میں جب ہم برطانیہ گئے تو وہاں ایک مسئلہ ہر ایک آدمی پوچھ رہا تھا کہ یہاں پر برطانیہ میں لوگوں کو بے روزگاری الاؤنس دیا جاتا ہے۔ اب بہت سے لوگ خاص طور سے ہمارے پاکستانی حضرات ماشاء اللہ کہیں نوکری تو کر لیتے ہیں جہاں سے ان کو آمدنی ہو رہی ہوتی ہے اور اپنے آپ کو بے روزگار بھی لکھوایا ہوا ہوتا ہے اور بے روزگاری الاؤنس بھی لے رہے ہوتے ہیں تو یہ دونوں کام کرنا جائز ہیں یا نہیں؟ تو میں نے کہا کہ یہ کھلا دھوکہ ہے، ناجائز ہے، حرام ہے۔

یہ دلیل صحیح نہیں

تو وہاں بعض لوگوں نے بتایا کہ لوگ یہ دلیل دیتے ہیں کہ یہ تو غیر مسلموں کا معاملہ ہے لہٰذا ہم تو مسلمان ہیں اور یہ غیر مسلم ہیں تو جس طرح

(۱) صحیح مسلم ۳/۱۴۱۴ (۱۷۸۷) و مسند احمد ۳۸/۳۷۷ (۲۳۳۵٤)۔

چاہو غیر مسلموں کا مال لوٹو اور غیر مسلموں کے ساتھ بُرے سے بُرا برتاؤ کرو، یہ جائز ہے، کیونکہ وہ غیر مسلم ہیں۔ یہ ذہنیت پھیلائی جارہی ہے۔ یہ ایک گمراہانہ ذہنیت ہے۔ اس لیے غیر مسلموں کے ساتھ نہ کسی معاہدہ کا احترام ہے، نہ کسی وعدے کا احترام ہے، نہ اُس کے مال کا اور نہ اُس کی آبرو کا احترام ہے۔ یہاں رسولِ کریم ﷺ کو دیکھو کہ ابو جہل جو اسلام کا اور مسلمانوں کا جانی دشمن ہے، اُس کے ساتھ کیا ہوا وعدہ بھی حضورِ اقدس ﷺ اِس طرح نباہ رہے ہیں کہ عین جنگ کے موقع پر جب کہ ایک ایک آدمی کی قلت ہے اُس وقت بھی وعدہ نبھایا۔

ویزا بھی ایک معاہدہ ہے

اور ہم لوگ کیا کرتے ہیں؟ دیکھو! جب آپ کسی ملک میں ویزا لے کر جاتے ہو تو وہ ویزا کیا ہے؟ جس ملک میں جارہے ہو یہ اُس ملک کی حکومت کے ساتھ ایک معاہدہ ہے کہ ہم آپ کے قانون کے مطابق یہاں رہیں گے۔ ہاں اگر کوئی ایسا قانون ہو جو گناہ پر مجبور کرے تو اُس کی اطاعت واجب نہیں ہے۔ اُس کی تو خلاف ورزی کرنی ہے۔ کیونکہ وہ معاہدہ بعد کا ہے اور اللہ تعالیٰ سے جو معاہدہ ہوا ہے وہ پہلے ہے۔ یعنی لا الہ اللہ محمد رسول اللہ کا معاہدہ پہلے ہے اور سارے معاہدے اس کے تابع ہیں۔ لہٰذا اگر کوئی معاہدہ گناہ پر مجبور کرے تو اُس کا احترام نہیں کرنا۔ اُس کا حکم یہ ہے کہ ایسے عہد کو توڑ دو، لیکن جو وعدہ اور عہد کسی گناہ پر مجبور نہیں کرتا تو اُس کی پابندی لازم ہے۔ آپ کسی ملک میں ویزا لے کر رہ رہے ہو، چاہے اقامہ ہو یا بزنس ویزا ہو یا تم نے اُس ملک کی شہریت

حاصل کی ہو، ہر صورت میں اس کے قوانین کی پابندی تمہارے ذمے لازم ہے، چاہے وہ مسلمان ملک ہو یا غیر مسلم ملک ہو۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا ایمان افروز واقعہ

رسولِ کریم سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ایک ایک عمل سے ہمیں ایفاءِ عہد کی تعلیم دی ہے اور اس کی سب سے بڑی اور عظیم مثال حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے عمل سے پیش کی ہے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا واقعہ بہت سی حدیث کی کتابوں میں آیا ہے کہ اُن کا روم کے غیر مسلموں سے جنگ بندی کا ایک معاہدہ تھا کہ فلاں تاریخ تک ہم ایک دوسرے پر حملہ نہیں کریں گے۔ ایک دوسرے کے خلاف جنگ نہیں کریں گے۔ تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بڑے زیرک بزرگ تھے، کہا جاتا ہے کہ اہل عرب کے چند گنے چنے زیرک سیاست دان لوگوں میں اُن کا شمار ہوتا ہے۔

سرحدوں پر فوجیں ڈال دو

انہوں نے سوچا کہ مثلاً جنگ بندی کی مدت ربیع الاول کے ختم پر پوری ہورہی ہے تو ربیع الثانی کے شروع میں جنگ کرنے کی اجازت ہوگی (ایسے ہی مثال دے رہا ہوں، پتہ نہیں کون سا مہینہ تھا)۔ وہاں دشمن یہ سوچے گا کہ اگر ربیع الثانی کے اندر یہ لوگ اپنے وطن سے چلیں گے تو اتنی مدت ان کو یہاں پہنچنے میں لگے گی۔ اس لیے ربیع الثانی کے شروع میں وہ جنگ کے لیے تیار نہیں ہوں گے کیونکہ فوراً اُن کو خیال نہیں ہوگا کہ اِدھر آفتاب غروب ہوگا اور اُدھر یہ حملہ کردیں۔ تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنی فوج کے سربراہوں سے کہا کہ تم

ربیع الاول کے مہینے میں ہی یہاں سے روانہ ہوجاؤ اور سرحدوں پر جا کر فوجیں ڈال دو اور جوں ہی ربیع الاول کے آخری دن کا آفتاب غروب ہو تم اُن کے اوپر حملہ کردینا تاکہ ایسے وقت تمہارا حملہ ہو کہ وہ لوگ جواب کاروائی کے لیے تیار نہ ہوں۔ اب یہ صریح بدعہدی تو نہیں تھی کیونکہ جو تاریخ مقرر تھی اُس تاریخ سے پہلے حملہ نہیں کیا۔ بس فوجیں ڈال دیں اور ان کو فتح پر فتح ہوتی چلی گئی۔ دشمن شکست کھاتا چلا گیا۔ زمین کا کافی حصہ انہوں نے لے لیا۔ اسی عالم میں آپ ذرا تصور کیجیے کہ ایک لشکر جو اچانک دوسرے کے ملک میں داخل ہوا اور فتح کرتا ہوا جارہا ہے۔ فتح کے نشے میں چُور ہے تو اس کا کیا جوش ہوگا۔

مسلمان کا کام غداری نہیں

اِسی دوران پیچھے سے ایک سوار دوڑتا ہوا آیا اور آواز لگا رہا ہے کہ

وَفَاءٌ لَا غَدَرَ

مسلمان کا کام وفاداری ہے، غداری نہیں۔

یہ کہتا ہوا آرہا ہے، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ دیکھو! کون ہے؟ قریب آئے تو دیکھا کہ حضرت عمرو ابن عبسہ رضی اللہ عنہ ہیں۔ یہ ایک صحابی تھے۔ پوچھا: کیا بات ہے؟ کہا کہ آپ نے جتنا علاقہ فتح کیا ہے وہ سب اللہ تعالیٰ کے حکم کے خلاف کیا ہے۔ فرمایا: کیوں؟ کہا اس لیے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے کانوں سے یہ فرماتے ہوئے سنا ہے:

مَنْ كَانَ بَيْنَهٗ وَبَيْنَ قَوْمٍ عَهْدٌ فَلَا يَحُلَّنَّ عَهْدًا وَلَا

يَشُدَّنَّهُ حَتَّى يَمْضِيَ أَمَدُهُ أَوْ يَنْبِذَ إِلَيْهِمْ عَلَى سَوَاءٍ[(١)]

جب کسی قوم کے ساتھ کسی کا معاہدہ ہو تو جب تک اُس معاہدہ کی مدت نہ گزر جائے یا اُس معاہدہ کو توڑنے کا اعلان نہ کر دیا جائے، اُس وقت تک اُس کے خلاف کوئی بھی اقدام کرنا جائز نہیں۔ اور آپ نے پہلے سے پوری فوج سرحدوں پر لا کر ڈال دی تھی۔

یہ صریح غداری نہیں ہے

ذرا سوچیے! جو لشکر فتح کرتا ہوا جا رہا ہو اور اُس نے صریح غداری بھی نہیں کی۔ کیونکہ جو جنگ بندی کی مدت تھی اُس مدت کے اندر حملہ نہیں کیا بلکہ مدت گزرنے کے بعد کیا۔ تو جو کوئی لشکر، کوئی آدمی اس طرح جا رہا ہو تو جب اُس کو یہ کہا جائے تو ہزار تاویلیں دل میں آئیں گے کہ ہم ٹھیک تھے۔ ہم نے مدت ختم ہونے کے بعد حملہ کیا ہے۔ ہم نے کوئی غداری نہیں کی، لیکن جب رسول کریم سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد سنا تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حکم دے دیا کہ جتنا علاقہ فتح کیا تھا وہ سب دشمن کو واپس کر دو۔ پورا علاقہ واپس کر دیا۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کی فوج اپنی سرحدوں کے اندر واپس لوٹ کر آ گئے۔

جہاد کا اصل مقصد

دنیا کی کوئی تاریخ ایسی مثال پیش نہیں کر سکتی کہ اس طرح فتح کیا ہوا علاقہ واپس کر دیا ہو، لیکن حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ایسا کیا۔ وجہ کیا ہے؟ درحقیقت جہاد

(١) سنن الترمذی ۴/۲۲۷ (١٥٨٠) وقال هذا حديث حسن صحيح۔

کا مقصد کوئی جائیدادیں حاصل کرنا، ملک کے اوپر قبضہ کرنا، اقتدار حاصل کرنا تھوڑا ہی تھا۔ مقصود تو درحقیقت اللہ تعالیٰ کو راضی کرنا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ راضی نہیں ہیں تو ہمیں کیا پڑی ہے کہ ہم مفتوحہ علاقہ اپنے پاس رکھیں۔ تو بھائی! عہد چاہے مسلمان سے ہو یا غیر مسلم سے ہو، اُس عہد کی پاسداری انسان کے لیے ضروری ہے اور فرمایا کہ جس میں عہد کی پاسداری نہیں اُس میں کامل دین نہیں۔

جھوٹے پاسپورٹ کے لیے سفارش

لیکن اچھے خاصے پڑھے لکھے دین دار لوگ اس میں جعل سازیاں کرتے ہیں اور اس کو بالکل بھی حرام نہیں سمجھتے۔ ایک مرتبہ میں سعودی عرب میں تھا تو وہاں ایک صاحب ایک بڑے مشہور عالم کا خط لے کر آئے، اس میں لکھا تھا کہ ان کا کچھ کام ہے، آپ اس کام کو کردیں۔ میں نے پوچھا کہ کیا کام ہے؟ تو معلوم ہوا کہ وہ ہندوستانی تھے اور پاکستانی شہریت حاصل کرنا چاہتے تھے۔ اس کے لیے انہوں نے ایک درخواست لکھی تھی کہ میں پاکستانی ہوں اور یہاں سعودی عرب پاکستان سے آیا تھا۔ یہاں میرا پاسپورٹ گم ہوگیا ہے لہٰذا اب آپ نیا پاسپورٹ جاری کرادیجیے اور وہ مجھ سے سفارش کرانا چاہتے تھے۔

ایک بہت بڑا المیہ

وہ حرم حج کرنے کے لیے آئے تھے۔ حرمین شریفین میں وہ عبادتیں کررہے تھے، نمازیں پڑھ رہے تھے، نماز باجماعت کے پابند تھے اور ماشاء اللہ شکل وصورت بھی سنت کے مطابق تھی۔ اُن کو اس طرح درخواست لکھتے ہوئے کوئی تکلف اور تامل پیدا نہیں ہوا کہ یہ بھی کوئی بُری بات ہے۔ اس لیے کہ دین تو

صرف اس کا نام ہے کہ نماز روزہ کرلو اور بس شکل وصورت بنالو، لیکن معاملات میں اور لوگوں کے ساتھ برتاؤ میں اور اپنے مفادات کے حصول میں کن باتوں کی رعایت ضروری ہے، اس کی طرف تو توجہ ہی نہیں ہے، اس کی طرف خیال ہی نہیں ہے، تو یہ بہت بڑا المیہ ہے کہ جس چیز کے بارے میں نبی کریم سرورِ دو عالم ﷺ یہ ارشاد فرمار ہے ہیں کہ

لَادِيْنَ لِمَنْ لَّا عَهْدَ لَهٗ

جس شخص میں عہد نہیں، عہد کی پاسداری نہیں تو اُس میں دین نہیں گویا اُس کا دین کامل نہیں کیونکہ اُس کے دل میں اس چیز کی اہمیت ہے ہی نہیں۔

اس طرح ٹالنا گناہ ہے

بعض مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ کسی شخص نے کوئی کام کرنے کے لیے فرمائش کی مثلاً یہ کہہ دیا کہ آپ کسی وقت ہمارے گھر آیئے۔ اب آپ نے ٹالنے کے لیے کہہ دیا کہ اچھا بھائی ضرور آئیں گے۔ دل میں اس وقت جانے کی کوئی نیت نہیں ہے، لیکن "ضرور آئیں گے" کہنے سے وعدہ ہوگیا۔ اب یہ ایسا گناہ ہے کہ وعدہ کر کے بلاوجہ کا گناہ اپنے سر لے لیا۔ اس گناہ میں بھی اچھے خاصے پڑھے لکھے، دین دار، عبادت گذار لوگ مبتلا ہوجاتے ہیں۔ اس لیے کہ ذہن میں آتا ہی نہیں کہ ہم یہ کوئی گناہ کر رہے ہیں۔ حقیقت میں یہ ایک گناہ ہے اور بہت بڑا گناہ ہے۔ نبی کریم سرورِ دو عالم ﷺ نے اِس کو منافقت سے تعبیر فرمایا۔ تو آدمی جو بات کہے وہ تول کر کہے، سوچ سمجھ کر کہے۔ کوئی دعوت دے رہا ہے تو یہ کہہ دو کہ "اچھی بات ہے"، "کسی وقت دیکھیں گے"، "اگر موقع ہوا تو آئیں گے"، لیکن پکا وعدہ کرلینا کہ ضرور آئیں گے۔ یہ ہے وہ وعدہ جس کی خلاف ورزی

کا پہلے ہی دن سے ارادہ کیا ہوا ہے۔ یہ نفاق کا شعبہ ہے۔ یہ بظاہر چھوٹی چھوٹی باتیں ہیں، لیکن ان چھوٹی چھوٹی باتوں کے نتیجے میں ہم بڑے بڑے گناہوں میں مبتلا ہو رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہماری حفاظت فرمائے۔

لا الہ الا اللہ بھی وعدہ ہے

یہ وعدہ اور عہد ایسی چیز ہے کہ جب آدمی اسے کرے تو اس کو پوری طرح نبھائے۔ یہاں یہ بات بھی عرض کردوں کہ ہم نے سب سے بڑا وعدہ تو اللہ تعالیٰ سے کر رکھا ہے۔ جب کہا تھا لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ تو یہ ایک وعدہ کیا تھا کہ ہم نے آپ ہی کو معبود ماننا ہے، آپ ہی کی اطاعت کرنی ہے، آپ کے سوا کوئی معبود نہیں، آپ کے سوا کسی کی اطاعت نہیں۔ اس وعدہ کا ایفاء ضروری ہے، ہر ہر قدم پر اس کا لحاظ رکھنا ضروری ہے۔

وعدہ کرنے والا غلام ہے

ایک حدیث میں رسول کریم سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اَلْوَعْدُ الرق فَاِذَا وَعَدَ اَحَدُكُمْ اَخَاهُ فَلْيَلْتَمِسِ الْعِتْقَ (۱)

وعدہ ایک غلامی ہے جب آپ میں سے کوئی اپنے بھائی سے کوئی وعدہ کرلے تو اس نے اس وعدے کی غلامی کرلی۔

---

(۱) ادب الاملاء والاستملاء للسمعانی ص۴۰ طبع دار الکتب العلمیة۔وفی اسنادہ عثمان بن عبد الرحمن الوقاصی ذکرہ الحافظ ابن حجر فی "تقریب التہذیب" ص ٦٦٦ وقال متروک وکذبہ ابن معین۔(طبع دار العاصمة) ومحمد بن عبد العزیز بن المبارک ذکرہ الذہبی فی "دیوان الضعفاء" ص ٣٦٣ وقال منکر الحدیث.(طبع مکتبة النہضة الحدیثة۔مکة)

جیسے غلام آقا کی مرضی کے خلاف نہیں کرسکتا۔ اسی طرح آپ نے کسی سے وعدہ کیا تو جب تک آپ اُس وعدہ کو پورا نہیں کرو گے اُس وقت تک آپ کی گردن نہیں چھوٹے گی۔ تو جس نے کوئی وعدہ کیا ہو۔ وہ اپنی آزادی تلاش کرے، کسی طرح اپنی گردن چھڑا لے، وہ اس طرح ہوگا کہ وعدہ پورا کردیا کوئی عذر پیش آگیا ہے تو معذرت کرو کہ یہ عذر پیش آگیا۔ اسی طرح اللہ تبارک و تعالیٰ سے جو وعدہ کیا ہوا ہے کہ اے اللہ! ہم آپ کو اپنا خدا مانیں گے، آپ کے دین پر چلیں گے، اس کو پورا کرنا سب سے زیادہ ضروری ہے۔

اب میں پکا مسلمان بن جاؤں گا!

بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ بندہ کسی خاص موقع پر اپنی خاص غرض کے لیے اللہ تبارک و تعالیٰ سے کوئی وعدہ کرلیتا ہے۔ کسی مصیبت میں پھنس گیا مثلاً مفلسی کا شکار ہوگیا، بیمار ہوگیا یا کسی اور مشکل میں پھنس گیا تو اُس وقت میں یہ ارادہ کرلیتا ہے یا اللہ تعالیٰ سے وعدہ کرلیتا ہے کہ یا اللہ! اس مشکل سے چھوٹ گیا تو بس میں پکا اور سچا مسلمان بن جاؤں گا اور آپ کے حکم کی اطاعت کروں گا۔ تو ایک وعدہ تو وہ ہے ہی لا الٰہ الا اللہ کا وعدہ، لیکن ایک وعدہ وہ ہے جو اپنی طرف سے کرلیا کہ یا اللہ! اس مصیبت سے نجات پا گیا تو آپ کا فرمانبردار بن جاؤں گا۔

منت ماننا پسندیدہ نہیں

اور ایک نذر ہوتی ہے یعنی منت ماننا، یہ بھی ایک وعدہ ہے، لیکن شریعت

میں اِسے پسند نہیں کیا گیا۔ جو لوگ منتیں مانتے ہیں کہ میرا فلاں کام ہوگیا تو میں اتنے روزے رکھوں گا، اتنی نمازیں پڑھوں گا، رسول کریم سرورِ دو عالم ﷺ نے اس کو پسند نہیں فرمایا[۱]۔ یہ نذر اس وقت ہوتی ہے جب کوئی شخص منت کے الفاظ استعمال کرے، اس وقت منت بنتی ہے، لیکن اگر نظر کے الفاظ استعمال نہ کرے مثلاً یہ کہے کہ اللہ میاں مجھے اس سے نجات دے دیجیے اور اگر ایسا ہوگیا تو میں پکا مسلمان بن جاؤں گا۔ پھر بھی اپنی بات پوری نہ کرے تو یہ بھی گناہ ہے۔

اللہ تعالیٰ سے وعدہ خلافی پر وعید

اور اس پر بھی بڑی سخت وعید ہے۔ قرآنِ کریم میں ایک جگہ اس کا یوں ذکر آیا ہے۔

وَ مِنْهُمْ مَّنْ عٰهَدَ اللّٰهَ لَئِنْ اٰتٰىنَا مِنْ فَضْلِهٖ لَنَصَّدَّقَنَّ وَ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝ فَلَمَّاۤ اٰتٰىهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ بَخِلُوْا بِهٖ وَ تَوَلَّوْا وَّ هُمْ مُّعْرِضُوْنَ ۝ فَاَعْقَبَهُمْ نِفَاقًا فِیْ قُلُوْبِهِمْ اِلٰی یَوْمِ یَلْقَوْنَهٗ بِمَاۤ اَخْلَفُوا اللّٰهَ مَا وَعَدُوْهُ وَ بِمَا كَانُوْا یَكْذِبُوْنَ ۝ [۲]

اور ان ہی میں وہ لوگ بھی ہیں جنہوں نے اللہ سے یہ عہد کیا تھا کہ اگر وہ اپنے فضل سے ہمیں نوازے گا تو ہم ضرور

(۱) وقد جاء فی صحیح مسلم ۱۲۶۱/۳ (۱٦٤٠): "لَا تَنذِرُوا، فَإِنَّ النَّذْرَ لَا يُغْنِي مِنَ الْقَدَرِ شَيْئًا..."۔

(۲) سورۃ التوبۃ آیت (۷۵ تا ۷۷)۔

صدقہ کریں گے اور یقیناً نیک لوگوں میں شامل ہوجائیں گے، لیکن جب اللہ نے اُن کو اپنے فضل سے نوازا تو اس میں بخل کرنے لگے اور منہ موڑ کر چل لیے۔ نتیجہ یہ کہ اللہ نے سزا کے طور پر نفاق اُن کے دلوں میں اُس دن تک کے لیے جمادیا ہے جس دن وہ اللہ سے جا کر ملیں گے، کیونکہ انہوں نے اللہ سے جو وعدہ کیا تھا، اُس کی خلاف ورزی کی اور کیونکہ وہ جھوٹ بولا کرتے تھے۔

یعنی بعض لوگ وہ ہیں جو اللہ سے عہد کرتے ہیں کہ اگر آپ نے ہمیں فلاں چیز عطا فرما دی تو ہم خوب صدقہ کریں گے اور نیک بن جائیں گے، پکے مسلمان بن جائیں گے۔ تو اللہ تبارک و تعالیٰ سے بڑے زور زور کے وعدے کیے، لیکن جب اللہ تبارک و تعالیٰ نے اُس مشکل سے نجات دے دی تو پھر گئے اور بھول بھال گئے۔

مشرکوں کا مصیبت میں اللہ کا پکارنا

جیسے قرآنِ کریم میں مشرکوں کا ذکر آیا ہے

جَآءَتْهَا رِيحٌ عَاصِفٌ وَّ جَآءَهُمُ الْمَوْجُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَّظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ اُحِيْطَ بِهِمْ ۙ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۚ لَئِنْ اَنْجَيْتَنَا مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ۝ فَلَمَّآ اَنْجٰىهُمْ اِذَا هُمْ يَبْغُوْنَ فِى الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ (۱)

---

(۱) سورۃ یونس آیت (۲۲-۲۳)۔

اچانک اُن کے پاس ایک تیز آندھی آتی ہے اور ہر طرف سے اُن پر موجیں اُٹھتی ہیں، اور وہ یہ سمجھ لیتے ہیں کہ وہ ہر طرف سے گھر گئے، تو اُس وقت وہ خلوص کے ساتھ صرف اللہ پر اعتقاد کر کے صرف اُسی کو پکارتے ہیں۔ (اور کہتے ہیں کہ) (یا اللہ!) اگر تو نے ہمیں اس (مصیبت سے) نجات دے دی تو ہم ضرور بالضرور شکر گزار لوگوں میں شامل ہو جائیں گے، لیکن جب اللہ اُن کو نجات دے دیتا ہے تو زیادہ دیر نہیں گذرتی کہ وہ زمین میں ناحق سرکشی کرتے لگتے ہیں۔

نفاق پیدا ہونے کا خطرہ

اسی طرح جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ یا اللہ! فلاں چیز مجھے دے دے یا میرا فلاں کام ہو جائے تو ان شاء اللہ میں پکا مسلمان بن جاؤں گا۔ اب بالکل آپ کے حکم کے مطابق چلوں گا وغیرہ وغیرہ۔ یہ وعدہ کرلیا تو باری تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جب ہم اُن کو مصیبت سے نکال دیتے ہیں تو پھر وہ منہ موڑ لیتے ہیں۔ اس کے بارے میں قرآنِ کریم کہتا کہ

فَاَعْقَبَهُمْ نِفَاقًا فِیْ قُلُوْبِهِمْ [1]

’’ایسے رویے کے بدلے (اللہ تعالیٰ) ان کے دلوں میں نفاق پیدا کر دیتا ہے۔‘‘

(۱) سورۃ التوبۃ آیت (۷۷)۔

اس کے اوپر اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے یہ وبال آتا ہے کہ وہ نفاق میں مبتلا ہوجاتے ہیں۔

دلچسپی نہ لینے کی وجہ

اب دیکھو! ایک بات نوٹ کرو کہ اتنے دنوں سے یہاں پر الحمد للہ دین کی باتیں کی جاتی ہیں۔ الحمد للہ! لوگ توجہ، دلچسپی سے، غور سے اور اہتمام سے سن لیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کبھی عمل کی بھی توفیق دے دیں گے۔ اگر میں ذکر کی، خشوع کی کوئی بات کررہا ہوتا تو شاید توجہ زیادہ ہوتی! اور آج یہ موضوع چھیڑ دیا تو دیکھو کہ یہاں سے آدھے آدمی غائب ہوگئے۔ کیوں؟ اس لیے کہ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ فضول بات ہورہی ہے، یہ دین کی بات تو ہونہیں رہی۔ کوئی اگر نماز روزہ کی بات ہوتی، کوئی اللہ کے ذکر کی بات ہوتی، کوئی دعوت کی بات ہوتی تو اُس کی اہمیت بھی ہوتی۔ اب تو یہ دنیا داری کی، پاسپورٹ کی، ویزہ کی، شہریت کی اور عیشنلٹی کی بات ہورہی ہے۔ لہٰذا اس کو سننے کا کیا فائدہ ہے؟ اس لیے اس کے اندر کوئی خاص دلچسپی محسوس نہیں ہورہی ہے۔ کیونکہ یہ دین سے خارج بات ہو رہی ہے۔ یہ دنیا داری کی باتیں ہورہی ہیں۔ لہٰذا اس کی طرف کوئی خاص توجہ اور التفات نہیں، دلچسپی کا مظاہرہ ہی نہیں۔ بس ہماری قوم کا یہ مزاج بن گیا ہے کہ دین بس عبادت کی حد تک محدود ہے۔

معاشرتی احکام کی طرف دھیان نہیں

معاشرتی زندگی میں، اخلاقی زندگی میں، معاملات کی زندگی میں اللہ تبارک

و تعالیٰ کے کیا احکام ہیں؟ نبی کریم سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کیا چاہتے ہیں؟ اس کی طرف دھیان ہی نہیں۔ ہمارے دلوں میں اللہ تعالیٰ یہ فکر پیدا فرمادیں تو شاید ہمارے اوپر چاروں طرف سے عذاب آیا ہوا ہے وہ ہٹ جائے۔ یہ غیر مسلموں کی طرف سے ہماری پٹائی ہورہی ہے، وہ ہمارے اوپر چھائے ہوئے ہیں، وہ ہمارے حکمران بنے ہوئے ہیں، وہ ہمارے معاملات کے فیصلے کررہے ہیں۔ ہماری کمان اور لگام ان کے ہاتھوں میں آئی ہوئی ہے۔ آخر کیوں؟

باطل میں ابھرنے کی طاقت نہیں

ہمارے حضرت والدِ ماجد رحمۃ اللہ علیہ ایک بڑی قیمتی بات ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ دیکھو! باطل میں ابھرنے کی طاقت نہیں ہے۔ باطل مٹنے کے لیے آیا ہے:

اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا(۱)

اور یقیناً باطل ایسی ہی چیز ہے جو مٹنے والی ہے۔

اگر کسی باطل قوم کو دیکھو کہ وہ ابھر رہی ہے تو سمجھ لو کہ کوئی حق چیز اُس کے ساتھ لگی ہے جس نے اُس کو ابھارا، ورنہ باطل کے اندر تو ابھرنے کی طاقت ہی نہیں تھی۔ یعنی اگر کوئی قوم ترقی کررہی ہے، اس کو فتوحات حاصل ہورہی ہیں، اس کو کامیابیاں مل رہی ہیں تو سمجھ لو کہ کوئی حق چیز اُس کے ساتھ ہوگئی ہے جس نے اُس کو ابھارا، ورنہ باطل کے اندر یہ طاقت ہے ہی نہیں کہ وہ ابھرے اور حق ابھرنے کے لیے آیا ہے، نیچے جانے کے لیے نہیں آیا۔

---

(۱) سورۃ الاسراء آیت (۸۱)۔

ہم کیوں ناکام ہیں؟

اگر کسی قوم کو دیکھو کہ وہ نیچے جارہی ہے تو سمجھ لو کہ باطل چیز اُس کے ساتھ لگی ہے جس نے اُس کو گرایا ورنہ حق کے اندر گرنے کی طاقت نہیں۔ اس دنیا میں عمل اور ردعمل کا قانون جاری ہے۔ دنیا کے اندر جیسا عمل کرو گے ویسا نتیجہ ملے گا۔ اس میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہی قاعدہ رکھا ہے۔ مسلمان ہو یا غیر مسلم ہو، جتنی محنت وہ کرے گا اُس کا پھل اس دنیا کے اندر پائے گا اور جو محنت سے کترائے گا وہ دنیا کے اندر ناکام ہوجائے گا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس دنیا کے لیے یہ ایک قانون بنایا ہے۔ تو جن لوگوں نے محنت کی ہے، جانفشانی کی ہے اور اپنی تجارتوں میں امانت اور دیانت کا راستہ اختیار کیا ہے، سچائی کا راستہ اختیار کیا ہے تو دنیا میں اللہ تعالیٰ نے اُن کو عزت اور سربلندی عطا فرمائی۔ تو جس نے اُن کو ابھارا وہ اُن کا کفر نہیں، ان کے شرک نے نہیں، ان کی بداعمالیوں نے نہیں، ان کی فحاشی اور عریانی نے نہیں۔ بلکہ انہوں نے چند ایسے اوصاف اختیار کرلیے جو حق تھے، اُس نے اُن کو ابھارا۔

کس کس نے عہد کیا ہے؟

تو بھائیو! یہ جو آج ہماری چاروں طرف سے پٹائی ہورہی ہے، وہ درحقیقت اس وجہ سے ہورہی ہے کہ نبی کریم سرورِ دو عالم ﷺ کے جو احکام ہیں اُن کو ہم بھلائے بیٹھے ہیں اور اُن کے مطابق عمل کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں اور اس کے لیے اپنے آپ کو تیار نہیں کرتے۔ اس طرف بھی توجہ دینے کی ضرورت ہے۔ ہر شخص اپنی اصلاح کی فکر کرے اور اپنے ہر قول وفعل میں اور

اپنی زندگی میں یہ دیکھے کہ میں کہاں کہاں نبی کریم سرورِ دو عالم ﷺ کی سنت اور سیرت کے خلاف کر رہا ہوں، آپ کے احکام کے خلاف کر رہا ہوں؟ اُن میں ایک پہلو یہ بھی ہے کہ کہاں کہاں اور کس کس سے میں نے عہد کر رکھا ہے! وہ عہد زبانی بھی ہوسکتا ہے اور عملی بھی ہوسکتا ہے۔ یعنی عمل سے عہد کیا ہو۔ اس کی خلاف ورزی بھی ناجائز ہوتی ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ سے سبق

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے نبی بننے سے پہلے ایک قبطی کو مکا مارا تو وہ مرگیا۔ آخر وہ کافر تھا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قبطی قوم سے کوئی ویسا بظاہر معاہدہ بھی نہیں تھا، لیکن مفسرین [۱] نے لکھا کہ چونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قبطی لوگوں سے ایک قسم کا عملی معاہدہ تھا۔ اس لیے بظاہر اس کو قتل کرنا ناجائز تھا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اس قتل پر استغفار کیا کرتے تھے اور فرماتے تھے

وَلَهُمْ عَلَيَّ ذَنْبٌ [۲]

اور میرے خلاف ان لوگوں نے ایک جرم بھی عائد کر رکھا ہے۔

یعنی میرے اوپر ان کا ایک گناہ ہے اور میں نے ان کا ایک جرم کیا ہے۔ حالانکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ قتل جان بوجھ کر نہیں کیا تھا، بلکہ ایک مظلوم کی مدد

(۱) ملاحظہ ہو آسان ترجمہ قرآن ص ۷۵۶
(۲) سورۃ الشعراء آیت (۱۴)۔

فرمائی تھی اور یہ اندازہ نہیں تھا کہ ایک مکا مارنے سے وہ مر جائے گا۔ اس لیے یہ حقیقتاً گناہ نہیں تھا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی عصمت کے منافی بھی نہیں تھا، لیکن چونکہ صورت گناہ کی سی تھی، اس لیے آپ نے اُسے گناہ سے تعبیر فرمایا۔ اس لیے اگر کسی سے عملی معاہدہ کر رکھا ہو یا زبانی معاہدہ ہو تو اُس کو اپنی حد تک پورا کرنا ہماری اصلاح کا ایک اہم باب ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ ہمیں اپنے فضل سے اور اپنی رحمت سے اس کو سمجھنے کی اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین

موجودہ حالات میں اصلاحِ معاشرہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

موجودہ حالات میں اصلاح معاشرہ[1]

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ، وَاَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَنَبِيَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا كَثِيْرًا۔ اَمَّا بَعْدُ!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ ۚ لَا يَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ

(۱) یہ بیان حضرت والا دامت برکاتہم نے مجلس صیانۃ المسلمین کے ساتویں سالانہ اجتماع ۲۳ ذی الحجہ ۱۴۳۰ھ ۱۱ دسمبر ۲۰۰۹ء کے موقع پر فرمایا۔ جو اس وقت حق نوائے احتشام ربیع الاول ۱۴۳۰ مارچ ۲۰۱۰ کے شمارہ میں شائع ہوا تھا۔ از مرتب عفی عنہ۔

إِذَا اهْتَدَيْتُمْ ۚ إِلَى اللَّهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيعًا (۱)

آمنت بالله صدق الله مولانا العظيم، وصدق رسوله النبي الكريم، ونحن على ذالك من الشاهدين والشاكرين، والحمد لله رب العالمين۔

تمہید

بزرگانِ محترم اور برادرانِ عزیز! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ آج میری حاضری میرے لیے دو بڑی سعادتوں پر مشتمل ہے۔ پہلی سعادت تو یہ ہے کہ آج اس اجتماع سے مجلس صیانۃ المسلمین کے سہ روزہ اجلاس کا آغاز ہو رہا ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس کے افتتاحی اجلاس میں شرکت کی سعادت بخشی جس پر میں اللہ تعالیٰ کا جتنا شکر ادا کروں کم ہے۔

مجلس صیانۃ المسلمین کا مقصد

مجلس صیانۃ المسلمین اس دور کے مجدد، مجددِ اعظم حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس اللہ تعالیٰ سرہ کا لگایا ہوا ایک پودا ہے اور اس کا مقصد درحقیقت امتِ مسلمہ کو صحیح راستے پر ڈالنا، ان میں دین کی صحیح سمجھ پیدا کرنا اور اس پر عمل کرنے کے طریقے پر ابھارنا تھا جو اس مجلس کے پیش نظر رہا۔ حضرت حکیم الامت قدس اللہ تعالیٰ سرہ نے اس مجلس صیانۃ المسلمین کے اغراض ومقاصد اور اس کے طریقۂ کار کے بارے میں ایک مفصل ہدایت نامہ تحریر فرمایا تھا اور

(۱) سورۃ المائدۃ آیت (۱۰۵)۔

حقیقت یہ ہے کہ اگر ہم لوگ اس ہدایت نامے پر ٹھیک عمل کرتے اور اسے اس طریقے پر چلاتے جس طرح حضرت والا نے اسے تجویز کیا تھا تو یہ امت کے اندر ایک انقلابی اصلاح کا پروگرام تھا۔

حضرت کے بعد حضرت کے خلفاء نے اپنی اپنی جگہ پر الحمد للہ اصلاحِ خلق کا کام جاری رکھا اور اس سے الحمد للہ بڑا عظیم نفع پہنچا۔ وہ بھی درحقیقت صیانۃ المسلمین کے مقاصد ہی کا ایک حصہ تھا، مجلس کو بحیثیت ایک جماعت باقی رکھنے کا سہرا درحقیقت ہمارے بزرگ بھائی حضرت مولانا وکیل احمد شیروانی مدظلہم العالی کے سر ہے کہ جب لوگ اس مجلس کا نام بھی بھلا چکے تھے، اس وقت بھی اللہ تبارک وتعالی نے ان کو اس بات کی توفیق بخشی کہ یہ اس جھنڈے کو سنبھالے رہیں۔ اللہ تبارک وتعالی ان کی عمر میں، ان کے علم میں، ان کے عمل میں اور ان کی نافعیت میں برکت عطا فرمائے۔ الحمد للہ اب یہ کام پاکستان کے مختلف شہروں میں اللہ تعالی کے فضل وکرم سے پھیل رہا ہے اور یہاں کراچی میں اللہ تعالی کے فضل وکرم سے اسی مسجد میں کئی اجتماعات صیانۃ المسلمین کے منعقد ہو چکے ہیں۔

پہلی سعادت

تو الحمد للہ پہلی سعادت تو یہ ہے کہ اس عظیم مجلس کے افتتاحی اجلاس میں اللہ تبارک وتعالی نے شرکت کی سعادت عطا فرمائی جس کی بنیاد حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس اللہ تعالی سرہ نے رکھی تھی اور یہ کام ایسا ہے کہ مجھے یاد آتا ہے کہ میرے شیخ مکرم مسیح الامت حضرت مولانا مسیح اللہ خاں صاحب قدس اللہ تعالی سرہ، ان کا ایک جملہ یاد آتا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت

مولانا وکیل احمد صاحب دامت برکاتہم نے لاہور میں مجلس صیانۃ المسلمین کا اجلاس بلایا اور ہر سال بلایا کرتے ہیں، تو اس میں حضرت مولانا مسیح اللہ خان صاحب قدس اللہ تعالیٰ سرہ کو بھی دعوت دی جو حکیم الامت قدس اللہ تعالیٰ سرہ کے اجل خلفاء میں سے تھے، وہ اس وقت علیل تھے اور ضعف وکمزوری کا عالم تھا، لیکن حضرت تشریف لائے تو کسی نے کہا کہ حضرت اس علالت کی حالت میں بھی آپ نے اس سفر کی زحمت گوارا فرمائی تو جواب میں فرمایا کہ بھائی یہ "مجلس صیانۃ المسلمین" میرے شیخ حضرت حکیم الامت قدس اللہ تعالیٰ سرہ کا لگایا ہوا پودا ہے، اس کے لیے میں کیسے نہ آتا؟ کیسے معذرت کرتا؟ اور یہ فرمایا کہ سر کے بل بھی آنا پڑتا تو آتا۔ تو میرے شیخ قدس اللہ تعالیٰ سرہ نے جس کام کے لئے فرمایا تھا کہ سر کے بل بھی آنا پڑتا تو آتا، اس میں اللہ تعالیٰ نے شرکت کی سعادت بخشی۔ میں اللہ تعالیٰ کا اس پر شکر ادا کرتا ہوں۔

دوسری سعادت

دوسری سعادت یہ ہے کہ اس مجلس کے اس اجلاس اور اجتماع کا انعقاد ایک ایسی جگہ پر ہو رہا ہے، یعنی جامع مسجد جیکب لائن میں جو حضرت مولانا احتشام الحق تھانوی قدس اللہ تعالیٰ سرہ کا مرکز فیض رہی ہے اور یہ وہ مسجد ہے کہ جس میں مجھے یاد آتا ہے کہ میرے بچپن کا ایک معتدبہ اور قابلِ ذکر حصہ اسی مسجد کی آغوش میں گزرا ہے اور بچپن کی ابتدائی پڑھائی بھی یہیں سے شروع ہوئی۔ اس دور میں جب یہاں حضرت مولانا بدر عالم صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت قاری وقاء اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا احتشام الحق تھانوی رحمۃ اللہ علیہ جیسے حضرات یہاں پر اپنا فیض

جاری کئے ہوئے تھے۔ تو بچپن میں ابتدائی فارسی کی تعلیم بھی میں نے اسی مسجد میں حاصل کی، اگرچہ اس مسجد کا نقشہ اس وقت بالکل کچھ اور تھا اس نقشے کے مقابلے میں جو آج آپ کو نظر آرہا ہے۔ تو الحمد للہ یہ دونوں سعادتیں اللہ تبارک وتعالیٰ نے عطا فرمائیں اور میں اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہوں۔

پیار بھرا خطاب

مجھ سے فرمائش کی گئی تھی کہ میں کچھ گزارشات آپ حضرات کی خدمت میں عرض کروں تو اس کے لئے میں نے ابھی آپ کے سامنے قرآنِ کریم کی ایک آیت تلاوت کی ہے اور یوں تو قرآنِ کریم کی ہر آیت ہی عظیم ہے، عظیم ہدایتوں پر مشتمل ہے، لیکن موجودہ حالات میں یہ آیتِ کریمہ ہر مسلمان کو ایک بہت بڑا عظیم سبق دے رہی ہے اور ایسا سبق جو ہر انسان کے کام کا ہے۔

وہ سورۃ المائدہ کی یہ آیتِ کریمہ ''یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا عَلَیْكُمْ اَنْفُسَكُمْ'' ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآنِ کریم میں بہت سے مقامات پر مسلمانوں کو خطاب کیا ہے ''یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا'' کہہ کر۔ عجیب پیارا اور محبوبانہ اندازِ خطاب ہے۔ ''یایها المسلمون'' بھی کہہ سکتے تھے، ''یایها المومنون'' بھی فرماسکتے تھے، لیکن ''یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا'' کہہ کر کئی جگہ قرآنِ کریم میں مسلمانوں کو خطاب ان الفاظ کے ساتھ کیا ہے۔ یہ بڑا محبوبانہ اندازِ خطاب ہے اور اس کو کچھ اس طرح سمجھئے کہ جیسے کوئی شخص اپنی اولاد کو اس کا نام لے کر پکارے، مثلاً کسی کا نام اگر محمد تقی ہے تو محمد تقی کہہ کر پکارے، لیکن ایک طریقہ یہ ہے کہ نام لینے کے بجائے اس کو بیٹا کہہ کر پکارے۔ باپ اپنی اولاد کو نام لیے بغیر بیٹا

کہہ کر پکارے، تو بیٹا کہنے میں جو لطف ہے، جو پیار ہے، جو محبوبیت ہے، وہ نام لے کر پکارنے میں نہیں ہے۔

علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ

اور مجھے یاد آتا ہے کہ میری دادی صاحبہ، وہ حضرت شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کی ممانی ہوتی تھیں۔ وہ ان کو ممانی کہا کرتے تھے تو اسی زمانے میں جبکہ پاکستان نیا نیا بنا تھا، تو میرے والدِ ماجد قدس اللہ تعالیٰ سرہ اپنی والدہ کے ساتھ یعنی ہماری دادی کے ساتھ یہاں کچھ فاصلے پر جو عبد اللہ ہارون روڈ ہے، وہاں کے ایک فلیٹ میں مقیم تھے۔ وہ تین منزلہ فلیٹ تھا، لفٹوں کا زمانہ نہیں تھا، زینے سے چڑھ کر جانا پڑتا تھا۔ تو حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ یہاں جمشید روڈ کے ایک مکان میں رہا کرتے تھے، تو وہ ہمارے ہاں تشریف لاتے تھے، حالانکہ عمر بھی بڑی ہو چکی تھی اور ضعف بھی تھا، لیکن تین منزل چڑھ کر، تین زینے طے کر کے اوپر گھر میں تشریف لایا کرتے تھے اور آ کر ہماری دادی صاحبہ کو سلام کرتے تھے، ایک مرتبہ فرمانے لگے کہ میں تو صرف اس لئے آتا ہوں کہ اس پوری روئے زمین پر مجھے بیٹا کہہ کر پکارنے والا ان کے سوا کوئی اور نہیں ہے اور کہیں جاتا ہوں تو کوئی علامہ کہتا ہے، کوئی شیخ الاسلام کہتا ہے، کوئی مولانا کہتا ہے، کوئی محدث کہتا ہے، کوئی مفسر کہتا ہے۔ بڑے بڑے القاب اور آداب سے مجھے لوگ یاد کرتے ہیں لیکن ''بیٹا'' کہہ کر پکارنے والا اس روئے زمین پر اس خاتون کے سوا کوئی اور نہیں ہے۔ اس ''بیٹا'' کا لفظ سننے سے جو مزہ آتا ہے وہ مزہ لینے میں ان کی خدمت میں حاضر ہوتا ہوں۔ تو جب ہمارے والدین

زندہ ہوتے ہیں اور والدین ہمیں بیٹا کہہ کر پکارتے ہیں تو ہمیں دھیان بھی نہیں ہوتا کہ کس پیار اور کس محبت کا اظہار کیا جا رہا ہے۔ جب یہ نعمت چھن جاتی ہے اس وقت قدر معلوم ہوتی ہے کہ کاش مجھے کوئی بیٹا کہہ کر پکارنے والا ہو۔

اپنی خبر لو

تو اللہ تبارک وتعالیٰ جب مسلمانوں کو خطاب کرتے ہیں تو نام لینے کے بجائے ''یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ''(اے وہ لوگو! جو ایمان لائے۔) کہہ کر خطاب فرماتے ہیں۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی باپ اپنی اولاد کو بیٹا کہہ کہ پکار دے۔ تو اللہ تبارک وتعالیٰ اس اندازِ خطاب کے ساتھ جو بات فرماتے ہیں وہ اس بات کی دلیل ہوتی ہے کہ بعد میں جو بات کہی جارہی ہے وہ بڑی محبت سے کہی جارہی ہے، بڑے پیار سے کہی جارہی ہے،توجہ کے ساتھ سننے کی ضرورت ہے۔ یہ کہہ کر فرماتے ہیں کہ'' یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ''۔ چنانچہ فرمایا کہ '' یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا عَلَیْکُمْ اَنْفُسَکُمْ '' ہدایت یہ دی، اے ایمان والو! اپنی خبر لو، اپنی فکر کرو، یعنی اپنے آپ کو درست کرنے کی فکر کرو، اپنی اصلاح کی فکر کرو''لَا یَضُرُّکُمْ مَّنْ ضَلَّ '' اگر تم راہِ راست پر آگئے تو جو لوگ گمراہی میں پڑے ہوئے ہیں وہ تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے۔

''لَا یَضُرُّکُمْ مَّنْ ضَلَّ '' تمہیں نقصان نہیں پہنچاسکتے وہ لوگ جو گمراہی میں پڑ گئے ہیں۔''اِذَا اھْتَدَیْتُمْ '' اگر تم خود راہِ راست پر آجاؤ۔ اور پھر فرمایا ''اِلَی اللّٰہِ مَرْجِعُکُمْ جَمِیْعًا'' تم سب کو ایک دن اللہ کے پاس لوٹ کر جانا ہے۔ ''فَیُنَبِّئُکُمْ بِمَا کُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ '' اور اس وقت اللہ تبارک وتعالیٰ تمہیں بتائے

گا کہ تم زندگی میں کیا کچھ کرتے رہے۔ یہ ہے ترجمہ آیت کا۔

فتنوں کے دور میں

اس وقت یہ آیت میں نے اس لئے تلاوت کی اور اس کو اپنی گزارشات کے لئے منتخب کیا کہ آج ہم جس دور سے گزر رہے ہیں جسے ہر شخص فتنوں کا دور کہتا ہے اور واقعتاً فتنوں کا دور ہے، ایک ایسا زمانہ ہے جس میں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ فتنے بارش کے قطروں کی طرح گر رہے ہیں۔ رسول کریم سرور دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا کہ

"تقع الفتن فی بیوتکم کوقع المطر"(۱)

تمہارے گھروں میں فتنے آکر اس طرح گریں گے جیسے بارش کے قطرے گرتے ہیں۔

ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔ ہر صبح ایک نئے فتنے کا پیام لے کر آتی ہے، ہر شام ایک نئی دشواری کا سامنا ہوتا ہے، فتنے امڈ رہے ہیں۔ دوسری طرف بے دینی کا سیلاب ساری دنیا میں پھیلا ہوا ہے اور فسق و فجور کے دروازے کھلے ہوئے ہیں۔ دین پر عمل کرنے والوں کے لئے قدم قدم پر رکاوٹیں ہیں، راستے بند نظر آتے ہیں اور معاشرے کا حال یہ ہے کہ خدا بیزاری میں مبتلا ہے، غفلت کے عالم میں دنیا طلبی کی طرف مسلسل دوڑا جا رہا ہے، عریانی اور فحاشی کا بازار گرم ہے، بے حیائی اپنی انتہاء کو پہنچ گئی ہے، اخلاق تباہ ہو چکے ہیں، رشوت کو شیر مادر

---

(۱) ماخوذ از صحیح البخاری ۲۱/۳ (۱۸۷۸) وصحیح مسلم ۲۲۱۱/٤ (۲۸۸۵)۔

سمجھ لیا گیا ہے اور حلال وحرام کی فکر اٹھ گئی ہے۔

محض تبصروں سے اصلاح نہیں ہوتی

یہ سارے حالات ہمارے سامنے موجود ہیں اور بکثرت ایسا ہوتا ہے کہ ہم لوگ جب بیٹھتے ہیں تو ان حالات کا تذکرہ کرتے رہتے ہیں، شاید کوئی مجلس ہی خالی ہوتی ہوگی اس بات سے جس میں زمانہ اور اہلِ زمانہ کی برائیوں کا ذکر نہ کیا جائے۔ فتنے امڈ رہے ہیں، فسق وفجور کا بازار گرم ہے، لوگ رشوت لینے دینے لگے ہیں، کرپشن پھیل رہی ہے، ہر وقت ہر لمحے اس ذکر سے ہماری محفلیں آباد رہتی ہیں۔سوال یہ ہے کہ کیا ان تذکروں اور تبصروں سے فتنے مٹ جائیں گے؟ کیا ان تذکروں اور تبصروں سے حالات کی اصلاح ہوجائے گی؟ کیا یہ جو ہم گھنٹے گزار دیتے ہیں ان تذکروں اور تبصروں میں اس کے نتیجے میں کسی ایک آدمی کے حالات میں کوئی تبدیلی آتی ہے؟ عجیب معاملہ ہے کہ محفل میں بیٹھ کر رشوت کو برا کہنے والے، محفل میں بیٹھ کر سود کی حرمت بیان کرنے والے یہ سارے کے سارے جب میدانِ عمل میں پہنچتے ہیں تو وہ اپنی ساری گفتگو بھول جاتے ہیں اور پھر وہی کام شروع کردیتے ہیں۔

فتنوں کے وقت کیا کرنا چاہیے

تو یہاں اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس آیتِ کریمہ میں یہ بتایا کہ جب یہ فتنوں کا بازار گرم ہوجائے، لوگ گمراہی کے راستے پر پڑجائیں، اعمال اور اخلاق تباہ ہوجائیں اور بے دینی کا سیلاب امڈ آئے تو کیا کرو؟ بس ایک کام کرو

"عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ" اپنی خبر لو، دوسرے کیا کر رہے ہیں، دوسروں کی برائی کا تذکرہ کرنے کے بجائے خود اپنی فکر کرو، تمہارے اندر کیا خامی ہے؟ تمہارے اندر کیا کمزوری ہے؟ تمہارے اندر کیا نقص ہے؟ تمہارے اعمال میں کیا کمی ہے؟ تمہارے اخلاق میں کیا کمزوری ہے؟ اس پر دھیان دو اور اس کو درست کرنے کی فکر کرو، لوگوں کو بھول جاؤ کہ لوگ کیا کر رہے ہیں۔ کیوں؟ اس لئے کہ اگر تم لوگوں کے اوپر یہ تبصرے کرتے رہے تو اس سے نہ تمہیں کوئی فائدہ پہنچے گا اور نہ ان کو فائدہ پہنچے گا، بلکہ بسا اوقات جب اس قسم کے تذکرے ہوتے ہیں تو اس کے نتیجے میں انسان خود غلط فہمی میں مبتلا ہوجاتا ہے۔ اس طرح بحث کرتا ہے، اس طرح تبصرہ کرتا ہے جیسے وہ تو بالکل پاک صاف ہے، ستھرا ہے، اس میں کوئی کمی نہیں ہے، اس میں کوئی عیب نہیں، جو کچھ خرابی ہے وہ لوگوں میں ہے۔ جب یہ خیال پیدا ہوجائے کہ میں تو ٹھیک ہوں، ساری قوم تباہ ہوگئی ہے، یہ وہ مرحلہ ہے جہاں انسان خوش فہمی اور غلط فہمی کے نتیجے میں خود تباہ و برباد ہوجاتا ہے۔

سب سے زیادہ تباہ حال شخص

ایک حدیث میں نبی کریم سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اور کیا عجیب ارشاد فرمایا کہ

"من قال هلك الناس فهو أهلكم"(۱)

(۱) رواہ مسلم فی صحیحہ ۳۶/۸ (۲۶۲۳) عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ ﷺ قال اذا قال الرجل هلك الناس فهو اهلكهم.

گا کہ تم زندگی میں کیا کچھ کرتے رہے۔ یہ ہے ترجمہ آیت کا۔

فتنوں کے دور میں

اس وقت یہ آیت میں نے اس لئے تلاوت کی اور اس کو اپنی گزارشات کے لئے منتخب کیا کہ آج ہم جس دور سے گزر رہے ہیں جسے ہر شخص فتنوں کا دور کہتا ہے اور واقعتاً فتنوں کا دور ہے، ایک ایسا زمانہ ہے جس میں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ فتنے بارش کے قطروں کی طرح گر رہے ہیں۔ رسول کریم سرور دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا کہ

"تقع الفتن فی بیوتکم کوقع المطر"(۱)

تمہارے گھروں میں فتنے آکر اس طرح گریں گے
جیسے بارش کے قطرے گرتے ہیں۔

ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔ ہر صبح ایک نئے فتنے کا پیام لے کر آتی ہے، ہر شام ایک نئی دشواری کا سامنا ہوتا ہے، فتنے اُمڈ رہے ہیں۔ دوسری طرف بے دینی کا سیلاب ساری دنیا میں پھیلا ہوا ہے اور فسق وفجور کے دروازے کھلے ہوئے ہیں۔ دین پر عمل کرنے والوں کے لئے قدم قدم پر رکاوٹیں ہیں، راستے بند نظر آتے ہیں اور معاشرے کا حال یہ ہے کہ خدا بیزاری میں مبتلا ہے، غفلت کے عالم میں دنیا طلبی کی طرف مسلسل دوڑا جارہا ہے، عریانی اور فحاشی کا بازار گرم ہے، بے حیائی اپنی انتہاء کو پہنچ گئی ہے، اخلاق تباہ ہوچکے ہیں، رشوت کو شیر مادر

(۱) ماخوذ از صحیح البخاری ۲۱/۳ (۱۸۷۸) وصحیح مسلم ۲۲۱۱/٤ (۲۸۸۵)۔

سمجھ لیا گیا ہے اور حلال و حرام کی فکر اٹھ گئی ہے۔

محض تبصروں سے اصلاح نہیں ہوتی

یہ سارے حالات ہمارے سامنے موجود ہیں اور بکثرت ایسا ہوتا ہے کہ ہم لوگ جب بیٹھتے ہیں تو ان حالات کا تذکرہ کرتے رہتے ہیں، شاید کوئی مجلس ہی خالی ہوتی ہوگی اس بات سے جس میں زمانہ اور اہلِ زمانہ کی برائیوں کا ذکر نہ کیا جائے۔ فتنے امڈ رہے ہیں، فسق و فجور کا بازار گرم ہے، لوگ رشوت لینے دینے لگے ہیں، کرپشن پھیل رہی ہے، ہروقت ہر لمحے اس ذکر سے ہماری محفلیں آباد رہتی ہیں۔ سوال یہ ہے کہ کیا ان تذکروں اور تبصروں سے فتنے مٹ جائیں گے؟ کیا ان تذکروں اور تبصروں سے حالات کی اصلاح ہو جائے گی؟ کیا یہ جو ہم گھنٹے گزار دیتے ہیں ان تذکروں اور تبصروں میں اس کے نتیجے میں کسی ایک آدمی کے حالات میں کوئی تبدیلی آتی ہے؟ عجیب معاملہ ہے کہ محفل میں بیٹھ کر رشوت کو برا کہنے والے، محفل میں بیٹھ کر سود کی حرمت بیان کرنے والے یہ سارے کے سارے جب میدانِ عمل میں پہنچتے ہیں تو وہ اپنی ساری گفتگو بھول جاتے ہیں اور پھر وہی کام شروع کر دیتے ہیں۔

فتنوں کے وقت کیا کرنا چاہیے

تو یہاں اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں یہ بتایا کہ جب یہ فتنوں کا بازار گرم ہو جائے، لوگ گمراہی کے راستے پر پڑ جائیں، اعمال اور اخلاق تباہ ہو جائیں اور بے دینی کا سیلاب امڈ آئے تو کیا کرو؟ بس ایک کام کرو

"عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ" اپنی خبر لو، دوسرے کیا کر رہے ہیں، دوسروں کی برائی کا تذکرہ کرنے کے بجائے خود اپنی فکر کرو، تمہارے اندر کیا خامی ہے؟ تمہارے اندر کیا کمزوری ہے؟ تمہارے اندر کیا نقص ہے؟ تمہارے اعمال میں کیا کمی ہے؟ تمہارے اخلاق میں کیا کمزوری ہے؟ اس پر دھیان دو اور اس کو درست کرنے کی فکر کرو، لوگوں کو بھول جاؤ کہ لوگ کیا کر رہے ہیں۔ کیوں؟ اس لئے کہ اگر تم لوگوں کے اوپر یہ تبصرے کرتے رہے تو اس سے نہ تمہیں کوئی فائدہ پہنچے گا اور نہ ان کو فائدہ پہنچے گا، بلکہ بسا اوقات جب اس قسم کے تذکرے ہوتے ہیں تو اس کے نتیجے میں انسان خود غلط فہمی میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ اس طرح بحث کرتا ہے، اس طرح تبصرہ کرتا ہے جیسے وہ تو بالکل پاک صاف ہے، ستھرا ہے، اس میں کوئی کمی نہیں ہے، اس میں کوئی عیب نہیں، جو کچھ خرابی ہے وہ لوگوں میں ہے۔ جب یہ خیال پیدا ہو جائے کہ میں تو ٹھیک ہوں، ساری قوم تباہ ہوگئی ہے، یہ وہ مرحلہ ہے جہاں انسان خوش فہمی اور غلط فہمی کے نتیجے میں خود تباہ و برباد ہو جاتا ہے۔

سب سے زیادہ تباہ حال شخص

ایک حدیث میں نبی کریم سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اور کیا عجیب ارشاد فرمایا کہ

"من قال هلك الناس فهو أهلكم"(۱)

(۱) رواه مسلم فی صحیحه ۳۶/۸ (۲۶۲۳) عن ابی هريرة رضي الله عنه ان رسول الله ﷺ قال اذا قال الرجل هلك الناس فهو اهلكهم.

جو شخص یہ کہے کہ سارے لوگ تباہ ہو گئے ہیں۔

یعنی اخلاقی طور پر، اعمال کے اعتبار سے وہ شخص تباہ ہو گیا ہے، جو دوسرے لوگوں کے بارے میں یہ کہیں کہ وہ تباہ ہو گئے، سب سے زیادہ تباہ وہ شخص خود ہے، وہ شخص خود سب سے زیادہ تباہ ہے، جو اوروں کے عیوب تو دیکھ رہا ہے لیکن اپنے عیوب سے بے خبر ہے، اپنی خرابیوں کو درست کرنے کی فکر سے محروم ہے اور دوسروں کے اوپر تنقید کر رہا ہے۔ یہ ایک عجیب نسخۂ اصلاح ہے جو اللہ تبارک وتعالی نے اس آیتِ مبارکہ میں تجویز فرمایا اور اسی کا ایک مفہوم رسولِ کریم سرورِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث میں بھی ہے۔

چار باتیں تباہی کی علامت ہیں

وہ حدیث ایسا لگتا ہے جیسے آج کے حالات کو سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے آنکھوں سے دیکھ کر ارشاد فرمائی ہے، فرمایا کہ جب تم دیکھو کہ لوگوں کے اندر یہ چار باتیں پیدا ہو گئی ہیں، (کیا باتیں؟) فرمایا:

"اذارایت شحامطاعا"(۱)

جب تم دیکھو کہ مال کی محبت لوگوں کے دلوں میں اتنی سرایت کر گئی ہے کہ وہ ہر کام اس مال کی محبت کے تقاضے سے کرتے ہیں، مال کی محبت کی اطاعت کرتے ہیں، یعنی مال کی محبت کے نتیجے میں جو بھی کام کرنا پڑے وہ کر

(۱) سنن ابی داود ۱۲۳/۴ (۴۳۴۱) وسنن الترمذی ۱۴۷/۵ (۳۰۵۸) وقال ہذا حدیث حسن غریب۔

گرزتے ہیں۔ حلال وحرام کی فکر نہیں۔اللہ بچائے۔اللہ محفوظ رکھے کہ حلال حرام کی فکر نہ رہے۔

مال کی محبت کا واقعہ

میں محض بطور مثال کے عرض کرتا ہوں کہ یہ جو پرائز بونڈ ہوتے ہیں، انعامی بونڈ اس کے اوپر جو انعام ملتا ہے وہ سود ہے، ناجائز اور حرام ہے، تو ایک صاحب تھے اللہ نے ان کو فکر عطا فرمائی تھی، ان کے پاس پرائز بونڈ تھا اور اس کے اوپر لاکھ ڈیڑھ لاکھ روپے کا انعام نکل آیا اور یہ اس زمانے کی بات ہے جب لاکھ روپیہ بہت بڑی چیز ہوا کرتی تھی۔تو وہ ایک محفل میں تذکرہ کر رہے تھے، مسئلہ پوچھ رہے تھے کہ میں کیا کروں اس کا؟ میں تو لینا نہیں چاہتا یہ ایک لاکھ روپیہ، تو ان کے منہ سے اتنی بات نکلی تھی کہ بھئی لاکھ روپے میرے پرائز بونڈ کے اوپر نکل آیا ہے اور یہ نجاست ہے، میں اس سے کس طرح بچوں سود کی نجاست سے، اتنی بات ان کے منہ سے نکلی تھی کہ ایک صاحب بیٹھے ہوئے تھے تو فوراً بولے کہ آپ نہیں لیتے تو مجھے دیدو۔ اتنے اشتیاق سے، اتنے شوق وذوق سے آگے بڑھ کر انہوں نے یہ پیشکش کی کہ مجھے دیدو، یعنی تم تو بے وقوف آدمی ہو، عقل ماری گئی ہے کہ ایک لاکھ روپے تمہیں مل رہا ہے مفت میں گھر بیٹھے اور تم اس کو ٹھکرا رہے ہو، میں تو عقل مند ہوں، مجھے دیدو، یہ فکر سر پر سوار ہے کہ ایک لاکھ روپیہ نظر آرہا ہے لیکن ایک لاکھ روپیہ وہ جہنم کے کون سے انگارے لے آئے گا؟ اس کی فکر نہیں، اس کا خیال نہیں۔

تو جب حلال وحرام کی فکر مٹ جائے، حرام کو شیرِ مادر سمجھ لیا جائے اور بس

مال کی محبت انسان کے اوپر اس طرح تسلط جمالے کہ ہر کام اسی جذبے سے کیا جارہا ہو، تو ایک علامت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بتائی "اذا رایت شحا مطاعا"۔

دوسری علامت

دوسری علامت، فرمایا "ہوی متبعا" کہ جب نفسانی خواہشات کی پیروی کی جارہی ہو، جو دل میں خواہش پیدا ہوئی بس لگے ہوئے ہیں کہ وہ خواہش پوری ہوجائے، کسی طرح پوری ہوجائے، شریعت کی خلاف ورزی کرکے ہوجائے، اخلاق کی تباہی کرکے ہوجائے، مگر میری وہ خواہش پوری ہوجائے، "ہوی متبعا" خواہشات کی پیروی کی جارہی ہے۔

تیسری علامت

اور فرمایا "والدنیا مؤثرة" اور جب دنیا کو آخرت پر ترجیح دی جانے لگے، یعنی دنیا کا فائدہ مل جائے، آخرت ملے یا نہ ملے۔ العیاذ باللہ۔ مرنے کا دھیان ہی نہیں، دنیا مل جائے، دنیا کو آخرت کے اوپر ترجیح دی جارہی ہو۔ یہ تیسری علامت ہے۔

چوتھی علامت

اور چوتھی علامت یہ کہ "واعجاب کل ذی رأی برأیه" ہر انسان اپنی رائے پر گھمنڈ میں مبتلا ہے۔ جو میں سمجھ رہا ہوں وہ ٹھیک ہے، جو دوسرا کہہ رہا ہے

وہ غلط ہے، کسی کی سننے کو تیار نہیں، اپنے دماغ میں جو بات آگئی، اپنے دل میں جو رائے قائم ہوگئی، اس کے بارے میں کوئی دوسری بات کسی کی سننے کو تیار نہیں، کوئی بڑے سے بڑا آدمی آجائے، کوئی بڑے سے بڑا عالم آجائے، بڑے سے بڑا شیخ آجائے، عقلمند آجائے لیکن میں اپنی بات سے پیچھے ہٹنے کو تیار نہیں۔ یہ صورتِ حال پیدا ہوگئی ہے۔

مستقل بالذات مستقل بدذات ہوجاتا ہے

حضرت حکیم الامت قدس اللہ تعالی سرہ فرمایا کرتے تھے کہ جو مستقل بالذات بنتا ہے وہ درحقیقت مستقل بدذات ہوجاتا ہے۔تو یہ خود رائی ہے کہ جو دماغ میں آرہا ہے وہ کرے۔ حضرت حکیم الامت قدس اللہ تعالی سرہ فرمایا کرتے تھے، اور یہ جملہ میں نے اپنے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ سے پتہ نہیں کتنی بار سنا، فرمایا کرتے تھے کہ ’’کبھی خود رائی سے کام نہ لو، جب کوئی مسئلہ پیش آئے، کوئی کشمکش ہوتو جب تک اپنے ضابطے کے بڑے موجود ہیں، ان سے مشورہ لو‘‘ اور فرمایا کہ ضابطے کے بڑے اس لئے کہہ رہا ہوں کہ حقیقت میں کون بڑا ہے کون چھوٹا ہے؟ یہ تو اللہ تعالی ہی بہتر جانیں، اللہ تعالی کے ہاں کون بڑا ہے؟ لیکن ضابطے میں باپ بیٹے سے بڑا ہے، استاد شاگرد سے بڑا ہے، شیخ مرید سے بڑا ہے، بڑا بھائی چھوٹے بھائی سے بڑا ہے، لہٰذا جو ضابطے کے بڑے ہیں جب تک وہ موجود ہیں ان سے مشورہ لو، ان سے مشورہ لے کر کام کرو، جب ضابطے کے بڑے نہ رہیں تو اپنے برابر کے لوگوں سے مشورہ لو، اپنے برابر کے لوگوں سے مشورہ لے کر کام کرو اور جب برابر کے لوگ بھی نہ رہیں تو چھوٹوں سے مشورہ

لو، چھوٹوں سے مشورہ لے کر کام کرو۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مشورہ پر عمل کرنا

کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھو، آپ سے بڑا کون ہوسکتا تھا، لیکن جب کوئی اہم مسئلہ ہوتا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جمع فرما کر ان سے مشورے لیتے، میدانِ احد میں جانے کا مشورہ لیا کہ آیا شہر میں رہ کر دشمن کا مقابلہ کیا جائے یا شہر سے باہر نکل کر دشمن کا مقابلہ کیا جائے؟ یہ مسئلہ درپیش تھا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جمع کیا۔ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذاتی رجحان یہ تھا کہ باہر نکل کر لڑائی نہ کی جائے بلکہ مدینہ منورہ میں رہ کر دشمن کا مقابلہ کیا جائے، لیکن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اکثریت نے یہ مشورہ دیا کہ نہیں، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جوش میں تھے، اس میں وہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی شامل تھے جو غزوہ بدر کے موقع پر کسی وجہ سے جہاد میں شریک نہیں ہوسکے تھے تو ان کے دل میں جوشِ جہاد تھا، شہادت کا شوق واشتیاق تھا، تو وہ چاہتے تھے کہ سامنے سامنے خم ٹھونک کر مقابلہ ہو اور ہم اپنی جاں نثاری کے جوہر دکھائیں۔ لہٰذا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی بڑی بھاری اکثریت نے یہ رائے دی کہ باہر نکل کر مقابلہ کرنا چاہیے۔ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذاتی رجحان یہ تھا کہ شہر میں رہ کر دفاع کریں باہر نہ نکلیں، لیکن چونکہ اکثر لوگ اس طرف جارہے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا احترام کرتے ہوئے فیصلہ یہی فرمایا کہ مدینے سے باہر جاکر لڑائی کی جائے گی[1]۔

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم مشورے فرمارہے ہیں اپنے چھوٹوں سے۔ وہ نبی (صلی اللہ علیہ وسلم)

(۱) المستدرك للحاكم ۱۴۱/۲ (۲۵۸۸) وقال ہذا حديث صحيح الاسناد ولم يخرجاه. ووافقه الذهبي في "التلخيص"۔

جن کے پاس وحی آتی ہے، جنہیں معصوم قرار دیا گیا ہے، وہ بھی چھوٹوں سے مشورہ لے رہے ہیں، تو معلوم ہوا کہ خود رائی بڑی زبردست بیماری ہے۔

جب یہ چار باتیں پیدا ہوجائیں تو اپنی فکر کرو

حضورِ اقدس سرورِ دو عالم ﷺ نے فرمایا کہ جب یہ بیماری پیدا ہوجائے کہ "واعجاب کل ذی رأی برأیه" ہر انسان اپنی رائے پر گھمنڈ میں مبتلا ہے، دوسرے کی بات سننے کو تیار نہیں، سمجھنے کو تیار نہیں ہیں، تو جب یہ چار چیزیں ہوجائیں: ۱۔ مال کی محبت انسان کا سب سے بڑا پیشوا بن جائے، ۲۔جب خواہشاتِ نفس کی پیروی کی جانے لگے، ۳۔دنیا کو آخرت پر ترجیح دی جانے لگے اور ۴۔لوگ اپنی رائے پر گھمنڈ میں مبتلا ہوجائیں۔

آپ ذرا جائزہ لے کر دیکھو، آج ہم اپنے گریبان میں منہ ڈال کر اور چاروں طرف نظر دوڑا کر دیکھیں چاروں طرف یہ باتیں پائی جارہی ہیں کہ نہیں؟ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے حضورِ اقدس سرکار دوعالم ﷺ نے ہمارے زمانے کو آنکھوں سے دیکھ کر یہ بات ارشاد فرمائی۔ جب یہ چار چیزیں ہوجائیں تو کیا کرو؟ "فعليك بخاصة نفسك ودع امر العامة" ایسے موقع پر یہ کرو کہ بس اپنی فکر کرو، یعنی اپنی اصلاح کی فکر کرو، "ودع امر العامة" اور لوگوں کے معاملہ کو چھوڑ دو، لوگوں کی بات چیت کرنا چھوڑ دو۔

اس حدیث کا پہلا مطلب

اس حدیث مطلب بعض حضرات نے یہ بیان کیا ہے کہ جب یہ زمانہ آجائے تو پھر دعوت نہیں، تبلیغ نہیں، امر بالمعروف نہیں، نہی عن المنکر نہیں

اور ایسے وقت میں تبلیغ کا فریضہ ساقط ہو جائے گا، بعض حضرات نے اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے۔ اور اسی وجہ سے میں نے اپنے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ سے سنا کہ ایک مرتبہ حضرت شیخ الہند قدس اللہ تعالیٰ سرہ سے کسی نے اس حدیث کے حوالے سے سوال کیا، پوچھا کہ حضرت چار علامتیں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بتائی ہیں جس کے نتیجے میں یہ فرمایا گیا کہ اپنی فکر کرو، دوسروں کا معاملہ چھوڑ دو، تو یہ چار باتیں تو ہمیں اپنے زمانے کے اندر نظر آرہی ہیں، تو کیا فریضۂ تبلیغ ساقط ہو گیا؟ کیا اب دعوت کا کام بند کر دیا جائے؟ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا جو فریضہ تھا اس وقت نہیں رہا؟ تو حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے جواب میں فرمایا کہ نہیں نہیں! دعوت کا کام اب بھی ضروری ہے، جاری رہے، اور یہ سمجھنا کہ دعوت کا کام ختم ہو گیا یہ غلط بات ہے۔ تو یہ سوال اس کے دل میں اس لئے پیدا ہوا کہ بعض حضرات نے اس کی تفسیر یہ کی کہ "اپنی فکر کرے"۔

دوسرا مطلب

لیکن اس کا ایک اور مطلب بھی ہو سکتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ حفاظت فرمائے غلط تشریح کرنے سے، لیکن مجھے وہ زیادہ اقرب الی الصواب لگتا ہے۔ وہ یہ ہے کہ یہ نہیں کہا جارہا کہ دعوت بند کر دو، تبلیغ بند کر دو، امر بالمعروف و نہی عن المنکر بند کر دو، بلکہ مطلب یہ ہے کہ لوگوں پر تبصرے کرنا بند کر دو، لوگوں کی برائیاں بیان کرنا بند کر دو، اپنی برائیاں دور کرنے کی فکر کرو، اپنی اصلاح کی فکر کرو، یہ پیغام دیا جارہا ہے۔ اس لئے کہ اگر تم لوگوں پر تبصرے کرتے رہو گے، لوگوں کے تذکرے کرتے رہو گے، ان کی برائیاں بیان کرتے رہو گے، معاشرے

کے حالات میں حبّہ (ذرہ) برابر فرق نہیں آئے گا، لیکن اگر اپنی ہی طرف متوجہ ہوگئے، اپنی فکر کرلی تو کیا ہوگا؟ کم از کم ایک آدمی کی تو اصلاح ہوگئی، ایک آدمی تو درست ہوگیا اور اللہ تعالیٰ کی سنت یہ ہے کہ ایک چراغ جلتا ہے تو چراغ سے چراغ جلتے ہیں اور جلتے چلے جاتے ہیں، اگر آپ یہ سوچو کہ ہم یہاں سو، دو سو، پانچ سو آدمی بیٹھے ہیں تو اگر ہم پانچ سو آدمی عہد کرلیں اور اپنے حالات کو درست کرنے کی فکر کرلیں، اپنا جائزہ لے کر دیکھیں، کہاں کہاں غلطیاں کررہے ہیں؟ عبادات میں کیا غلطیاں ہیں؟ معاملات میں کیا غلطی ہے؟ معاشرت میں کیا ہے؟ اخلاق میں کیا ہے؟ ان غلطیوں کی اصلاح کی فکر میں لگ جائیں اور اس کے نتیجے میں ہم اپنی برائیاں دور کرلیں، تو پانچ سو آدمیوں کی اصلاح ہوگئی، پانچ سو آدمی درست ہوگئے اور جب پانچ سو چراغ جل گئے تو ہر چراغ جہاں جائے گا، وہ کوئی اور چراغ بھی جلائے گا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کی سنت یہ ہے کہ اس کے ذریعے پھر دوبارہ اصلاح کا رجحان پیدا ہوجاتا ہے اور معاشرہ رفتہ رفتہ اصلاح کی طرف لوٹ جاتا ہے۔ دوسروں پر تنقید کرنے اور ان کی برائیاں بیان کرنے کے بجائے اپنی فکر کرلو تو ان شاء اللہ آخرت میں بھی تمہارے لئے مفید اور دنیا کے اندر بھی فائدہ مند، یہ ہے پیغام جو اس آیت کریمہ نے دیا ہے کہ ''اپنی فکر کرلو''۔

اصلاح کا آغاز اپنے سے کریں

ہمارا معاملہ۔ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے ہم سب کی اصلاح فرمائیں - کچھ ایسا ہوتا جارہا ہے کہ جب کبھی اصلاح کا نام آتا ہے تو ذہن میں تصور یہ آتا ہے کہ اصلاح کا آغاز دوسروں سے ہو، دوسرے خراب ہوگئے ہیں، وہ درست ہوں، مجھے کوئی ضرورت نہیں ہے، میرے اندر کوئی غلطی ہی نہیں، زبان سے

چاہے کہتے رہیں کہ ہم عیب کے پلندے ہیں، خطاؤں کے پتلے ہیں، ہم گناہ گار ہیں۔ زبان سے کہتے ہیں، جتنا کہتے رہیں لیکن دل میں یہ بات بیٹھی ہوئی ہے کہ ٹھیک ٹھاک ہیں، ہمیں مزید کسی ترقی کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ دل میں بیٹھا ہوا ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ ایک ڈھپ پر جس طرح زندگی چل رہی ہے، وہ چل رہی ہے، اس کے اندر کوئی فرق نہیں آتا۔

وہ شخص خسارے میں ہے

رسولِ کریم سرورِ دوعالم ﷺ کا یہ ارشاد مروی ہے کہ

"من استوی یوماہ فھو مغبون" (۱)

جس شخص کے دو دن برابر ہوگئے وہ خسارے میں ہے، نقصان میں ہے۔

جیسا کل تھا ویسا ہی آج بھی ہے تو وہ خسارے میں ہے۔ اور اخلاق اور اعمال کے اعتبار سے اپنی ترقی کی فکر کرے، لیکن ہو یہ رہا ہے کہ جس ڈھپ پر پڑے ہوئے ہیں بس اس پر قانع ہو کر بیٹھ گئے ہیں اور کبھی اپنی برائیوں کا جائزہ لینے کا موقع نہیں آتا، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ بس دوسروں کی برائیاں تو زبان پر ہیں، لیکن حالات کی اصلاح کا کوئی راستہ نہیں نکلتا۔

---

(۱) للشیخة الکبری لقاضی مارستان ۸۷۵/۲ (۳۲۲) من حدیث عبداللہ بن عمر (طبع عالم الفوائد) الامثال والحکم للماوردی ص۱٦۹ (٤۷۲) من حدیث ضمرة (طبع دار الوطن) والفردس بماثور الخطاب للدیلمی ٦۱۱/۳ (۵۹۱۰) من حدیث علی بن ابی طالب (طبع دار الکتب العلمیة) وذکرہ السخاوی فی "المقاصد" ص٤۰۲ (۱۰۸۰) وقال وسندہ ضعیف.

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا مقام

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو دیکھو! ہر شخص کو ہر آن یہ فکر پڑی ہوئی تھی کہ میرے اندر کیا کمزوری ہے؟ صحابی ہیں، وہ صحابی کہ جس کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا جلوۂ جہاں آراء ایک لمحہ کے لئے میسر آگیا تو وہ آنے والے سارے بڑے بڑے اولیاء اللہ سے بڑھ کر افضل ہوگیا۔ اور شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ نے بڑی پیاری بات فرمائی ہے، فرماتے ہیں کہ دیکھو! بعد کے لوگ علماء، فقہاء، محدثین، مفسرین، کتنے بڑے بڑے لوگ آئے ہیں ان کے بڑے بڑے القاب ہوتے ہیں۔ ہم جب ان کا نام لیتے ہیں بڑے بڑے القاب سے نام لیتے ہیں جیسے امام ابوحنیفہ، امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ، علامہ فلاں، حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ، علامہ بدر الدین عینی رحمۃ اللہ علیہ اور غوثِ پاک، غوثِ اعظم حضرت شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ، کسی کو شیخ کہا جارہا ہے، کسی کو امام کہا جارہا ہے، کسی کو علامہ کہا جارہا ہے، کسی کو عابد کہا جارہا ہے۔ یہ سارے القاب وآداب لگا کر ہم ان کے نام لیتے ہیں، لیکن جہاں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ذکر آتا ہے تو صحابہ کرام کے ساتھ کوئی لفظ نہیں لگتا، کوئی امام ابوبکر نہیں کہتا، یا علامہ ابوبکر نہیں کہتا، یا شیخ الاسلام ابوبکر نہیں کہتا، یہ جو بڑے القاب ہیں یہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ نہیں لگتے۔ حضرت عمر بس حضرت عمر ہیں، فاروق ہیں، رضی اللہ عنہ، ان کو کوئی محدثِ اعظم، علامہ، امام وغیرہ کچھ نہیں کہتے لوگ، کیوں نہیں کہتے؟ فرماتے ہیں کہ درحقیقت جب ان کو صحابی کہہ دیا کہ یہ صحابی ہیں تو سبھی کچھ کہہ دیا، پھر وہ امام بھی ہیں، علامہ بھی ہیں، مجاہد بھی ہیں، مفسر بھی ہیں، محدث بھی ہیں، ساری صفات ان میں جمع ہوگئیں، لہٰذا ان کو کسی القاب

وآداب کی ضرورت نہیں، جس کا چہرہ ہی خوب صورت ہو اس کو کسی سنگھار پٹار کی ضرورت نہیں ہوتی۔ شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ فرما گئے ہیں:

حاجت مشاطہ نیست روئے دلآرام را [1]

تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم وہ قوم ہیں جنہیں سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کی بناء پر وہ مقام حاصل ہوگیا ہے کہ "صحابی" کہنے سے سارے فضائل، سارے مناقب، ساری اچھائیاں اللہ نے ان میں جمع کردیں۔ لہٰذا انہیں امام، علامہ کہلانے کی حاجت نہیں، ایک مرتبہ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری کے نتیجے میں یہ مقام پیدا ہوجاتا ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی حالت

اور جو اس مقام کے لوگ ہیں ان کو ڈر لگ رہا ہے، ڈر اس بات کا لگ رہا ہے کہ حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ جیسے صحابی حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پریشانی کے عالم میں آرہے ہیں اور کہتے جارہے ہیں کہ "نافق حنظلة"[2] یارسول اللہ حنظلہ تو منافق ہوگیا، یعنی اپنے آپ کے بارے میں یہ کہہ رہے ہیں کہ میں تو منافق ہوگیا۔ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم پوچھتے ہیں کہ کیسے منافق ہوگئے؟ کہا کہ جب آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں، آپ کی مجلس میں بیٹھتے ہیں تو آخرت ہمیں اس طرح نظر آتی ہے جیسے آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں اور دل میں خشیت بھی پیدا ہوتی ہے، جذبۂ عمل بھی پیدا ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ کی محبت وعظمت بھی پیدا ہوتی

---

(۱) ترجمہ: خوبصورت کو بناؤ سنگھار کی ضرورت نہیں۔

(۲) صحیح مسلم ۲۱۰۷/٤ (۲۷۵۰)۔

ہے، لیکن جب باہر نکلتے ہیں، بیوی بچوں کے ساتھ رہتے ہیں تو حالت بدل جاتی ہے، پھر وہی دنیا کے کام میں لگ جاتے ہیں۔ یہ تو منافقت کی بات ہوئی، لہٰذا ’’میں تو منافق ہوگیا‘‘، یہ ڈر لگا ہوا ہے اور ڈر لگ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہورہے ہیں۔ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے تسلی دی کہ ’’ساعة فساعة‘‘ اس سے گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے، یہ وقت وقت کی بات ہوتی ہے ’’ساعة فساعة‘‘ مگر ڈر لگا ہوا ہے، کیوں ڈر لگا ہوا ہے؟ اس بات کی فکر ہے کہ کہیں میں خراب راستے پر تو نہیں جارہا، غلط راستے پر تو نہیں جارہا۔

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی حالت

فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ، وہ شخص جس کے بارے میں سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے صراحتاً فرمادیا کہ ’’عمر فی الجنة‘‘(۱) کہ عمر جنت میں ہیں۔ صرف اتنا ہی نہیں فرمادیا، بلکہ جنت کے اندر ان کا محل دیکھ لیا۔ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر کو بتایا کہ میں نے تمہارا محل دیکھا ہے جنت کے اندر(۲)۔ جس شخص کو سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمادیا کہ تمہارا محل جنت میں دیکھ لیا ہے، وہ حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ کے پیچھے جاکر ان کی خوشامد کرتے ہیں، پوچھتے ہیں کہ اے حذیفہ! تمہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے منافقین کی فہرست بتا رکھی تھی کہ کون منافق ہے؟ خدا کے لیے مجھے بتادو کہیں میرا نام تو اس فہرست میں موجود نہیں؟(۳)۔

---

(۱) سنن ابی داود ٤/٢١١ (٤٦٤٩) وسنن الترمذی ٦/١٠٠ (٣٧٤٧) وسنن ابن ماجه ١/١٤٤ (١٣٣)۔

(۲) صحیح البخاری ٤/١١٧ (٣٢٤٢)۔

(۳) الزهد لوكيع بن الجراح ص ٧٩١ (٤٧٧)۔ طبع مكتبة الدار۔ وتاريخ مدينة دمشق لابن عساكر ١٢/٢٧٦۔

جس نے وہ بشارت سن رکھی تھی اس کو بھی یہ فکر لگی ہوئی تھی کہ میں کہیں ایسا نہ ہو کہ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد میری حالت میں تبدیلی آجائے، اس وقت تو یہ بات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی تھی، لیکن بعد میں میرے حالات میں تبدیلی نہ آگئی ہو۔

معاملہ برابر سرابر ہوجائے

اس لیے ایک مرتبہ امیر المومنین حضرتِ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے کہا کہ اے ابو موسیٰ! ذرا مجھے یہ بتاؤ اگر اللہ تعالیٰ سے ہمارا یہ معاملہ ہوجائے کہ جو کچھ اعمال ہم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدِ مبارک میں کئے تھے، وہ تو ہمارے پکے ہوجائیں، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدِ مبارک میں آپ کی نگرانی میں، آپ کی صحبت میں ہم نے جو اعمال کرلیے تھے وہ تو ہمارے پکے ہوجائیں، اللہ تعالیٰ ان کا ہمیں ثواب دیدے، اور سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے جانے کے بعد ہم نے جو کچھ کیا ہے وہ ہمارے لیے برابر سرابر ہوجائے کہ نہ اس پر گناہ ملے نہ اس پر ثواب ہو تو بتاؤ تمہارے خیال میں یہ سودا کیسا رہے گا؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے پوچھ رہے ہیں، حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے کہا کہ حضرت امیر المومنین! ہم تو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے بہت کچھ امید رکھتے ہیں، سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے دنیا سے جانے کے بعد بھی الحمد للہ ہمیں توفیقِ خداوندی حاصل رہی ہے، جہاد ہم نے کئے ہیں، تو ہم کیوں اس سے دست بردار ہوجائیں؟ ہم تو اس کا اجر بھی اللہ تعالیٰ سے مانگیں گے۔ ان کا مقام تھا، ناز کا مقام تھا اللہ تبارک وتعالیٰ کے ساتھ کہ ہمیں وہ بھی ملے۔ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے کہا کہ نہیں نہیں! ابو موسیٰ تم خیر کی خواہش کرتے ہو، میری خواہش تو یہ ہے کہ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کئے ہوئے جو اعمال

ہیں وہ تو میرے پکے ہوجائیں، اور آپ کے بعد جو اعمال ہوئے ہیں وہ ہمارے لئے برابر سرابر ہوجائیں کہ نہ ثواب ملے نہ عذاب ملے (۱)۔ چنانچہ جب زخمی ہوئے ہیں شہادت سے کچھ پہلے، وفات سے کچھ پہلے، لوگوں کو سامنے بٹھا کر جو بہت سی باتیں کیں، عجیب وغریب باتیں تھیں، ان میں ایک بات یہ بھی تھی کہ میں تو اللہ تعالیٰ سے یہ امید کرتا ہوں کہ اللہ مجھے برابر سرابر پہنچا دیجیے، مجھ سے میرے اعمال کا حساب نہ لیجیے اور برابر سرابر پہنچا دیجیے (۲)۔

اپنے اعمال پر توجہ دیں

تو عرض یہ کر رہا تھا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جنہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے بشارتیں سنی ہوئی تھیں، ان کو تو یہ خوف لگا ہوا ہے اور ہر وقت اپنے عیوب کی طرف ان کی نگاہ ہے، لیکن ہمارا حال یہ ہے کہ ہم اس طرح قانع ہوکر بیٹھے ہیں کہ بس جو کچھ کر رہے ہیں ٹھیک کر رہے ہیں، نہ اپنی برائیوں کا احساس، نہ اپنے عیوب کا دھیان، نہ اپنے اندر اصلاح کرنے کی کوشش۔ اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں کہ ''یَآاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا عَلَیْكُمْ اَنْفُسَكُمْ'' اے ایمان والو! اپنی خبر لو، اپنی فکر کرو۔ کس طرح کرو؟ بھئی پیغام یہ ہے کہ آپ کو یہ باتیں جو میں کہہ رہا ہوں، یہ آپ کے لئے بعد میں ہیں پہلے میرے لیے ہیں۔ پہلے ہم اپنا جائزہ لے کر دیکھیں کہ ہم کیا کر رہے ہیں؟ اللہ تعالیٰ نے ہمیں ایک ایسا دین دیا جس میں عبادات بھی ہیں، جس میں معاملات بھی ہیں، جس میں اخلاق بھی

(۱) صحیح البخاری ۶۳/۵ (۳۹۱۵)۔
(۲) صحیح البخاری ۸۱/۹ (۷۲۱۸) ومسند احمد ۴۰۸/۱ (۳۲۲)۔

ہیں، جس میں معاشرت بھی ہے۔

تو ذرا سا جائزہ لے کر دیکھیں، عبادات ٹھیک کر رہے ہیں؟ عبادات جیسے انجام دینی چاہئیں ویسے انجام دے رہے ہیں؟ نماز باجماعت کا اہتمام ہے؟ اور پھر نماز کے اندر جس طرح اللہ تبارک وتعالی کی بارگاہ میں خشوع چاہیے، اس کی فکر ہے؟ اگر ہے تو سبحان اللہ! اگر نہیں ہے تو اس کی اب آئندہ فکر کریں۔

معاملات: بیع وشراء (خرید وفروخت) کے معاملات، روزی کمانے کے معاملات، ملازمتوں کے، تجارتوں کے، اس کے بارے میں اسلام نے سارے احکام دیئے ہوئے ہیں۔کون سی چیز حلال ہے، کون سی حرام ہے؟ ہم جو لقمہ کھا رہے ہیں وہ مکمل حلال آ رہا ہے یا اس میں کسی حرام کی آمیزش ہے؟ اللہ نے سود کو حرام کیا ہے، سود ہمارے گھروں میں داخل تو نہیں ہو رہا؟ اس کی فکر کریں۔

اخلاق ہیں، اللہ تعالی نے اخلاق کا ایک عظیم نظام ہمیں عطا فرمایا ہے کہ تم نبی کریم سرور دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے امتی ہو، لہٰذا تمہاری اخلاقی حالت ہر اعتبار سے سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے مطابق ہونی چاہیے۔کیا غصہ تمہارا قابو میں ہے؟ کہیں ایسا تو نہیں کہ غصے میں آ کر کسی کے ساتھ زیادتی کر دیتے ہو؟ کیا والدین کے ساتھ تمہارا سلوک، بیویوں اور اولاد کے ساتھ تمہارا سلوک، ماں باپ کے ساتھ تمہارا سلوک درست ہے کہ نہیں ہے؟ اس طرح جائزہ لے کر دیکھیں اپنا اور جہاں جہاں خامی نظر آئے اس کو درست کرنے کی فکر کریں اور اللہ تعالی سے دعا کریں کہ اللہ تبارک وتعالی اپنے فضل وکرم سے ہمیں ان خامیوں کو دور کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کا وعدہ

اللہ تبارک وتعالیٰ نے ایک وعدہ کیا ہے کہ

وَالَّذِيْنَ جٰهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا (۱)

جو لوگ ہمارے راستے میں کوشش کرتے ہیں ہم ضرور بالضرور ان کو اٹھا کر اپنے راستوں تک پہنچادیں گے۔

حضرت مفتی محمد حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ حضرت حکیم الامت قدس اللہ تعالیٰ سرہ کے حوالے اس کا سے ترجمہ یوں فرمایا کرتے تھے کہ ہم تمہیں اٹھا کر لے جائیں گے اپنے راستوں پر، یعنی یہ ہدایت ''اراء الطریق'' کے معنی میں نہیں ہے، بلکہ ایصال الی المطلوب کے معنی میں ہے۔ ''لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا'' ہم ضرور بالضرور تمہیں اٹھا کر لے جائیں گے، لیکن ایک مرتبہ فکر تو پیدا کرلو، ایک مرتبہ اس کی اہمیت تو دل میں پیدا کرلو اور ارادہ کرلو کہ ہم اپنی اصلاح کریں گے تو اللہ تبارک وتعالیٰ ان شاء اللہ ثم ان شاء اللہ منزل تک پہنچادیں گے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے فضل وکرم سے اور اپنی رحمت سے ہم سب کو اس کی توفیق عطا فرمائے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ اس آیتِ کریمہ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد پر مکمل عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

(۱) سورۃ العنکبوت آیت (۶۹)

مواعظِ عثمانی

اِصلاحی تقاریر و مضامین کا موضوع وار مجموعہ



شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم کے جملہ مواعظ، خطبات اور تحریرات کا تخریج شدہ جامع اور مستند ترین موضوع وار مجموعہ ہے، اس مجموعہ میں حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم کی درج ذیل کتب کا استیعاب کیا گیا ہے:

- حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
- اصلاحی خطبات
- اصلاحی مواعظ
- اصلاحی مجالس
- خطباتِ عثمانی
- خطبات دورۂ ہند
- درسِ شُعب الایمان
- نشری تقریریں
- فردکی اصلاح
- اصلاحِ معاشرہ
- تربیتی بیانات
- ذکر وفکر
- the Islamic Months

اس کے علاوہ

- آسان ترجمہ قرآن
- اسلام اور ہماری زندگی
- انعام الباری
- تقریر ترمذی
- جہانِ دیدہ
- سفر در سفر
- دنیا مرے آگے
- اسلام اور جدید معاشی مسائل
- ہمارا معاشی نظام

کے منتخب مضامین، ماہنامہ البلاغ اور دیگر مجموعوں اور رسائل میں شامل شدہ، اور بعض صوتی صورتوں میں محفوظ شدہ حضرت والا دامت برکاتہم کے بیانات وخطبات کو شامل کیا گیا ہے، جس سے علماء، طلباء، خطباء اور عام پڑھے لکھے حضرات بآسانی استفادہ کر سکتے ہیں۔

مواعظ عثمانی جلد-14
010328

مکتبہ معارف القرآن کراچی ۱۴
(Quranic Studies Publishers)